

پیشکش: جستجو (فیس بک گروپ)

اخلاقی نفسیات

تحریر وہارا امباکر

مرتب: خالد محمود آزاد

JUSTJU WEBSITE:

<http://justju.pk>

JUSTJU PAGE:

<https://www.facebook.com/ilmkijustju/>

JUSTJU GROUP:

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/>

JUSTJU TELEGRAM:

<https://t.me/jusjtu>

JUSTJU YOUTUBE:

<https://www.youtube.com/channel/UCnmsjIFH4pLck4VK9OVk0bw#menu>

JUSTJU TWITTER:

<https://twitter.com/PkJustju/status/1235097536253300736?s=19>

mswordcoverpages.com

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
1	فیئر پلے	4	19	ہاتھی اور مہاوت	73
2	اخلاقی نفسیات	7	20	ساکھ	75
3	دو سوال	11	21	سماجی قطب نما	80
4	ماخذ	16	22	ذہانت	84
5	چھ سیٹج	22	23	جواز	90
6	اخلاقی بمقابلہ سماجی قوانین	26	24	جانبداری	94
7	ریشنلزم سے آگے	28	25	عقل کا سراب (Rationalist Delusion)	97
8	فرد یا سماج؟	32	26	تین موضوع	102
9	مشرق و مغرب	34	27	مشرق کا سفر (1)	105
10	حرمت	39	28	مشرق کا سفر (2)	108
11	منقسم ذات	42	29	سرخ گولی	111
12	انسانی فطرت	46	30	دستر خوان	115
13	روح کی فروخت؟	48	31	اخلاقی ذائقے	118
14	جبلت اور گپ شپ	54	32	بنیاد (Moral Foundation Theory)	122
15	سماجی اثر	57	33	اخلاق کی مٹھاس	125
16	سیاسی آراء	60	34	سوالنامہ	129
17	سائیکوپاٹھ اور بچے	65	35	پرواہ	137
18	ٹرائی کا مسئلہ	70	36	انصاف	141

37	وفاداری	146	39	پستی	160
38	فرمانبرداری	150	40	کراہت	175
41	مقدس	179	51	معاشرت کے دھاگے	219
42	برابری	184	52	خوشحالی	231
43	آزادی	187	53	ذات سے آگے	235
44	انقلاب	189	54	اخلاقیات کیا ہے؟	242
45	سزا	197	55	جین اور نظریہ	245
46	نامکمل تصویر	201	56	جین اور سیاست	248
47	تنظیم کی تہیں	203	57	جین سے نظریات تک - شخصیت کے تین سطحیں	251
48	خود غرض جین؟	206	58	مخالف نظریات اور صحت مند معاشرہ	255
49	گروہی چناؤ	208	59	اخلاقیات کا معجزہ	258
50	موٹر بوٹ	215			



فیر پلے

آخر میں دئے گئے لنک کی ویڈیو میں ایک منظر ہے۔ لندن میں فٹبال کا میچ جاری تھا۔ ویسٹ ہیم اور ایورٹن کے درمیان ہونے والا اہم مقابلہ ایک ایک گول سے برابر تھا۔ اختتامی لمحات میں ویسٹ ہیم کی ٹیم گول پر حملہ آور تھی۔ ایورٹن کے گول کیپر حملہ روکنے کی کوشش میں پینالٹی بکس کے باہر مسل پل ہو جانے کے سبب گر پڑے۔ گیند ویسٹ ہیم کے کھلاڑی کے پاس آگئی جنہوں نے اس کو کراس کے ذریعے گول کے سامنے کھڑے ہوئے پاؤلوڈی کینیو کی طرف پاس دے دیا۔ پاؤلوڈی کینیو کے سامنے گول خالی پڑا تھا۔ صرف گیند اندر ڈالنی تھی اور میچ جیت لینا تھا۔

ڈی کینیو نے اپنے پاس آئی گیند کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور گول کیپر کی طرف اشارہ کر دیا کہ چونکہ مخالف گول کیپر گرے ہوئے ہیں، اس لئے وہ گول نہیں کریں گے۔

تمنا شیوں کی طرف سے فوری ردِ عمل آیا۔ سب نے کھڑے ہو کر ڈی کینیو کے اس عمل کی داد دی۔ اس میں دونوں ٹیموں کے شائقین شامل تھے۔

کچھ دیر بعد میچ ختم ہو گیا۔ ویسٹ ہیم کی ٹیم ڈی کینیو کے اس عمل کی وجہ سے میچ نہ جیت سکی۔ عالمی فٹ بال ایسوسی ایشن (فیفا) نے اس کو سزا دیا اور ڈی کینیو کو فیر پلے ایوارڈ دیا گیا۔

(اطالوی کھلاڑی ڈی کینیو کی شہرت غصیلے کھلاڑی کے طور پر تھی اور انکے کیریئر میں اس سے پہلے کئی تنازعات رہے تھے۔ ایک میچ میں ریفری نے جب انہیں سرخ کارڈ دکھایا تھا تو ریفری کو دھکامار کر گرا دینے کی وجہ سے لمبی پابندی رہی تھی۔ ایک اور واقعے میں گول کرنے کے بعد اپنے دائیں بازو کے سپورٹرز کے سامنے فاشسٹ سلیوٹ کرنے پر تنقید کا نشانہ بنے تھے)۔

ڈی کینیو کا یہ ایکشن اخلاقیات کے بارے میں چند بنیادی سوالات پیدا کرتا ہے۔ اس کے لئے اس صورتحال کا ایک جائزہ۔



سب سے پہلے تو یہ کہ یہ ایکشن بے ساختہ intuitive تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ انہوں نے پہلے ٹھیک یا غلط کا موازنہ کیا، اس کے دلائل سوچے اور پھر فیصلہ کیا۔ جیسے ہی گیند ان کے پاس آئی، وہ فیصلہ لے چکے تھے۔

فٹبال کے قوانین انہیں گول کرنے سے نہیں روکتے تھے۔ نہ انہوں نے اور نہ ہی ان کی ٹیم کے کسی کھلاڑی نے کسی قانون کی

خلاف ورزی کی تھی۔ گول کیپر کی انجری میں بھی ان کی ٹیم کی کسی کھلاڑی کا دانستہ یا غیر دانستہ طور پر کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا قانونی لحاظ سے درست تھا۔ گول کر دینا ان کا حق تھا۔

اگر وہ گول کر دیتے تو بھی گول کیپر کو طبی امداد ملنے میں کوئی تاخیر نہ ہوتی۔ یعنی یہاں پر کھیل نہ روکنا کسی کو کوئی تکلیف یا ضرر نہیں پہنچا رہا تھا۔ بطور کھلاڑی، کسی کا مقصد اپنی ٹیم کو جتوانا ہے۔ ٹیم اور کھلاڑی کا یہی معاہدہ ہے۔ کلب کی طرف سے کھلاڑی کو اسی کام کے لئے ڈھیروں پیسے دئے جاتے ہیں۔ اسی کے لئے کھلاڑی پورا زور لگاتے ہیں۔ کیا قانون کے اندر رہتے ہوئے جیتنے کا موقع جان بوجھ کر گنوا کر ڈی کینیو نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کی تھی؟ کیا یہ اپنی ٹیم سے غداری نہیں تھی؟

لیکن میچ کے شائقین، ان کی ٹیم کے مینجیر، فٹ بال کے مبصرین اور فیفا نے ڈی کینیو کے ایکشن سے اتفاق کیا۔ تقریباً ہر کوئی اس پر متفق تھا کہ گول کرنا قانوناً درست تھا لیکن اخلاقی لحاظ سے گول نہ کرنا ٹھیک فیصلہ تھا۔

لیکن کیوں؟ اس کے لئے ہمیں انسانی نفسیات کے جس پہلو کی طرف جانا ہوگا، یہ اخلاقی نفسیات کا موضوع ہے۔ اور اس کو سمجھنے کے لئے ہم معروف سوشل سائیکولوجسٹ جو نا تھن ہائیٹ کی لکھی اس کتاب سے مدد لیں گے۔

The Righteous Mind: Why Good People are Divided by Politics and Religion

اس کی ویڈیو

<https://www.premierleague.com/video/single/935675>

سوالات و جوابات

Mohsin Waqar Ali

ہمارے ہاں لوگ بس "اجازت" کو دیکھتے ہیں، جو اگر واضح نہ ہو تو بھی تاویل میں تراش لی جاتی ہیں۔

Wahara Umbakar

ہمارے ہاں بھی لوگ ویسے ہیں جیسے کسی بھی اور جگہ۔ امید ہے کہ اس سیریز میں انسانوں کی نفسیات کے بارے میں اس حوالے سے کچھ insight مل سکے گی۔

Mohsin Waqar Ali

ہم کچھ زیادہ ہی ٹیڑھے دماغ کے واقع ہوئے ہیں سر۔۔۔

Wahara Umbakar

ہم نہ ہی کسی سے برتر ہیں اور نہ ہی کمتر۔ انسان بس ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اور ہم اپنا انسان ہونا celebrate کرتے ہیں۔

Mumtaz Hussain

ڈسمنڈ موریس اپنی کتاب The Naked Ape میں جانداروں کی جبلت کے اس حصے پر بحث کرتا ہے جس کا تعلق آپس کی لڑائی سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب کمزور جاندار ہارنے کا اشارہ دیتا ہے تو طاقتور جاندار میں ایک خود کار عمل کے ذریعے جارحیت کا عمل یکدم رُک جاتا ہے۔ ان کے مطابق یہ جبلت انسان میں بھی پائی جاتی ہے۔ اوپر مذکورہ رویہ بھی شاید اس سے تعلق رکھتا ہے۔

Wahara Umbakar

اخلاقیات جارحیت یا لڑائی تک ہی محدود نہیں۔ مثال کے طور پر، فیئر پلے کی مذکورہ مثال کا تعلق جارحیت یا تکلیف سے نہیں۔ اسی طرح ضرر، تقدیس و حرمت، وفاداری، دھوکہ دہی دیانتداری، خوراک، شہوت جیسی چیزیں ہیں جو چند بنیادی موضوعات ہیں جو اخلاقیات میں آتے ہیں۔

اس میں جبلت کا بڑا حصہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ تربیت کا بھی، عقل کا بھی۔ اگر موقع ملا تو یہ انشاء اللہ اس سیریز میں۔۔۔

اخلاقی نفسیات

جو لوگ کسی موضوع کو پڑھنے میں عمر لگا دیتے ہیں، عام طور پر ایسا سمجھ لیتے ہیں کہ ان کی دلچسپی کا موضوع ہی سب کچھ ہے۔ اور صرف اسی کی نظر سے دنیا کی ہر شے کو سمجھا جاسکتا ہے۔ ہمیں ایسی کتابیں ملیں گی جہاں پر یہ بتایا جاتا ہے کہ انسانی تاریخ کو کسی ایک شے نے کس طرح سے تشکیل کیا ہے۔ جنگ، کھانا پکانا، ممتا، جغرافیہ، سائنس، ماحولیات۔۔۔ حتیٰ کہ نمک کی نگاہ سے بھی انسانی تہذیب کی تاریخ سنائی جا چکی ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسی ہی کتاب ہے۔ اس کا مقدمہ یہ ہے کہ اخلاقیات وہ غیر معمولی انسانی صلاحیت ہے جس نے تہذیب کا بننا ممکن کیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا پکانا، ممتا، جنگ، جغرافیہ، ماحولیات یا نمک ضروری نہیں تھے لیکن اس کتاب میں ہم انسانی فطرت اور تاریخ کا اخلاقی نفسیات کے زاویے سے جائزہ لیں گے۔

اور امید ہے کہ اس سفر کے آخر میں آپ کو انسانی زندگی کے دو بہت ہی اہم (اور کئی بار متنازعہ) موضوعات کے بارے میں سوچنے کا موقع بھی ملے گا۔ مذہب اور سیاست۔

میرا زمانہ طالب علمی جس دور میں گزرا تھا، اس وقت عمارتوں میں یہ فقرہ عام لکھا ہوتا تھا، ”یہاں مذہب اور سیاست پر بات کرنا منع ہے“۔ آج بھی بہت سی محفلوں میں ان موضوعات کو چھیڑنے سے احتراز کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ایک بار ان پر بحث چھڑ جائے تو یہ روشنی کم اور حرارت زیادہ پیدا کرتی ہے۔ اس وجہ سے شائستہ محفلوں میں ان موضوعات پر بات کرنا ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

اور یہ دونوں موضوعات بنیادی طور پر اخلاقی نفسیات کے ہیں۔ اور اس نفسیات کو سمجھنا لوگوں کو قریب لاسکتا ہے۔ اس کتاب کا مقصد یہ ہے کہ ان موضوعات کو حرارت، تلخی اور غصے کی جگہ پر احترام، تعجب اور تجسس کی نظر سے دیکھا جائے۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری نوع میں انتہائی پیچیدہ اخلاقی نفسیات پائی جاتی ہے۔ اور یہ وہ شے ہے جو ممکن کرتی ہے کہ ہم جدید معاشروں میں امن و سکون کی خوشگوار زندگی بسر کر سکیں۔ چند ہزار سالوں میں ہمارے معاشرے غیر معمولی طور پر پر امن ہوئے ہیں۔

اور ہم اخلاقیات، مذہب اور سیاست پر بھی زیادہ پر امن اور خوشگوار طریقے سے بات کرنے کے بھی قابل ہیں۔ کیونکہ بنیادی طور پر ہم اخلاقی نوع ہیں۔



صحیح اور غلط، نیک و بد۔۔۔ ہم اپنے ڈیزائن میں اخلاقیات کا جنون رکھتے ہیں۔ اور یہ جنون نارمل انسانی کنڈیشن ہے۔ اور ایسا بالکل نہیں کہ یہ ہمارے معروضی اور معقول ذہن میں نمودار ہو جانے والی غلطی ہے بلکہ یہ ہماری بنیادی خاصیت ہے۔

کوئی اور جاندار ایسا نہیں جو ہماری طرح تعاون کے اس قدر بڑے گروپ بنا سکے۔ گروہ، جماعتیں، قبیلے، اقوام، ممالک۔ بڑی تعداد میں ایسے گروپ بنتے ہیں جن کو رشتہ داری یا جینیاتی ہم آہنگی کی گوند نہیں جوڑتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف، ہماری یہی خاصیت ان تعاون کرنے والے گروہوں کو ایک دوسرے سے تنازعے میں بھی رکھتی ہیں۔ بلکہ گروہوں میں کسی درجے کی کشیدگی تو شاید کسی معاشرے کے صحت مند اور توانا رہنے کے لئے ضروری ہے۔

اپنی ناپختہ عمر میں ہماری خواہش ہوتی ہے کہ عالمی امن ہو اور تمام دنیا کے لوگ مل جل کر رہیں۔ لیکن اس موضوع کی سمجھ کے بعد آپ جلد ہی جان لیتے ہیں کہ یہ ایک غلط خواہش ہے۔

قابل عمل یہ ہے کہ مقابلے کے نظریات ایک توازن میں رہیں۔ جو اب بھی کاپلڑا کسی ایک طرف نہ جھک جائے۔ سماجی رسہ کشی کا کانٹے دار مقابلہ ہمیں آگے بڑھاتا رہے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد کم سے کم ہوتی جائے جو یہ یقین رکھتے ہوں کہ صرف وہی حق پر ہیں اور اپنے نظریے کے غلبے کے لئے کوئی بھی راستہ اور کوئی بھی طریقہ اپنانا ٹھیک ہے۔

یہ خواہش دیرپا عالمی امن و آشتی جیسی رومانوی تو نہیں لیکن ایسی ہے جسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

کبھی کبھی مجھے لگتا ہے وہارا امبار کر کے پیچھے ایک سے زیادہ شخصیات موجود ہیں۔ ہر موضوع کو بخوبی قلم بند کرنا ایک اکیلے انسان کی بس کی بات کیسے ہو سکتی ہے شاید اس دلچسپ موضوع میں کہیں جا کر مجھے روایتی اختلاف ہو لیکن میں پھر بھی اسے پڑھوں گی۔ دلچسپ سلسلہ۔

مجھے یاد ہے خانہ کعبہ پر جعلی امام مہدی پر پاکستانی کمانڈوز پر میں نے آپ سے اختلاف کیا تھا۔ اس وقت مجھے آپ کوئی دشمن لمیٹ لگے تھے بابا بابا بابا۔۔۔ لیکن اب میں صرف ایک علم دوست انسان کی بہترین تحریر پڑھوں گی اختلافات ایک طرف رکھ کر ان شاء اللہ

Wahara Umbakar

اگر دنیا میں دو افراد کے خیالات بالکل ایک ہی جیسے ہوں تو اس کا مطلب یہی لیا جاسکتا ہے کہ ان میں سے کم از کم ایک شخص نے سوچنا بند کر دیا ہے۔

Usamâ Ahsan

ایسے لوگوں کی تعداد جو صرف خود کو ہی حق پر سمجھتے ہیں کم سے کم کیوں ہوتی جائے؟ مکمل ختم کیوں نہ ہو؟

Wahara Umbakar

یہاں پر قابل عمل مقصد کا لکھا ہے۔ وہ جہاں تک پہنچنے کی امید ہو



دو سوال

”ایک شخص کو سڑک پر ایک مردہ بلی ملتی ہے۔ وہ اس کی لاش کو اٹھا کر گھر لے آتا ہے۔ اس کا سر آری سے کاٹ کر الگ کرتا ہے۔ اس سے فٹبال کھیلتا ہے۔ کچھ دیر میں تھک کر اس کی لاش کو دفن کر دیتا ہے۔“

کیا آپ کو اس کی یہ حرکت پڑھ کر ناگواری ہوئی؟ کیوں؟ کیا اس نے کچھ ایسا کیا جو غیر اخلاقی تھا؟ کیوں؟ اس نے کسی کو مارا نہیں۔ کسی ذی روح کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی۔ نہ ہی بلی کی لاش کسی اور کام آنا تھا۔ اور نہ ہی اس کی حرکت کا اس کے سوا کسی کو علم ہے۔ اس نے بس کچھ دیر اپنا وقت اپنے شوق پورا کرنے میں گزار دیا؟ تو پھر کیا اس میں کچھ ایسا ہے کہ ہم اس کے مشغلے پر تنقید کریں؟ اگر ہاں، تو پھر وجہ کیا ہے؟

ایک اور مختصر سی کہانی۔ اس کو پڑھ کر کچھ دیر رکیں اور فیصلہ کریں کہ کیا اس کہانی میں لوگوں نے کوئی غیر اخلاقی حرکت کی؟

”کوریامیں ایک فیملی کا بہت ہی وفادار اور پیارا کتا جیکی تھا۔ یہ گھر کے فرد کی مانند تھا۔ سب گھر والوں کو بہت پسند تھا۔ جب بھی گھر کے فرد باہر جاتے تو اس کو ساتھ لے جاتا۔ واپس آنے پر خوش ہو کر دم ہلاتے ہوئے ان کا استقبال کرتا اور پاؤں سے لپٹ جاتا۔ ایک روز ان کے گھر کے سامنے ہی ایک گاڑی والے کی ٹکر سے جیکی مارا گیا۔ انہوں نے سنا ہوا تھا کہ کتے کا گوشت مزیدار ہوتا ہے۔ انہوں نے جیکی کو کاٹ کر پکا لیا۔ اس روز رات کے کھانے پر آلوی بھیجا کہ ساتھ مزے لے کر جیکی کا روٹ کھایا گیا۔ بہت لذیذ تھا۔“

اگر آپ عام لوگوں کی طرح ہیں تو شاید آپ کو اس حرکت سے کراہیت محسوس ہوئی ہو۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ جب اس سوال کا جواب دینے لگے ہوں کہ کیا یہ غیر اخلاقی حرکت تھی تو کراہیت کی پہلی لہر چلے جانے کے بعد کچھ سوچ میں پڑ گئے ہوں۔ کیونکہ ہم نے سوال کا جواب اخلاقی نکتہ نظر سے دینا ہے۔ انہوں نے کتے کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی کیونکہ وہ تو پہلے ہی مر چکا تھا۔ انہوں نے کسی اور کا کتا چوری نہیں کیا تھا۔ انہی کا اپنا کتا تھا۔ کتے کا گوشت ہم تو نہیں کھاتے لیکن کئی جگہوں پر یہ دوسرے جانوروں کی طرح کھایا جاتا رہا ہے۔

ہو سکتا ہے کہ آپ کہیں کہ ”بہتر ہوتا کہ وہ اس کو دفن کر دیتے لیکن ہم اسے غیر اخلاقی نہیں کہہ سکتے“



ہو سکتا ہے کہ آپ کہیں کہ ”یہ بالکل غیر اخلاقی حرکت ہے۔“

لیکن اصل نکتہ ایسے سوالات کا جواب نہیں۔ صرف یہ بتانا تھا کہ اخلاقیات بڑا وسیع موضوع ہے۔ اور ایک عام نکتہ نظر کے برعکس اس کا تعلق محض کسی کو تکلیف پہنچانے یا انصاف یا حق تلفی سے ہی نہیں۔ اور اگر آپ یہ سادہ سی حقیقت سمجھ لیں کہ اخلاقیات کا معیار اور اس کی تعریف نہ صرف دنیا بھر میں یکساں نہیں بلکہ ایک سوسائٹی کے اندر بھی ایسا نہیں ہوتا۔ تو یہ اپنے ذہن کے اخلاقی آلے کو سمجھنے کا پہلا قدم ہے۔ اب ہم اس سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

سوالات و جوابات

NiamatUllah

اچھائی اور برائی کا تصور ہر معاشرے کیلئے مختلف ہے ؟

WaharaUmbakar

یہ تصور ہر جگہ پر یکساں نہیں

FaisalNaeemAbbasi

ایسی اچھی اخلاقیات کی مثالیں عام طور پر بد اخلاقی کا مظاہرہ کر کے اپنے عمل کو اخلاق گرداننے والے دیتے نظر آتے ہیں۔

WaharaUmbakar

الجھے ہوئے سوال کو نظر انداز کر دینا بھی ایک حکمتِ عملی ہے۔ (تاہم، اس سے سوال حل نہیں ہوتے)۔

QasimNawazKhan

اخلاقی اصول ہر قوم و ملک کے علیحدہ ہیں لیکن انسانیت کیلئے سب سے بہتر اخلاقی اصول جو اسلام نے دیے ہیں وہ آفاقی ہیں جو آج نہیں تو کل ہر ملک و قوم ضرور اپنائے گی مثلاً اسلام نے چوری، جھوٹ، دھوکہ، شراب، کتا سورا حرام کھانے سے منع کیا ہے عریانی زنا فحاشی سے منع کیا ہے اب جو ممالک یہ کام کریں گے تو اس کے نقصانات کے بعد صدیوں کے تجربات کے بعد آہستہ آہستہ ترک کرتے جائیں مثلاً چمگاڈر کھانا چین میں برا نہیں سمجھا جاتا تھا پھر وہاں سے دیکھیں کیسی کرونا والی وبا پھیلی اس طرح جو عریاں لباس کو فیشن سمجھتے ہیں وہاں عزت کا معیار دیکھیں جسکی بیٹی کو جو بوائے فرینڈ لے جائے والدین برا محسوس نہیں کرتے جس سے زنا و شراب کا کلچر عام ہے ان ممالک میں جس کے بھیانک نتائج نکلیں گے اور آخر ان معاشروں کو اسلامی آفاقی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑے گا

Wahara Umbakar

کرونا کی وبا چمگاڈر کھانے سے پھیلی؟

Abid Hussain

بالکل۔ آگے تو ہم نے بڑھنا ہی ہے۔ کیا ہم آگے کچھ ایسی مشترکہ بنیادیں دیکھ سکیں گے جن پر اخلاق نامی عمارت کو کھڑا کیا جاسکے گا

Wahara Umbakar

مشترکہ بنیادیں ہیں تو معاشرے قائم ہیں

Usamâ Ahsan

سر مذکورہ دونوں واقعات پر آپ کی رائے جاننا چاہتا ہوں۔ کیا آپ دونوں حرکتوں کو غیر اخلاقی سمجھتے ہیں؟ ہاں تو کیوں

Wahara Umbakar

میرے اخلاقی معیار میں دونوں غیر اخلاقی ہیں۔ یہاں پر sacredness کی اتھکس کی خلاف ورزی ہے۔

کیوں؟ میں اس کی اچھی وضاحت نہیں دے سکتا۔ لیکن اپنے dumbfound ہونے پر پریشانی نہیں۔ باقی تفصیل سیریز میں آئندہ۔

Syed Arshad

اب اگر اس کہانی کو پاکستان لے آئیں اور کتے کو بکرے یا مرغے سے بدل لیں۔۔۔۔ پھر یہی بکرا یا مرغہ کسی حادثہ میں زخمی ہو اور اُس کو ذبح کر کے کھایا جائے۔۔۔۔ تب آپ کا کیا خیال ہے۔۔۔۔؟؟؟؟۔۔۔۔ ذرا بتائے۔

Wahara Umbakar

مجھے علم نہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

Qadeer Qureshi

جی یہی غالباً اس سوال کا منشاء ہے کہ انسان کچھ جانوروں کو کھانے میں کراہت محسوس کرتا ہے جبکہ کچھ دوسرے جانوروں کو کھانے میں اسے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ہم اپنے کلچر سے یہ سیکھتے ہیں کہ کیا کچھ کرنا قابل قبول ہے اور کیا کچھ نہیں۔ جانور کو مار کر کھانا (جس میں جانور کی جان جاتی ہے) اکثر معاشروں میں قابل قبول ہے۔ لیکن جانوروں کو تکلیف دینا (اگرچہ اس میں جانور کی جان نہیں جاتی) کسی بھی معاشرے میں قابل قبول نہیں ہے۔ اسی طرح جانوروں کے ساتھ جنسی عمل کسی بھی معاشرے میں قابل قبول نہیں ہے خواہ اس میں جانور کو کوئی تکلیف نہ بھی ہو۔ اگر بالکل منطقی نکتہ نظر سے دیکھا جائے تو جانور کی جان لینا جانور کے ساتھ جنسی عمل کی نسبت زیادہ ناقابل قبول ہونا چاہیے لیکن کم و بیش ہر معاشرے میں ایسا نہیں ہے۔ اس لیے کہ اخلاقیات کی بنیاد صرف منطق پر ہی نہیں ہے

Farhat Yasmeen

ایک شخص جسے سڑک پر مردہ بلی ملتی ہے۔۔۔ ایک طرف تو اس کے ذہن کا اخلاقی آلہ اس کا سر کاٹ کر فٹ بال کھیلنے کو برا نہیں سمجھتا ہے۔۔۔۔۔ تو دوسری طرف اسے مردہ سمجھ کر دفن کرنے پر بھی اکساتا ہے۔۔۔۔۔ ذہن کا یہ اخلاقی آلہ اسے دو مختلف اور مخالف سگنل دیتا ہے۔۔۔۔۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر موجود حیات میں (بشمول انسان) میں اخلاقی آلہ کب اور کن ضروریات کے تحت فٹ ہوا؟؟؟ زمین پر موجود حیات ہمیں کسی نہ کسی شکل میں اخلاقی آلہ کا استعمال کرتی نظر آتی ہے۔

Wahara Umbakar

حیات کی ہر قسم اخلاقیات نہیں رکھتی۔ ایک کیچوانیک و بدکی پہچان پر فیصلہ نہیں لیتا۔ اخلاقیات کی موجودگی کے بغیر کوئی بھی جاندار اتنے بڑے پیمانے پر تعاون کے نیٹورک نہیں بنا سکتا جو انسان کر سکتے ہیں

Farhat Yasmeen

جناب اخلاقیات کیا صرف نیک اور بد پر ہی مشتمل ہے؟؟؟ کیا محبت، بچاؤ اور مدد اخلاقیات کے دائرے میں نہیں آتے ہیں؟؟ اگر آتے ہیں تو ہمیں حیات میں بے شمار اس کے مظاہر نظر آتے ہیں۔۔۔ اور اگر نہیں تو میں غلطی پر ہوں۔۔۔۔۔ اور یقیناً آپ کے مضامین پڑھ کر انہیں سدھار لوگی

Wahara Umbakar

یہ درست ہے کہ اخلاقیات میں صرف نیک و بد ہی نہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہم کوئی بھی فیصلہ کیوں لیتے ہیں؟ اخلاقیات اس کے پس منظر میں ہیں۔ کوئی بھی انسان ہو، اپنے فیصلے محض ذاتی فائدے یا کسی سرد منطق کی نظر سے ہی نہیں لیتا۔ اخلاقی جذبات ان میں راہنمائی کرتے ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ہیں کیا؟ یہ سیریز اسی کے متعلق ہے

Abdullah Khan

پھر تو جنگل کی آدم خور قبائل بھی اخلاقیات رکھتے ہونگے اور انکی اخلاقیات کی دانست میں انسان کھانا معیوب نہیں ہوگا۔

Wahara Umbakar

ظاہر ہے کہ ہر انسان اخلاقیات رکھتا ہے۔

Ibn Junior

اخلاق و قانون دو مختلف زاویے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک چیز قانون کے طور پر جائز ہو مگر اخلاقاً "جائز نہ ہو مگر یہ کہ مجبوری ہو۔ یہ بہت دقیق موضوع ہے

Wahara Umbakar

جی، ایسا ہی ہے۔

Zarar Khan

میرے خیال میں کسی تعلق کی ترتیب بدلنے سے بھی ہماری فیلنگ بدل جاتی ہے، ایک فعل جو ہمیں کوئی دوسرا کرتا ناجائز لگ رہا ہوتا ہے۔ اگلے ہی پل وہ ہمیں خود کے لئے جائز لگنے لگتا ہے۔ مثال کے طور پر۔ جب میں کسی سانپ کو چڑیا کے بچے کھاتا دیکھتا ہوں تو میں فوری اسے ظالم کہہ کر مار دیتا ہوں اور چڑیا کے بچوں کی جان بچا لیتا ہوں، لیکن جب میں خود سانپ پالتا ہوں تو میں خود اس کے لیے چڑیاں مار کر لاتا ہوں، تب میں درست ہوتا ہوں

Wahara Umbakar

بالکل۔ یہ ایک دلچسپ observation ہے۔

ماخذ

صحیح کیا ہے اور غلط کیا؟ اخلاقیات کہاں سے آتی ہے؟ اس سوال کے جواب پر کئی مکتبہ فکر ہیں۔ آسان جواب دو لگتے ہیں۔ فطرت یا تربیت۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

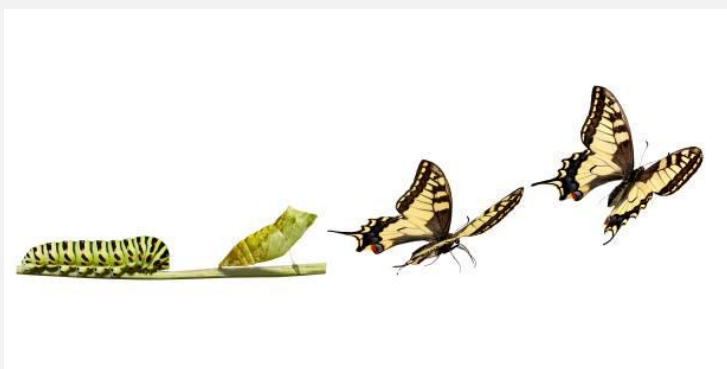
اگر آپ نے فطرت کا انتخاب کیا تو آپ nativist ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ اخلاقیات کا علم ذہن میں فطری طور پر ہے۔ یہ پیدا ہوتے ہی ہمارے ساتھ ہے۔ صحیح اور غلط کی پہچان کا آلہ ہم میں پیدا نشی طور پر فٹ ہے۔ اس خیال سے کئی روایتی مذہبی خیالات اور ارتقائی نفسیات اتفاق کریں گے۔

اگر آپ نے تربیت کا انتخاب کیا تو آپ empiricist ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ انسان پیدا ہوتے وقت صاف تختی ہے۔ دنیا بھر میں اخلاقیات کا معیار ایک نہیں تو بھلا یہ فطرت کا حصہ کیسے ہو سکتی ہے؟ ہم بچپن میں جو تجربات سے سیکھتے ہیں، وہی بڑے ہو کر ہمارے ذہن پر نقش ہو جاتا ہے اور یہ ہمیں صحیح اور غلط کا بتاتا ہے۔ یہ خیال پروگریسو نظریات کے لئے اہم رہا ہے۔ (ایمپیریکل کا مطلب مشاہدے اور تجربے سے حاصل کردہ علم ہے)۔

لیکن ان دونوں میں انتخاب کا سوال ایک غلط سوال ہے۔ دونوں ہی کسی حد تک درست ہیں لیکن مکمل جواب نہیں دیتے۔ بیسویں صدی کے آخر تک اس سوال کے بارے میں ایک اور نکتہ نظر زیادہ نگاہ میں تھا جس کو rationalism کہا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ بچے اخلاقیات خود سیکھتے ہیں۔ جین پیاگے ڈویلپمنٹ سائیکولوجی کے شعبے کا بڑا نام ہیں۔ انہیں نے اپنا کیریئر زولو جسٹ کے طور پر شروع کیا تھا۔ کیڑوں اور کچھوؤں کی سٹڈی میں ان کے لئے مسخو رکن عمل metamorphosis تھا۔ اس میں کیڑا اپنی پوری جون ہی بدل لیتا ہے۔ جیسا کہ سٹڈی تلی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جب انہوں نے اپنی توجہ بچوں کے رویے کی طرف کی تو یہ دلچسپ خیال بھی ساتھ لے کر آئے۔ ننھے بچوں کی محدود صلاحیت سے بالغ سوچ کی غیر معمولی نفاست تک ویسی ہی تبدیلی تھی جیسا تلی بننے کی۔

وہ چھوٹے بچے کے سامنے دو ایک ہی گلاسوں میں ایک ہی جتنا پانی رکھتے۔ بچے کے سامنے ان میں سے ایک کو پتلے گلاس میں انڈیلتے۔ ظاہر ہے کہ پتلے گلاس میں سطح اونچی ہو جاتی۔ بچے سے پوچھتے کہ دونوں میں سے زیادہ کس گلاس میں ہے؟ چھ سال سے کم عمر بچے پتلے گلاس کی طرف اشارہ کر دیتے۔ جبکہ زیادہ بڑے بچے اس سے دھوکا نہ کھاتے۔ چھوٹے بچے یہ نہیں سمجھتے تھے کہ پانی کا کُل حجم برقرار رہتا ہے اور گلاس تبدیل کرنے سے فرق نہیں پڑتا۔ انہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ان چھوٹے بچوں کو یہ سمجھانا بھی بے کار ہے۔ بچہ اگر ایک خاص عمل تک پہنچ جائے گا اور اس نے پانی سے کھیل کر دیکھا ہو گا تو وہ خود ہی سمجھ جائیں گے۔ یعنی کہ پانی کے حجم کی کنزرویشن کا علم بچے کی جبلت کا حصہ نہیں اور نہ ہی اسے بڑے سکھا سکتے ہیں۔ بچے اس کو خود سمجھ لیں گے جب ان کا ذہن تیار ہو گا اور جب انہیں ٹھیک تجربات ملیں گے۔

پیالے نے اپنی اس اپروچ کو بچوں کی اخلاقی سوچ کی سٹڈی پر بھی استعمال کیا۔ بننے کھلتے بچوں کے ساتھ کھیل میں کھیلنے اور مشاہدہ کرتے کہ



کب کھیل کے قوانین کی پابندی، اپنی باری کا احترام اور تنازعے حل کرنے کی صلاحیت آتی ہے۔ بچوں کی میچورٹی کے ساتھ ہی یہ علم بڑھتا جاتا ہے۔

پیالے نے کہا کہ اخلاقیات گلاس میں پانی کی سطح جیسا ہے۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ فطری ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ بالغ

اسے براہِ راست سکھا سکتے ہیں۔ یہ خود سیکھا جاتا ہے۔ بچہ دوسرے بچوں سے معاملہ کرتا ہے۔ تین سال کے بچے کو انصاف کی سمجھ ہو ہی نہیں سکتی لیکن پانچ سے چھ سال کی عمر میں کھیلیں کھیل کر، بحث کر کے اور دوسرے بچوں سے معاملہ کر کے سیکھ لے گا اور یہ پسند و ناصح کے مقابلے میں کہیں زیادہ کارگر طریقہ ہے۔

نفسیاتی ریشنلزم کا یہ خلاصہ ہے۔ جس طرح سنڈی اگر ٹھیک مقدار میں پتے کھاتی رہے تو یہ اپنے وقت پر پراگا کرتی بن جاتی ہے۔ اگر ہم ٹھیک ماحول میں رہیں تو ہماری اخلاقیات کی تکلی بھی نمودار ہو جاتی ہے۔ ہماری نیچر ریشنل ہے اور اچھی اخلاقی عقل ڈویلپمنٹ کا حتمی نکتہ ہے۔ (فلسفے میں ریشنلزم کی طویل تاریخ رہی ہے اور اس لفظ کا کوئی بہت واضح مطلب نہیں لیکن ہم اس سلسلے میں ریشنلزم کا آئیڈیا اسے کہیں گے جس کے مطابق عقل اخلاقیات کا سب سے اہم اور قابل اعتبار طریقہ ہے)۔ پیالے کے کام کو لارس کو بلبرگ نے آگے بڑھایا۔

سوالات و جوابات

Danish Raees

بہت عمدہ سر۔ سر سب کے لئے سمجھنے کہ بیانے عمر کے لحاظ سے برابر سطح پر ہوتے ہیں یا میسر ماحول کے مطابق

Wahara Umbakar

الگ ہیں۔

لیکن اخلاقی ڈویلپمنٹ کی سیٹیج کا تعلق عمر سے ہے۔

Umar Khan

نفسیاتی اخلاقیات کو سیکھنے کے لیے جیسے آپ نے فرمایا بالکل درست ہے لیکن ہمارا معاشرہ ایسا ہے کہ یہ ہمیں ہر چیز تقریباً الٹ پلٹ ہی بتاتا ہے۔ جیسے میں اپنی آپ بیٹی بتاتا ہوں، ہم یہاں پر ساری عمر یہی سیکھتے (سنتے) ہیں کہ غیر مسلموں سے بدبو آتی ہے اسکی وجہ ان کے پاس ایمان نہ ہونا ہے لیکن جب میں نے پاکستان سے باہر نکل کر دنیا کو دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے بو نہیں آتی اور وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ یہ ہونے کو تو ایک بہت ہی چھوٹی بات ہے لیکن اس کا مطلب بہت بڑا ہے جیسے یہ ایک چھوٹی سی بات ہمیں اس بات سے روک رہی ہوتی ہے کہ ہم کسی کے صاف یا گندے ہونے کو ایک معیار سے پرکھ رہے ہوتے ہیں اسی طرح ہم کسی کے کھانے پینے یا پہننے کو بھی اسی معیار سے پرکھ رہے ہوتے ہیں۔

بحیثیت انسان جستجو، تلاش اور دریافت کرنا کبھی بھی رکنا نہیں چاہیے۔

Wahara Umbakar

بالکل ٹھیک۔ نئی چیزیں سیکھنا اور دوسروں کو سمجھنا عمر بھر جاری رہنا چاہیے

Tariq Ahmad Awan

Bachy ak khas Omar ko pohnach kar mahol se jo ikhlaqiat sekhty , wo b empiricism me agya na ...Ye rationalism kis tara hogya .?

Wahara Umbakar

ایمپریسٹ کا کہنا یہ ہو گا کہ سب سے زیادہ اثر تربیت کا ہے۔ ریشنلزم میں ایک فرد کی اپنی عقل اور سمجھ اخلاقیات کا منبع ہے۔ یہ بنیادی فرق ہے۔

Farhat Yasmeen

جناب! چونکہ تمام حیات جین کے ذریعے وہ تمام معلومات یا (پھر نفسیات) جو ان کے آبائے اپنے اپنے وقتوں میں حاصل کی ہے آگے منتقل کر دیتی ہے۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر معاملات میں تمام مشاہدے، علم اور تربیت کے باوجود "ذی شعور" مخلوق وہ تمام "حرکات" کرتی نظر آتی ہے۔۔۔ جو انہیں منتقل ہوئے ہیں۔

اس طرح سے منتقل ہونے والی "اخلاقی نفسیات" کو ہم کس فہرست میں رکھیں گے؟؟؟

Wahara Umbakar

جین کے ذریعے منتقل ہونے والی چیز جبلت ہے۔ اور ایک نیٹوسٹ کی نظر میں یہ اخلاق کا ماخذ ہے۔

Shoaib Nazir

پیانگے صاحب کی بنٹوں والی مثال کے ساتھ ہی آپ نے لکھا کہ "بچوں کی میچورٹی کے ساتھ ہی یہ علم بڑھتا جاتا ہے"۔ یہ بتائیے کہ کیا عمر کے ساتھ ساتھ میچورٹی بڑھتی جاتی ہے؟

ہم ایسی مثالیں دیکھتے ہیں جہاں کچھ لوگوں میں عمر کے ساتھ ساتھ میچورٹی نہیں بڑھتی۔۔

کھیل والی مثال سے میرے ذہن میں وہ تمام مناظر یاد آگئے ہیں جو ہم خود کھیلتے فیس کرتے آئے ہیں۔۔

میرا مشاہدہ یہ رہا کہ اگر کوئی کھلاڑی نسلا نرم مزاج، خوش اخلاق، دوسروں کا ادب کرنے والا ہو تو وہ شروع سے ہی میچور ہوتا۔۔

اس کے برعکس جس کھلاڑی کی جینٹکس میں درج بالا خصوصیات کے بالکل الٹ خاصیتیں ہوتی تھیں۔۔

قریب قریب سو فیصد وہ ویسا ہی رہتا تھا۔۔

بد تمیزی، کھیل میں جگھڑے کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال دینا، اعتراضات کی ایک گتھی ہمیشہ ساتھ رکھنا۔۔

وغیرہ وغیرہ اس کا شیوہ ہوتا تھا۔۔

ہاں۔

کچھ ایکسپشنز دیکھیں۔۔

پر قریب نہ ہونے کے برابر۔۔

اس کی کیا وجہ ہے؟؟

ان کی اخلاقیات زیادہ تربید انہی تھیں ساتھ ہی گھر کے ماحول نے جلتی پہ تیل کا کام کیا؟؟؟

اس مثال کو کھیل سے ہٹ کر زندگی کے کسی بھی شعبے پہ اپلائی کر لیتے ہیں۔۔

نتیجہ ویسا ہی ہے۔۔

میں نے بچپن میں کچھ چوریاں کی تھیں۔۔

ہم نے ایک ہول سیل کی گاڑی سے ٹافیوں کا ایک پیکٹ چھپایا تھا۔۔

یہ پرائمری اسکول کی بات ہے۔۔

ہم نے چلتی گاڑی پہ ایک دوست کی چڑھ دوڑنے میں ہیلپ کی اور پا پڑ چرائے۔۔

اور مل بانٹ کے کھائے۔۔

میں چور نہ بن سکا۔۔

میرے وہ شروع کے دوست اس کے بعد بھی جہاں تک مجھے علم ہے کسی کو دھوکہ دینے میں فخر ہی محسوس کرتے ہیں میں نہیں۔۔

ان کی اور میری تربیت مختلف تھی۔۔

گھر کا ماحول مختلف تھا۔

Wahara Umbakar

کسی بھی رویے میں (خواہ اخلاقیات سے متعلق ہو یا کچھ اور) چار فیکٹر ہیں۔

پہلا جینیات، دوسرا ماحول یا تربیت، تیسرا "اتفاقات" اور چوتھا شعوری فیصلے۔ اور زندگی کے اہم مرحلوں پر لئے گئے چھوٹے لگنے والے

فیصلے زندگی میں بہت بڑے فرق ڈالتے ہیں۔

ShoaibNazir

اگر کسی خاندان کے لوگ جذباتی رویہ رکھنے والے ہیں مگر بچہ پیدائش کے فوراً بعد ہی ایک انتہائی اچھے گھرانے میں پرورش کے لیے بھیج دیا جاتا ہے اور وہ بیس سال بعد لوٹتا ہے۔۔۔ اب اس کے رویے کیسے جذباتیت کا گراف کیسا ہوگا؟؟۔

اتفاقات یعنی

ایک مثال کے طور پر۔

اگر کوئی شخص تھا تو اچھا مگر کسی ٹراما سے گزر جانے کے بعد انتہائی برے طریقے سے رسپانڈ کرنے والا rude سا ہو گیا۔۔

DanishRaees

میرے خیال میں اتفاقات سے مراد یہ ہے کہ اس کو ایک نجی پرائمری سکول میں داخل کروایا گیا اور اس کے ساتھ پڑوسی جو اس کا ہم عمر تھا کسی سرکاری سکول میں داخل کروایا گیا۔۔۔ دونوں کی طرف اساتذہ کی توجہ ایک جیسی نہیں لیکن وہ دونوں آپس میں اکٹھے آتے جاتے ہیں تو یہ انٹرکشن انھیں بہتر انداز میں نتیجہ اخذ کرنے کا موقع دیتا ہے۔۔۔۔۔ بجائے اس کے ایک ہی جیسے سکول میں پڑھتے تو مختلف رویوں پر ڈسکس کیسے کرتے ...

WaharaUmbakar

اتفاقات کے موضوع (moralluck) پر ایک تحریر یہاں سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/3331327930303126/>



چھ سٹیج

لارس کو بلبرگ کی تحقیق اس پر تھی کہ یہ معلوم کیا جائے کہ عمر کے ساتھ بچے کی اخلاقی ریزنگ کیسے تبدیل ہوتی ہے۔ اور اس پر شاریاتی مشاہدات کئے جائیں۔

اس کے لئے سوالات بنائے جیسا کہ،

”زید کی بیوی کو دووانہ ملی تو مر جائے گی۔ رات کے اس پہر میں میڈیکل سٹور بند ہے۔ کیا زید کو دوکان کا تالہ توڑ کر دوپڑا لینی چاہیے؟“۔
 ”شیمائی چھوٹی بہن اپنی والدہ سے جھوٹ بول رہی ہے۔ کیا شیمائی کو خاموش رہنا چاہیے؟“۔

اہم چیز سوالات کے جواب نہیں تھے بلکہ یہ کہ بچے اپنے جواب کی کیا وضاحت دیتے ہیں۔

اس پر کو بلبرگ نے بچوں کی سوشل دنیا میں پروگریس کا گراف بنایا جس کے چھ مراحل تھے۔

چھوٹے بچے سطحی فیچر دیکھ کر بتاتے تھے۔ (اگر کوئی بڑا اس کام کرنے کی سزا دے گا تو کام یہ غلط ہے)۔ یہاں پر دو سٹیج ”ابتدائی“ ہیں۔

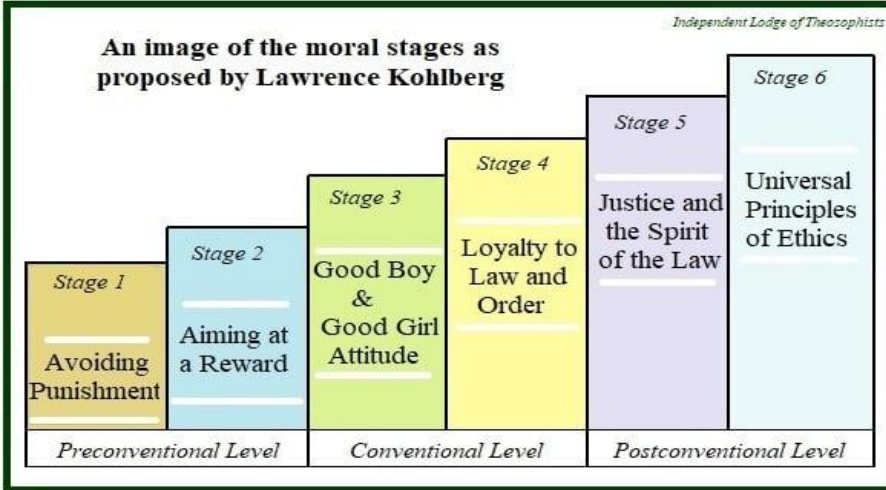
ابتدائی دو سٹیج کے بعد جب بچے سکول کے طالب علم ہیں تو وہ قوانین اور سوشل عادات کے الفاظ کو اہمیت دیتے ہیں۔ یہ legalism کی سٹیج ہے۔ اگر آپ بہن بھائیوں کے ساتھ بچپن میں لڑتے رہے ہیں تو بہت کچھ یاد کر سکتے ہوں گے۔ (میں تمہیں نہیں مار رہا، تمہارا اپنا ہاتھ تمہیں مار رہا ہے)۔ اس سطح میں اتھارٹی کی عزت کی جاتی ہے۔ خواہ الفاظ کی حد تک ہو، نہ کہ ان کی روح کے طور پر۔ یہاں پر دو سٹیج روایتی ہیں۔

اور پھر بلوغت کی عمر میں تجریدی سوچ کی صلاحیت آتی ہے۔ اور اس وقت زیادہ بڑے سوالات سر اٹھاتے ہیں۔ یہاں پر بچے سوال کرنے لگتے ہیں کہ انصاف کیا ہے؟ اتھارٹی کیا ہے؟ قوانین اور اصولوں کی وجہ کیا ہے؟ اس وقت میں بھی قوانین اور قواعد کا احترام ہوتا ہے لیکن ان کو توڑنے کی وجہ بھی تلاش کی جاسکتی ہے۔ کیا یہ قانون درست بھی ہے؟ یہاں پر بچے ”اخلاقی فلسفی“ بن چکے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے لئے باربط اخلاقی نظام تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ اور اپنی ڈویلپمنٹ کی ان سٹیجز پر وہ اخلاقی ڈویلپمنٹ میں ڈرامائی پیش قدمی کرتے ہیں۔ کئی لوگوں

کے لئے یہ روایت سے بغاوت کی عمر ہے۔

کولبرگ کے خیالات اخلاقی ریزنگ کی ڈویلپمنٹ سمجھنے کے لئے اہم ہیں۔ پیانگے اور کولبرگ کے تجربات سے حاصل کردہ نتائج بہت اہم

پہلوؤں پر روشنی ڈالتے تھے۔



یہ احتیاط سے کی گئی دیانتدار ریسرچ تھی اور اس

کافریم ورک بھی اس وقت کی سماجی تبدیلیوں

سے مطابقت رکھتا تھا۔

مارک ٹوین نے کہا تھا کہ ”اگر آپ کے پاس

ہتھوڑا ہو تو ہر چیز کیل لگتی ہے۔“ یہ بھی ایسا ہتھوڑا

بن گئے۔

پیانگے اور کولبرگ کا خیال تھا کہ والدین یا اتھارٹی اخلاقی ڈویلپمنٹ کے لئے رکاوٹ ہیں۔ بچوں کو فزیکل دنیا سے کھیلنے اور سیکھنے دیں۔ انہیں

لیکچر مت دیں۔ اخلاقی اسباق نہ دیں۔ اور فرمانبرداری جیسے چیزیں تو بالکل مت سکھائیں۔ ایسا کرنا ان کی نشوونما روک دے گا۔ اس میں

روایت، اتھارٹی، ہائیرارکی، تمسخر کے الفاظ بن گئے۔ بیسویں صدی کے آخر تک مورل سائنکولوجی میں یہ مکتبہ فکر غالب رہا۔

سوالات و جوابات

DanishRaees

بہت عمدہ سر

دیئے گئے چارٹ میں تبدیلی بھی ہو سکتی؟ اگر میں کہوں کہ بچوں کو جب تک قانون کا پتہ نہیں چلتا وہ اس کے متعلق نہیں سوچ سکتے

۔۔۔ یا یہ حدف کی حد ہے کہ اس سے پہلے ان مراحل کو طے ہونا ہے

WaharaUmbakar

بچے ان سٹیجس سے گزرتے ہیں۔ بہت چھوٹے بچے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاں کام کرنے سے سزا ملے گی اور وہ اس سے باز رہتا ہے۔

”چونکہ سزا ملے گی، اس لئے یہ کام ٹھیک نہیں“۔ اخلاقی ڈویلپمنٹ کی ابتدائی سٹیج میں ٹھیک اور غلط بس اتنا ہی ہے۔

پھر اس چیز کا ادراک ہوتا ہے کہ وہ جنرل قانون کو نسا تھا جس کو توڑنا منع ہے۔ اور بعد کی سٹیج میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ قانون آخر ہے ہی کیوں۔

Yamli Pagli Dewani

اسلام علیکم! سر والدین کا بچوں کو زبردستی اخلاقیات سیکھانے کا تجربہ بچوں میں سدھار کی بجائے بگاڑ پیدا کرتا ہے؟؟ آپ کی کیا رائے ہے۔ مثلاً کل میرے گھر کچھ مہمان آئے ہوئے تھے۔ اب مہمانوں کو چائے دینے کے لیے امی نے بھیجا، ساتھ ابو بھی بیٹھے تھے، کہا بیٹا آرام سے چلنا کہیں، چائے گر نہ جائے، اور چائے مہمانوں کو الگ الگ دھیان سے پکڑانا، مزے کی بات ہے پہلا کپ ہی ٹوٹ گیا

Wahara Umbakar

جی۔ بڑی حد تک ایسا ہی ہے۔ (اور بچوں کی تربیت سیدھا اور آسان کام نہیں)

Tariq Ahmad Awan

Faman bardari Matlab , shakhsi or andhi taqleed ?

Wahara Umbakar

کسی بھی نوعیت کی ہو سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، اگر ایک بچہ والدہ کا کہا صرف اس لئے مانتا ہے کہ والدہ نے کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ والدہ کا فرمانبردار ہے۔

GM Sheikh

سر مضمون کے آخر میں جو لکھا ہے کہ "لیکچر مت دیں، فرمانبرداری جیسی چیزیں تو بالکل مت سکھائیں" کیا یہ اکیسویں صدی میں بھی صحیح طریقہ سمجھا جاتا ہے؟ کیا یہ اب بھی کارگر طریقہ ہے یا پھر اب یہ باتیں موجودہ معاشرے کیلئے نہیں ہیں؟

Wahara Umbakar

یہ کسی حد تک درست ہے۔ مکمل طور پر نہیں۔ اچھا لیکچر کسی حد تک کام کر سکتا ہے لیکن محض لیکچر ہی کافی نہیں۔ کسی کے ذہن کے اندرونی ہاتھی کو چھیڑنے کے لئے الفاظ سے کچھ زیادہ کی ضرورت ہے (اس کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ کی ایک قسط میں)۔ اتھارٹی کے احترام کی کئی جگہوں پر بہت ضرورت ہے۔

Farhat Yasmeen

جناب! تو کیا پیانگے اور کوہلرگ نے اپنے دور میں اساتذہ اور درسگاہوں کی ضرورت سے بھی انکار کیا؟؟؟

Wahara Umbakar

نہیں۔ اس میں بنیادی نکتہ یہ ہے کہ جس طرح بچے کو سائیکل چلانا سکھائی جاتی ہے تو ابتدا اس کو پکڑ کر توازن رکھا جاتا ہے اور پھر وہ خود ہی سیکھ جاتا ہے کہ کب اور کیسے ہینڈل موڑ کر توازن رکھنا ہے۔ ویسے ہی بچے کی راہنمائی کی جائے لیکن ساتھ ساتھ جس طرح وہ دنیا کو navigate کرے گا، اس کو خود ہی سیکھنا جائے گا۔

اور یہ بڑی حد تک ایک اچھا طریقہ ہے۔



اخلاقی بمقابلہ سماجی قوانین

ٹوریل نے بچوں میں اخلاقی نفسیات کی دریافت کے کام کو نئے زاویے سے آگے بڑھایا۔ اس میں اچھوتی چیز سادہ کہانیاں تھیں۔ مثلاً۔
 ”ایک سکول میں یونی فارم پہن کر آنا لازم ہے۔ ایک بچہ عام کپڑے پہن کر چلا جاتا ہے۔ کیا اس نے ٹھیک کیا؟“
 زیادہ تر بچے جواب دیتے تھے کہ ”نہیں“۔

”اور اگر سکول ٹیچر اس بچے کو اجازت دے دے کہ وہ عام کپڑوں میں آسکتا ہے، پھر ٹھیک ہوگا۔“ یا
 ”کسی اور سکول میں جہاں یونی فارم پہننے کی پابندی نہیں، وہاں پر عام کپڑے پہننا ٹھیک ہوگا؟“۔

ٹوریل نے دریافت کیا کہ پانچ سال کے بچے بھی عام طور پر یہی کہتے ہیں کہ سکول کا قانون توڑنا منع ہے لیکن اگر ٹیچر اجازت دے دے یا پھر سکول میں یہ قانون نہ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس عمر کے بچے اس بات کو پہچان لیتے ہیں کہ کپڑوں، خوراک اور زندگی کے کئی دوسرے پہلو سماجی پہلوؤں کے قوانین سماجی عہد یا طریقے ہیں۔ یہ کسی حد تک تبدیل کئے جاسکتے ہیں۔

لیکن اب اس سوال میں کچھ ترمیم کے ساتھ کسی کو ضرر پہنچانا آجائے؟

”ایک سکول میں ایک بچہ دوسرے کو جھولے سے دھکا دے کر نیچے گرا دیتا ہے کیونکہ اس نے خود جھولا لینا تھا؟“
 اب جوابات بدل جاتے ہیں۔ تقریباً تمام بچے کہتے ہیں کہ اس نے غلط کیا۔ اور اگر ٹیچر نے ایسا کرنے کی اجازت بھی دی، تب بھی یہ ٹھیک نہیں۔ یا اگر کسی ایسے سکول میں ہو جہاں پر دھکا دینے کے بارے میں قوانین نہیں، تب بھی یہ غلط ہے۔
 بچے اس کو پہچان لیتے ہیں کہ ایسے قوانین جو کسی کو ضرر پہنچانے سے روکیں ”اخلاقی قوانین“ ہیں۔

ٹوریل کہتے ہیں کہ یہ قوانین انصاف، حقوق، فلاح سے متعلق ہیں اور ان کی مدد سے یہ طے ہوتا ہے کہ لوگوں کو ایک دوسرے سے کیسا رویہ رکھنا چاہیے۔

یعنی چھوٹے بچے بھی اس بات کی تمیز رکھتے تھے کہ تمام قوانین برابر نہیں ہوتے۔ یہ ابھی اخلاقی فلسفی نہیں بنے لیکن سماجی انفارمیشن کی پیچیدہ سمجھ رکھتے تھے۔ اس بات کو پہنچانتے تھے کہ کونسے قوانین آفاقی ہیں، اہم ہیں اور تبدیل نہیں ہو سکتے۔

ٹوریل کے لئے اخلاقی ڈویلپمنٹ کے لئے یہ چیز بنیاد بن گئی۔

”بچے اپنی اخلاقی فکر جس اصول پر بناتے ہیں، وہ یہ کہ کسی کو نقصان پہنچانا غلط ہے۔ خاص قوانین کلچر میں الگ ہو سکتے ہیں لیکن اخلاقی قوانین اور سماجی قوانین میں تمیز ہر کوئی رکھتا ہے۔“



ٹوریل کا کام کوہلبرگ سے مختلف تھا لیکن نتائج اسی طرح کے تھے۔

”اخلاقیات کا مطلب دوسروں سے اچھا سلوک ہے۔ اس کا کام انصاف اور ضرر سے بچانا ہے۔ تعلیمی اداروں اور خاندانوں کو مساوات اور آزادی کی آفاقی اقدار کو بڑھانا چاہیے نہ کہ بڑوں کے طے کردہ قوانین اور روایات کو۔“

اس میں وفاداری، احترام، ذمہ داری، تقویٰ، حب الوطنی اور روایت نہیں آتے تھے جبکہ اتھارٹی ناپسندیدہ چیز ہے۔

کوہلبرگ اور ٹوریل کا کام بیسویں صدی کے آخر تک اخلاقی فکر کی سٹڈی پر بہت اثر انداز ہوا۔ یہ بہت سی چیزوں کی وضاحت کرتا تھا تاہم کئی بنیادی چیزوں کا جواب اس سے نہیں ملتا تھا۔



ریشٹلزم سے آگے

بیسویں صدی کے آخر میں اخلاقی نفسیات کے شعبے میں جس خیال کا غلبہ تھا، وہ یہ کہ ”اخلاقیات کا مطلب دوسروں سے اچھا سلوک ہے۔ اس کا کام انصاف اور ضرر سے بچانا ہے۔“ لیکن دوسری طرف، اصل دنیا میں ایسا نہیں تھا۔ لوگ اس کو زیادہ وسیع معنی میں لیتے تھے۔

ایلن فِسک نے مغربی افریقہ میں کئی سال سماجی تعلقات اور کلچرل سائیکولوجی کی سٹڈی پر گزارے تھے۔ جو نا تھن ہائیٹ بتاتے ہیں کہ ”مجھے ان سے کورس پڑھنے کا موقع ملا۔ انہوں نے ہمیں پڑھنے کے لئے کئی کتابیں کہیں۔ ان میں رشتہ داری، جنسیات، موسیقی سمیت بہت سے موضوعات میں اخلاقیات کا کردار مرکزی نظر آتا تھا۔“

میں نے ایک کتاب سوڈان کے آزانڈے قبائل میں جادو گروں کے بارے میں پڑھی۔ حیرت انگیز طور پر جادو گری پر یقین نے دنیا میں کئی جگہوں پر الگ لیکن ایک طریقے سے جنم لیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ انسانی ذہن میں کچھ ایسا ہے جو اس کلچرل ادارے کا باعث بنتا ہے۔ آزانڈے کے خیال میں چڑیل مرد بھی ہو سکتی تھیں اور خواتین بھی۔ اور اس بات کا خوف، کہ مجھے چڑیل نہ کہہ دیا جائے، لوگوں کو اس بات کے بارے میں محتاط رکھتا تھا کہ ہمسائیوں کے ساتھ روابط خراب نہ ہوں۔ یہ میرے لئے پہلا اشارہ تھا کہ گروہ ایسی مافوق الفطرت باتوں کی تخلیق اس لئے نہیں کرتے کہ یہ دنیا کی وضاحت کرتی ہیں بلکہ اس لئے کہ ان سے معاشروں میں نظم قائم رہتا ہے۔

میں نے فلپائن کے قبیلے ایلنگوٹ کے بارے میں کتاب پڑھی۔ یہاں کے نوجوان لڑکے معاشرے میں اپنی عزت اور مقام اس وقت بناتے تھے جب وہ قبیلے سے باہر کسی کا سر قلم کر دیں۔ ان میں سے کئی قتل انتقام کے لئے کئے جاتے تھے لیکن کئی ایسے بھی تھے جو اجنبیوں کے تھے، جن کا قاتل سے کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ مصنف ان عجیب ناقابل فہم واقعات کو بیان کرتا ہے جس میں آپسی رنجشیں بھلا کر چھوٹے ”شکاری دستے“ بنتے تھے اور پھر کسی کا سر قلم کر دئے جانے کے بعد ساری رات جشن منایا جاتا تھا۔ اس سے مجھے اشارہ ملا کہ الگ گروہوں کے

درمیان مقابلے اور ایک گروہ کی اندرونی یکگت کا آپس میں تعلق ہے۔

یہ کتابیں بہت دلچسپ تھیں۔ بہت خوبصورتی سے لکھی گئی تھیں اور بظاہر عجیب لگنے والی چیزوں کے تناظر کی وضاحت کر دیتی تھیں۔ ہر کتاب کو پڑھنے میں ایک ہفتہ لگتا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ اس ایک ہفتے میں ایک نئی جگہ کا سفر کیا ہے۔ پہلے کنفیوز کرتا تھا اور پھر آپ کو اس کی عادت ہو جاتی تھی۔ نہ صرف اس سے آپ کو یہ پتا لگتا تھا کہ نئی جگہ کیسی ہے بلکہ یہ بھی کہ آپ خود کیسے ہیں۔ ہم سب ایک غیر معمولی تاریخی تجربہ ہیں۔

ایک اور تصور ”پاکی“ اور ”پلیدی“ کا تھا۔ نیوگنی کے ہوا قبائل میں خوراک کے بارے میں بڑے خاص قوانین تھے۔ مرد کیا کھا سکتے ہیں اور



خواتین کیا۔ مثال کے طور پر، کم عمر لڑکوں کو ایسی خوراک منع تھی جس کی زنانہ جنسی اعضا سے کوئی مشابہت ہو۔ سرخ یا گیلی یا بالوں والی چیز کھانا ان کے لئے ممنوع تھا۔ پہلی نظر میں یہ پدرسری معاشرے کے توہمات لگتے ہیں۔

ہوا قبیلے کے لئے یہ اخلاقی اصول تھے۔ ان کے خیال میں یہ اصول دوسرے قبائل کے لئے نہیں تھے۔ وہ ان کے بارے میں مسلسل بات کرتے تھے۔ دوسروں کی خوراک کی عادات دیکھ کر ان کے بارے میں رائے قائم کرتے تھے۔

خوراک، جنس، جلد، لاشوں کے بارے میں اخلاقی قوانین میرے اپنے معاشرے میں بھی تھے۔ بہت سے ان کہے، لیکن کیوں؟ اس کی وجہ کیا تھی؟

کئی اخلاقی قوانین کا تعلق تو بیماری سے بچاؤ سے لگتا تھا لیکن بہت سی دوسری روایات بھی تھیں۔ مغربی مذاہب۔۔ اسلام، یہودیت، مسیحیت

۔۔ میں صفائی کو تقدیس کا درجہ حاصل ہے۔ اور مغربی معاشروں کے باسی، خواہ غیر مذہبی ہوں، خوراک اور شہوت کے بارے میں ایسے انتخاب کرتے ہیں جن کے پیچھے گہرے اخلاقی فیصلے ہوتے ہیں۔

لبرل کئی بار کنزرویٹو کا مذاق اڑاتے ہیں کہ وہ جنسی افعال کے بارے میں کسی قسم کی بات کرنے کو بھی قابلِ اعتراض گردانتے ہیں اور یہ کہ اخلاقیات کی دیرزہ ان کی زندگی کا احاطہ کئے ہوتے ہیں۔ جبکہ مذاق اڑانے والی کی اپنی ناشتے کی پلیٹ کے انتخاب تک اخلاقیات کی ایسی ہی دیرزہ سے بھرپور ہو سکتے ہیں۔ جن مرغیوں نے انڈے دئے، وہ کس حال میں تھیں؟ کافی کی تجارت میں کسی کا استحصال تو نہیں ہوا؟ جینیاتی تبدیل شدہ مکئی تو نہیں؟ ٹوکسن، آرگینک اور ایسی دیگر معاملات میں خطرہ بائیولوجی کو نہیں بلکہ روحانیت کو ہے۔ ذہنی اعتبار سے یہ ویسے ہی تصورات ہیں۔

آزانڈے، ایلنگوٹ، ہوا اور پھر مغربی معاشروں میں اخلاقی ڈویلپمنٹ کے یہ تصورات اخلاقیات کے بڑے کینوس کو دکھاتے ہیں۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

ساتھ لگی تصویر کا کیا مطلب ہے؟

Wahara Umbakar

آزانڈے قبیلے کی ایک تقریب کی تصویر ہے۔

Shoaib Nazir

اس قبیلے کی تفصیل

Wahara Umbakar

زانڈے قبائل موجودہ سوڈان اور کانگو میں موجود ہیں۔ یہ جنگجو لوگ تھے اور کسی وقت میں یہ ایک بادشاہت تھی جس نے ایک بڑے علاقے پر حکومت بنائی تھی۔ ان میں witchcraft کی روایت بہت عام رہی ہے۔ آج بھی ان کی ایک تعداد روایتی قبائلی زندگی گزارتی

ہے۔

Farhat Yasmeen

ٹھیک ہے جناب اخلاقیات کے اس بڑے کینوس میں گروہ یا فرد اپنی پسند ناپسند، خوبی، خالی، طاقت، کمزوری یا حالات اور واقعات کے حساب سے رنگ بھرتے نظر آتے ہیں۔۔۔۔

جو کہ وقت اور حالات کے حساب سے بدلتے بھی رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے مختلف بھی ہیں۔۔۔۔

مگر ان کا "قدیم اور عظیم اخلاقیات" کی کیا وجہ ہے جو کم و بیش تاریخ کے ہر دور میں تقریباً دنیا کے تمام حصوں میں گروہ یا فرد نے ناصرف اپنائے ہیں۔۔۔ بلکہ ان اخلاقیات کی پاسداری کرنے والے گروہوں میں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔۔۔۔ مثال کے طور پر "حرمت کے رشتے" اور "قتل وغیرہ

مطلب ان "اخلاقیات" کی کیا وجہ ہے جن کے رنگ اخلاقیات کے کینوس پر بہت زیادہ اور یکے ہیں؟؟

Wahara Umbakar

ہمارے ذہنی ڈیزائن میں کئی خاصیتیں ہیں جو تمام انسانوں میں مشترک ہیں۔ کسی بچے کو تکلیف میں دیکھ کر تکلیف محسوس کرنا، ظلم دیکھ کر ناپسند کرنا، کسی کے بے لوث کام کو دیکھ کر دل گرنا، بہادری کو پسند کرنا۔۔۔۔ یہ سب یونیورسل ہے۔ اس کا ذکر بھی انشاء اللہ آئندہ سیریز میں۔

Farhat Yasmeen

جناب اذاندے قبیلے کی "چڑیل" کا تصور کم و بیش دنیا کے تمام معاشروں میں موجود ہے۔۔۔۔۔ (بے شک جھوٹا ہی سہی)۔۔ آپ کے خیال میں "چڑیل" کو زیادہ تر۔۔ (اخلاقی طور پر) خاتون سے ہی کیوں مماثلت دی جاتی ہے۔۔؟؟؟

Wahara Umbakar

اس کی ایک وجہ بوڑھی خاتون کا "سماجی بوجھ" اٹھانے سے بچنا ہی ہے۔

اس پر ایک مضمون یہاں سے

<https://www.facebook.com/groups/ScienceKiDuniya/posts/1240356386132895/>

فرد یا سماج؟

شکاگو یونیورسٹی کے رچرڈ شوڈر نفسیاتی ہنستھر وپولو جسٹ ہیں۔ انہوں نے مشرقی انڈیا میں اڑیہ میں کام کیا ہے۔ ان کی تحقیق اڑیہ اور امریکہ میں رہنے والوں کی شخصیت اور انفرادیت کے بارے میں سوچ پر تھی۔ اور اس پر کہ یہ کس طرح اخلاقی سوچ کے فرق کا باعث بنتی ہے۔ انہوں نے کلفورڈ گیرٹز کی تحقیق کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ مغربی معاشرے میں لوگوں کا ”الگ فرد“ کے طور پر تصور کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بڑی غیر معمولی سوچ ہے کیونکہ دنیا کے بڑے حصے میں ایسا نہیں۔

”مغربی فکر میں ایک شخص کو ایک منفرد اور خود میں بند فکری کائنات کے طور پر لیا جاتا ہے۔ جو اپنی آگاہی، جذبات، آراء، خیالات اور اعمال کو ایک کُل میں منظم کرتا ہے۔ اور ایسے افراد دوسرے افراد کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس فکر میں معاشرہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ اگر عالمی کلچر کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ ایک انوکھی فکر ہے۔“

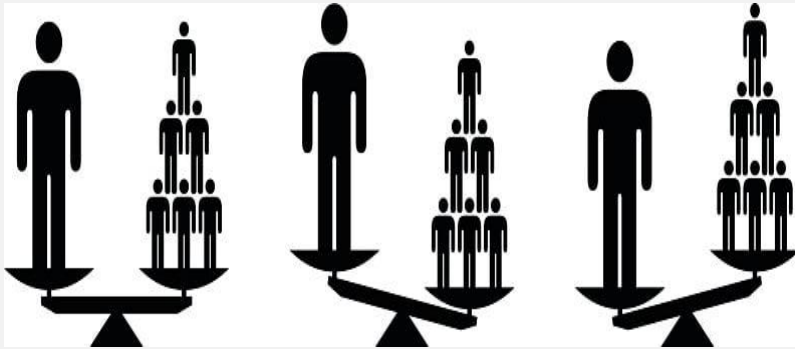
شوڈر ایک سادہ خیال پیش کرتے ہیں کہ الگ کلچر کی اقدار میں اتنا فرق کیوں ہے۔ ہر معاشرے کو کچھ سوالات کو طے کرنا ہے کہ معاشرے کو منظم کیسے کیا جائے۔ اس میں سب سے اہم سوال یہ ہے کہ فرد اور گروہ کی ضروریات کا توازن کیسے قائم رکھا جائے۔ اس سوال کا جواب دینے کے دو طریقے ہیں۔ زیادہ تر معاشرے اس کے لئے ”سماج کی مرکزیت“ کا انتخاب کرتے ہیں۔ گروہ اور اداروں کی ضروریات کو فرد کی ضروریات سے بالاتر رکھا جاتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ”فرد کی مرکزیت“ کا آئیڈیا ہے جس میں افراد کی ضروریات بالاتر ہیں۔

سماج کی مرکزیت کا خیال تاریخ میں سب سے زیادہ قبول کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن فرد کی مرکزیت کا آئیڈیا یورپی enlightenment کی تحریک کے وقت ابھرا۔ بیسویں صدی میں یہ روایتی جواب کا مضبوط حریف بن گیا۔ فرد کے حقوق کا خیال تیزی سے پھیلا۔ صارف کا کلچر بڑھا۔ اسی دور میں سماج کی انتہائی مرکزیت کا عظیم آئیڈیا کمیونزم کی صورت میں سامنے آیا۔ فاشسزم اور کمیونزم آپس میں مخالف خیالات تھے لیکن سماج کی مرکزیت کی انتہا ان دونوں میں مشترک تھی۔ ان کی تباہ کاریوں نے دنیا کو خوف زدہ کر دیا۔ ان کی جلد ہو جانے والی ناکامیوں کے

ساتھ ساتھ ہی انفرادیت کے کلچر عام ہوتے گئے۔

(یورپی سوشلزم کا یا فلاحی ریاست کا تصور سماج کی مرکزیت کا نہیں بلکہ فرد کے لئے حفاظتی جال کا ہے)۔

شوڈر کا کہنا تھا کہ اخلاقی نفسیات کے مروجہ خیالات انفرادیت پر مبنی کلچرز کو دیکھ کر بنائے گئے ہیں۔ اس وجہ سے یہ بہت سی چیزوں کی



وضاحت نہیں کر پاتے۔ ان کا خیال تھا کہ اٹریسہ میں کوہلبرگ اور ٹوریل کی تھیوریاں کام نہیں کریں گے۔ یہاں پر اخلاقیات سماجی مرکزیت کی ہے۔ افراد ایک دوسرے پر منحصر ہیں اور اخلاقی قوانین اور سماجی روایات کے درمیان کوئی واضح حدِ فصل نہیں ملے گی۔

یہ ایک دلچسپ خیال تھا لیکن کیا یہ ٹھیک تھا؟

اپنے خیالات کو جانچنے کے لئے انہوں نے دو ساتھیوں کے ساتھ ملکر 39 مختصر کہانیاں بنائیں۔ پھر ان کی مدد سے پانچ سے تیرہ سال کی عمر کے درمیان کے 180 بچوں اور 60 بڑوں کے انٹرویو امریکہ کے شہر شکاگو میں کئے۔ اٹریسہ کے شہر بھونیشور میں اتنے ہی براہمن بچوں اور بڑوں کے انٹرویو کئے جبکہ اچھوت لوگوں میں سے 120 کے۔ دنیا کے دو بہت مختلف شہروں میں چھ سو طویل انٹرویو کرنا ایک بڑا کام تھا۔ مشرق اور مغرب میں اقدار کے موازنے کے لئے کیا جانے والا یہ اپنی نوعیت کا پہلا کام تھا۔

سوالات و جوابات

UsamâAhsan

سراٹرویوز کے رزلٹ کا کیا رہا؟ شوڈر کو کیا نئی بات معلوم ہوئی ان چھ سوانٹرویوز سے؟

Wahara Umbakar

یہ اس سے اگلی قسط میں، اس لنک سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/4183236191778958/>

مشرق و مغرب

شویدر کا ہائپو تھیس تھا کہ اخلاقی اقدار میں فرق کی بڑی وجہ یہ ہے کہ انفرادی اور گروہی مفادات میں تضاد ہیں۔ ایک معاشرے کو اس میں توازن رکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ توازن ہے جو کسی کلچر کی اخلاقی اقدار پر سب سے زیادہ اثر رکھتا ہے۔ ”فرد کی مرکزیت“ کو ترجیح دینے والے معاشروں میں ”سماج کی مرکزیت“ کو ترجیح دینے والے معاشروں میں فرق اسی بنیاد پر ہے اور اپنے اس خیال کو ٹیسٹ کرنے کے لئے انہوں نے شکاگو اور اڑیسہ کے شہر بھونیشور میں 39 کہانیوں کو لے کر انٹرویو کئے۔ کہانی کے آخر میں سوال یہ تھا کہ آیا اس میں جو کیا گیا وہ غلط تھا یا نہیں۔

چند کہانیوں میں لوگوں نے دوسروں کو تکلیف پہنچائی تھی یا ان کے ساتھ نا انصافی کی تھی۔ دونوں ممالک میں انٹرویو دینے والوں نے ان کو غلط کہا تھا، جسے کسی بھی صورت میں قبول نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن کئی دوسری کہانیوں میں یہ اتفاق موجود نہیں تھا۔

زیادہ تر کہانیوں میں کوئی ضرر یا نا انصافی نہیں تھی (یا کم از کم ایسی نہیں تھی جو بچہ پہچان سکے) اور امریکیوں کے خیال میں اس میں کچھ غلط نہیں کیا گیا تھا۔ اگر ان میں سے کچھ کے بارے میں انڈیا کے بچے انہیں غلط کہتے تھے تو ٹوریل کے خیالات کے مطابق ان کا تعلق سماجی طریقوں سے ہونا چاہیے تھا لیکن انڈین بچوں کی نظر میں یہ آفاقی طور پر ناقابل قبول تھیں۔ پانچ سالہ بچے کے لئے بھی۔ انڈیا میں خوراک، شہوت، لباس اور صنفی تعلقات اخلاقی ایشو تھے نہ کہ سماجی روایت۔ اور اس بارے میں بچوں اور بڑوں کے خیالات یکساں تھے۔

شویدر نے معلوم کیا کہ اڑیسہ کے سماج کی مرکزیت کے کلچر میں ”سماجی نظام اخلاقی نظام تھا“۔ اخلاقیات زیادہ وسیع اور دبیز تھیں۔ اور اگر یہ ایسا ہی تھا تو اکیڈکس میں رائج ٹوریل کی تھیوری اس کی وضاحت کے لئے ناکام تھی۔ بچے اخلاقیات کو خود نہیں سیکھ رہے تھے اور نہ ہی ان کی بنیاد صرف ضرر پہنچانے پر تھی۔

جن چیزوں پر امریکی اور انڈین اتفاق رکھتے تھے کہ ان میں غلط کیا گیا۔

ایک شخص نے راستے میں ایک کتے کو سوائے ہوئے دیکھا۔ وہ اس کے پاس گیا اور اس کو ایک لات رسید کی۔
باپ نے بیٹے کو کہا کہ اگر وہ امتحان میں اچھے نمبر لے تو اسے نیا قلم خرید کر دے گا۔ بیٹے نے اچھے نمبر لئے۔ باپ نے قلم لے کر نہیں دیا۔

جن چیزوں پر امریکیوں کا خیال تھا کہ اس میں غلط کیا گیا لیکن انڈین کی نظر میں نہیں۔
ایک نوجوان شادی شدہ لڑکی اپنے شوہر کو بتائے بغیر رات کو فلم دیکھنے گئی۔ جب وہ واپس آئی تو شوہر نے کہا کہ اگر آئندہ ایسا کیا تو میں تمہاری پٹائی کروں گا۔ اس نے یہ دوبارہ کیا۔ شوہر نے اس کی پٹائی کی۔ کیا شوہر نے ٹھیک کیا؟
ایک شخص کا ایک لڑکا اور ایک لڑکی تھی۔ دونوں شادی شدہ تھے۔ اس کی وفات کے بعد لڑکے نے وراثتی جائیداد لے لی۔ اس میں سے تھوڑا حصہ اپنی بہن کو دے دیا۔ کیا لڑکے نے ٹھیک کیا؟

چیزیں جو انڈین کی نظر میں غلط تھیں جبکہ امریکیوں کے لئے نہیں۔
ایک بیچیس سالہ لڑکا اپنے والد کو پکارنے کے لئے صرف ان کا نام لیتا ہے۔
ایک خاتون نے چاول پکائے۔ اپنے شوہر اور جیٹھ کے ساتھ ایک میز پر بیٹھ کر کھائے اور سب سے پہلے اپنی پلیٹ میں ڈالے۔ کیا خاتون نے ٹھیک کیا؟

آپ کے محلے میں ایک نئی بیوہ ہونے والی خاتون ہفتے میں دو سے تین بار مچھلی کھاتی ہے۔
ٹوائلٹ سے آنے کے بعد کھانا پکانے سے پہلے ایک خاتون نے کپڑے تبدیل نہیں کئے۔

سماج کی مرکزیت پر منظم معاشرے میں انفرادی افعال اگر سوشل روایت ہیں تو بیوہ کو مچھلی کھانے دینے سے روک دینا اخلاقی بن جاتا ہے۔
(یہاں پر رائج قصوں کے مطابق مچھلی ”گرم“ کھانا ہے جو جنسی جذبات بھڑکاتا ہے)۔ والد کو احترام دینا اخلاقی سوال بن جاتا ہے۔
جبکہ اگر فرد کو معاشرے سے پہلے رکھا جائے تو پھر کوئی بھی قانون یا رسم اگر شخصی آزادی پر قدغن لگاتی ہے تو اس پر سوال اٹھایا جاتا ہے۔ اور



اگر یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہی تو اس کی کوئی
اخلاقی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ یہ سماجی رسم سے
زیادہ کچھ نہیں۔
اخلاقی آرڈر یکساں نہیں۔

شویدر کے نتائج یہ بتاتے تھے کہ ٹوریل کی فکر

کا بنیادی نکتہ نامکمل تھا۔ یونیورسل اخلاقیات کا جال پیچیدہ، متنوع اور وسیع ہے۔ شویدر کے نتائج نے اس بارے میں سوچنے کی نئی سمت
دی۔ آنے والے نظریات اور تجربات اب اس کو آگے بڑھا سکتے تھے۔

سوالات و جوابات

MohammadFahad

/جبکہ اگر فرد کو معاشرے سے پہلے رکھا جائے تو پھر کوئی بھی قانون یا رسم اگر شخصی آزادی پر قدغن لگاتی ہے تو اس پر سوال اٹھایا جاتا ہے۔
اور اگر یہ کسی کو نقصان نہیں پہنچا رہی تو اس کی کوئی اخلاقی توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ یہ سماجی رسم سے زیادہ کچھ نہیں۔
اخلاقی آرڈر یکساں نہیں۔/

Is ki koi example hai book me esi koi rasam jis ki tojih na ki ja sake

WaharaUmbakar

ہم مثال کے طور پر "پسند کی شادی" کو دیکھ سکتے ہیں۔ "فرد کی مرکزیت" کی بنیاد پر قائم معاشرے میں اس کو کسی قسم کا مسئلہ نہیں ہونا
چاہیے۔ اور اس کی راہ میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ کا ہونا ہی غیر اخلاقی ہے۔
تاہم "سماج کی مرکزیت" کی بنا پر قائم معاشرے میں لازم نہیں کہ ایسی کھلی آزادی ہو۔

TariqAhmadAwan

Pher to dunya me jis society me jo b ho ra he teak ho ra he ?

Sari dunya k lye ikhlaqiat ki kasoti ak honi chaye ..

Sab ko apny apny muaahrey se gandagi metany hogi ...

Gandagi kya he or husan kya he , mantaqi behs ki bunyad pe malom karni chaye , or is me tarmim ki gunjaesh rakhni chaye ...

Agar machli khana ak bewa khaton k lye jis waja se khana mana he to mard k lye b mana ho na chaye tha na .

Agar bivi k lye rat ko film dekhny k lye Jana Kher ikhlaqi he to shohr k lye b aisa hi hona chaye na...

Wahara Umbakar

آپ کا نکتہ نظر اچھا ہے۔

Rizwan Ahmad

انفرادی اور گروہی مفادات اخلاقی اقدار کو تبدیل کر دیتے ہیں۔

آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہیں سر

Wahara Umbakar

بالکل۔ یہ بھی اقدار کا ہی حصہ ہیں۔

بالفرض دو گروہوں کے درمیان وسائل کی تقسیم پر مذاکرات ہیں۔ میں ایک گروہ کی نمائندگی کر رہا ہوں۔ کیا میرا اپنے گروہی مفاد کے

لئے کام کرنا اچھی قدر ہے؟

اگر کوئی شخص یہاں پر اپنے گروہی مفاد کو نظر انداز کرے گا تو ایسا کرنے کو اچھا نہیں سمجھا جائے گا۔

AshirMaqbool

یہ ریسرچ کب کی گی؟

اب بھی ہماری اخلاقیات ایسی ہی ہیں

WaharaUmbakar

کلچرل سائنکولوجی پر محققین میں شوڈر ایک بڑا معروف نام ہیں۔ ان کی یہ تحقیق 1990 کی دہائی کی ہے۔

AshirMaqbool

سرجہاں تک مجھے سمجھ آتی ہے انسان کی اخلاقیات سماج اور تربیت سے آتی ہیں ذاتی تجربات سب سے آخر میں آتے ہیں یہ تینوں کی مل کے ایک فرد کی اخلاقیات کو جنم دیتی ہیں

WaharaUmbakar

سماجی اقدار اہمیت رکھتی ہیں اور تربیت بھی انہی کے مطابق کی جاتی ہے۔

لیکن اب اگلا سوال یہ آتا ہے کہ یہ سماجی اقدار کہاں سے آتی ہیں؟

(سیریز میں کچھ بات اس موضوع پر بھی ہوگی۔)



حرمت

اخلاقیات کو کھوجنے کے لئے جو ناتھن ہائیٹ نے درجنوں کہانیاں بنائیں جن کا تعلق بے حرمتی سے تھا۔ مثلاً۔

”ایک شخص اکیلا رہتا ہے۔ اس نے الماری کھولی۔ وہاں پر قومی جھنڈا رکھا تھا جو یوم آزادی پر لیا تھا۔ اب اس کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ اس نے اس جھنڈے کو پھاڑ کر ٹوائلٹ صاف کرنے کا کپڑا بنالیا۔ کیا اس میں کچھ غلط ہے؟“

اس سوال کے ملنے والے جوابات میں جو دلچسپ ہے، وہ خود جواب نہیں بلکہ اس جواب کی وجہ ہے۔

”ہو سکتا ہے کہ بعد میں ایسا کرنے پر اسے پشیمانی ہو۔“ ”ہو سکتا ہے کہ اسے کوئی ہمسایہ دیکھ لے اور ہمسائے کی دل آزادی ہو۔“ اور جب جواب دینے والے کو نشانہ ہی کی جائے کہ یہ وجوہات کمزور ہیں۔ (نہیں، ہمسایہ اسے نہیں دیکھ رہا)۔ تو بھی جواب دینے والے مزید وجوہات کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ ”مجھے پتا ہے کہ یہ غلط ہے لیکن میں وجہ نہیں بتا پا رہا۔“

یہاں پر شرکا اپنے جواب کی توجیہ پیش کر رہے ہیں۔ اس کو ڈھونڈنے پر محنت کر رہے ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ یہاں پر وہ سچ کو تلاش نہیں کر رہے بلکہ اپنے جذباتی ری ایکشن کی سپورٹ کے لئے کچھ تلاش ہے۔

ڈیوڈ ہیوم کا کہنا ہے کہ ”عقل جذبات کی غلام ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے۔“

”کیا ایسا ہی ہونا چاہیے؟“ کے سوال کو ابھی ملتوی کر دیتے ہیں۔ جہاں تک اس کے پہلے فقرے کا تعلق ہے تو اس کے حق میں شواہد ہیں۔ جذبات کے فیصلوں کی عقل سے توجیہ کی جاتی ہے۔ اور اس کو عقلی بنیاد پر سمجھنا ایک چیلنج ہے۔

ایک کے بعد دوسرے آنے والے نتیجے نے اخلاقی نفسیات کے شعبے کو تبدیل کر دیا اور اسے جذبات کی سمت لے گیا۔

پچھلی چند اقساط میں ہم نے جو دیکھا ہے، اس کو سمیٹتے ہوئے۔۔۔

اخلاقیات کہاں سے آتی ہے؟ اس کے سب سے مقبول جواب دو ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ جبلی طور پر ہماری فطرت کا حصہ ہے۔ (یہ

nativist جواب ہے)۔ دوسرا یہ کہ یہ بچپن کی تربیت سے سیکھی جاتی ہے۔ (یہ empiricist جواب ہے)۔

ایک تیسرا جواب عقلیت پسندی (rationalist) کا ہے جو بیسویں صدی کے آخر میں غالب تھا۔ اس کے مطابق بچے اس کو عمر کے ساتھ ساتھ خود سیکھتے ہیں۔ بچوں کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تکلیف پہنچانا غلط ہے کیونکہ وہ خود تکلیف پہنچنے سے بچنا چاہتے ہیں اور رفتہ رفتہ وہ یہ بات سیکھ جاتے ہیں کہ اس وجہ سے دوسروں کو تکلیف پہنچانا بھی غلط ہے۔ اور اس سے وہ انصاف کے اصول تک پہنچتے ہیں۔

لیکن اس جواب کے ساتھ جو مسائل ہیں، وہ یہ کہ اخلاقیات کا تعلق کلچر سے ہے۔ انفرادیت پسند اور اجتماعیت پسند کلچرز میں اس کی نوعیت میں فرق ہے۔



لوگ ناگواری اور بے حرمتی کے احساس کی بنا پر اخلاقی ریزنگ دیتے ہیں۔
ایک فرد اخلاقیات کو مکمل طور پر خود نہیں سمجھ سکتا۔ سیکھنے اور تربیت کا اس میں اس سے زیادہ کردار ہے جو ریشنلسٹ تھیوری دیتی ہے۔

اگر اخلاقیات بنیادی طور پر ریزنگ سے نہیں آتی تو پھر اس کے امیدوار جبلت اور سماجی تربیت ہیں۔
اب اگلے حصوں میں ہم ان دونوں پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔ ہم پیدائشی طور پر اخلاقی مخلوق ہیں لیکن ہمیں جو بات سیکھنی پڑتی ہے، وہ یہ کہ ہمارے جیسے لوگ اپنی اس خاصیت کو استعمال کہاں پر اور کیسے کریں اور یہ کیسے کیا جاتا ہے۔

سوالات و جوابات

Tajamal Hussain

سر اخلاقیات کا کوئی ارتقاء سے بھی تعلق ہے؟؟

Wahara Umbakar

جس بھی چیز کو ہم جبلی کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا تعلق ہمارے بائیولوجیکل ڈیزائن سے ہے۔ اور بائیولوجیکل ڈیزائن کی وضاحت ایولیوشنری بائیولوجی سے کی جاتی ہے۔ اخلاقیات کے ایک بڑے حصے کا تعلق جبلت سے ہے۔

Usama Ahsan

"جذبات کے فیصلوں سے عقل کی توجیہ کی جاتی ہے" سرعقل اور ذہن الگ کس طرح ہیں؟ دونوں کو الگ الگ کیسے بیان کیا جاسکتا ہے؟

اور جذبات جیسے عقل سے بالکل الگ شے ہے کیا ذہن سے بھی الگ شے ہے؟

اور یہ تینوں چیزیں (عقل، ذہن اور جذبات) دماغ سے کس طرح جڑی ہوئی ہیں؟

Wahara Umbakar

اس سیریز میں عقل سے مراد منطقی یا ریشنل سوچ ہے۔ اس کو ایک مثال سے دیکھ لیتے ہیں:

فرض کیجئے کہ میرے مشروب کے گلاس میں کوئی جراثیم سے بالکل پاک (sterile) کا کروچ ڈال دے اور مشروب پینے کا کہے۔ اور اگر انکار کیا جائے تو پھر اس کا کروچ کو نکال دے اور پھر پینے کا کہے۔

اب اس انکار کی کوئی منطقی یا عقلی وجہ نہیں۔ بلکہ کراہت کا جذبہ ہے۔

کراہت ایک ذہنی experience ہے۔ اس کی عقلی توجیہ نہیں۔ لیکن تمام جذبات کی طرح یہ دنیا کے بارے میں بہت مفید

information input ہے۔ ہماری زندگی اور رویوں کا بڑا حصہ اس تیز پراسسنگ کا نتیجہ ہے۔

منطقی سوچ بھی ذہن میں ایک انفارمیشن پراسسنگ کا طریقہ ہے اور یہ سست رفتار ہے۔ لازمی نہیں کہ یہ جذباتی انفارمیشن سے ہم آہنگ رہے۔ یہ بھی دنیا کے بارے میں بہت مفید انفارمیشن دیتا ہے۔ اس کا بھی رویوں پر اثر ہے۔

دماغ ایک عضو ہے اور باقی اعضاء کی طرح بائیولوجی کا موضوع ہے۔ نفسیات میں ہم اس عضو کو نہیں دیکھتے بلکہ انسان کی مجموعی آؤٹ

پٹ ہمارا concern ہے۔

Xamar Baloch

اگر آپ اس دنیا کے آخری فرد ہیں تو آپ پہ کسی اخلاقی قانون کا اطلاق نہیں ہوگا۔ اخلاقی قوانین کا تمام تر جواز دوسرے فرد کے وجود

سے شروع ہوتا ہے۔

Wahara Umbakar

یہ بھی ایک مکتبہ فکر ہے جو مقبول عام ہے۔ تاہم، انسانی فطرت اس perspective کی حمایت نہیں کرتی۔

منقسم ذات

نفسیات کا بڑا سچ یہ ہے کہ ذہن الگ حصوں کا مجموعہ ہے جو آپس میں تنازعے کی حالت میں ہوتے ہیں۔ ہم اسے الگ سمتوں میں کھینچنے جانے کی صورت میں محسوس کرتے ہیں۔ کئی بار ہم خود اپنے سے اتفاق نہیں رکھتے۔ کئی بار ہم خود اس پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ ہم اپنے خود پر قابو کیوں نہیں رکھ سکے۔

”مجھے عجیب قوت کھینچ لیتی ہے۔ چاہت ایک طرف، عقل دوسری طرف۔ مجھے پتا ہے کہ مجھے کرنا کیا چاہیے۔ لیکن میں کرتا وہ ہوں جو مجھے نہیں کرنا چاہیے۔“

اووڈ کی لکھی اس نظم کا ہم سب کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔

بطور ایک فرد کے بھی ہم ایک یونٹ نہیں۔ ہم خود اپنی ذات میں منقسم ہیں۔

افلاطون کا نام اخلاقی فلسفے میں بڑا نام ہے۔ ان کا مکالمہ Timaeus اس بارے میں بڑا دلچسپ ہے اور وہ اس میں جذبات، خوشیوں، احساسات کو evil اور فانی انسانوں کی حماقت کہتے ہیں جبکہ عقل کو انسانی معراج۔ ان کا ”غیر جذباتی فلسفی بادشاہ“ کا تصور عقلیت پسندی کا خواب ہے۔ اس میں جذبات کی جگہ نہیں۔ افلاطون کی یہ فکر روایتی مغربی فلسفے پر حاوی رہی ہے۔ کانٹ سے کوہلبرگ تک کی فکر میں یہ سراب غالب رہا ہے۔ سراب اس لئے کہ کسی چیز کو تقدیس دے دی جائے تو اس کے بارے میں صاف تجزیاتی سوچ ناممکن ہو جاتی ہے۔ سچا یقین رکھنے والے ایسے تخیلات بنا لیتے ہیں جن کا حقیقت سے تعلق نہیں رہتا۔ کبھی پر یہ اتنی دور نکل جاتا ہے کہ کسی کو بت گرانے پڑتے ہیں۔ عقل کی تقدیس بھی ایسا ہی بت تھا۔

فلسفے میں ہیوم کا پراجیکٹ عقل پرستی کی بت شکنی کے لئے تھا۔ اور ان کا فلسفہ کہ ”عقل کو جذبات کا خادم ہونا چاہیے“ اسی وجہ سے تھا۔

لیکن کیا ردِ عمل کی کسی بھی فکر کی طرح یہ خود بھی دوسری انتہا تک چلا گیا تھا؟



افلاطون کا یہ کہنا کہ جذبات احمقانہ ہیں جبکہ عقل (reason) آقا ہے۔

ہیوم کا یہ دعویٰ کہ عقل صرف جذبات کی غلام ہے۔

جبکہ ایک تیسرا بیچ کا ماڈل تھامس جیفرسن کا تھا۔ جس میں عقل اور جذبات آزادانہ طور پر ہم پر حکومت کرتے ہیں۔ جیسے ایک منقسم سلطنت ہے۔

ان سب میں کچھ سچائی جھلکتی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ان میں سے کون کتنا ٹھیک ہے؟

سوالات و جوابات

Farhat Yasmeeen

جناب! انسانی جبلت بنیادی طور پر اچھے اور برے اخلاق میں گندھی ہوئی ہے۔۔۔۔ اور عقل بیشتر ہمیں انفرادی فائدے کے لئے کام کرتی نظر آتی ہے۔۔۔۔۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہم معاشرتی طور پر برائی کو اچھائی کے تابع دیکھنا چاہتے ہیں؟؟؟

Wahara Umbakar

جبلت اچھی راہنمائی کر سکتی ہے لیکن ایسا ہونا لازم نہیں۔ عقل کا مطلب یہ ہے کہ ہم محض اپنی gut feelings کے رحم و کرم پر ہی نہیں۔ مثال کے طور پر، ہم جبلتی طور پر نسل پرست ہیں۔ لیکن عقل بتاتی ہے کہ ایسا کئے جانا درست نہیں۔

JEaPota

عقل اور جذبات آزادانہ طور پر "ہم" پر حکومت کرتے ہیں / سریہ "ہم" کون ہیں؟

Wahara Umbakar

ہم ایک "کل" ہیں جس کے یہ سب اجزا ہیں۔ ہمارے ذہن کی پارلیمنٹ میں جتنا بھی شور ہو، بالآخر فیصلے لئے جاتے ہیں۔ اور یہ "ہمارے اپنے" فیصلے ہیں۔۔۔

Farhat Yasmeen

جناب! اخلاقیات کس "لیول" پر جا کر قانون کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔۔۔۔

یا قوانین دراصل اخلاقیات کی ہی ارتقائی شکل ہیں؟؟؟

کیونکہ اخلاقیات میں ہم کرنے نہ کرنے میں "آزاد" ہوتے ہیں۔۔۔۔ جبکہ قوانین پر عمل "قید" ہی کی ایک دوسری شکل ہے۔۔

Wahara Umbakar

چھوٹے معاشروں میں قوانین غیر رسمی ہوتے ہیں۔ کوئی سوسائٹی جتنی پیچیدہ ہو جائے، قوانین اتنے ہی رسمی ہوتے جاتے ہیں۔

قوانین سوسائٹی کی اخلاقی اقدار سے ہم آہنگی رکھتے ہیں۔

تمام اخلاقی اقدار قانون نہیں بنتیں۔ مثال کے طور پر خاندان کے افراد کا ایک دوسرے سے برتاؤ اخلاقیات میں ہے، قوانین میں نہیں۔

Fayyaz Ahmed Ramay

اگر عقل کو جذبات پہ حاوی کر لیا جائے تو انسان بہت حقیقت پسند ہو جاتا ہے جس سے زندگی میں مایوسی اور ریجڈنٹس آجاتی ہے۔

احساس کمتری اور باقی کمیوں سے انسان نمٹ لیتا ہے اگر عقل حاوی ہو۔ محبت نہیں ہوتی۔ شاعری بھی بے منطق لگتی ہے۔ مگر اس کے

فائدے بھی بہت ہیں۔

ایموشنز تو خود کو دھوکہ اور خوشی دینے والی چیز ہیں۔

Qadeer Qureshi

اگر عقل حاوی ہو۔ محبت نہیں ہوتی۔ شاعری بھی بے منطق لگتی ہے /

آپ کو ایسی بے سروپا باتیں کون سکھاتا ہے؟ کبھی بڑے شعراء کی شاعری سٹڈی کیجیے، غالب کے روحانی استاد مرزا عبدالقادر کی شاعری

سمجھنے کے لیے ذوق سلیم کے علاوہ منطق اور فلسفے کی گہری سمجھ درکار ہے۔ خود غالب کو سمجھنے کے لیے بھی عقل درکار ہے۔ محض جذباتی

شاعری عموماً انتہائی سطحی ہوتی ہے جیسے آج کل وصی شاہ کی شاعری ہے

Safviz Pak

عقل کو عیار سمجھا جاتا ہے جو دل کے معصوم جذبات سے کھیل کھیلتی رہتی ہے اور جب جب موقع ملتا ہے دھوکا دینے سے بھی گریز نہیں

کرتی۔ عقل جو عیار ہے چنانچہ اس کے سورنگ ہیں اور ہزار چالاکیاں ہیں۔ انسان متضاد عناصر کا مجموعہ ہے سو کسی وقت کوئی ایک عنصر دوسرے پر حاوی ہو جاتا ہے تو کبھی دوسرا پہلے پر۔۔۔

یہ بات درست ہے کہ عقل اور جذبات (دل) ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

Qadeer Qureshi

عقل کو عیار صرف ہمارے ہاں ہی سمجھا جاتا ہے۔ روایتی سوچ یہی ہے کہ عقل کا درجہ جذبات سے کم ہے۔ ہمارے صوفی شعراء (بشمول علامہ اقبال کے جو خود فلسفہ میں پی ایچ ڈی رکھتے تھے لیکن کئی اشعار میں عقل یعنی منطقی سوچ کو عشق حقیقی کے لیے خطرہ قرار دیتے ہیں) میں جا بجا عقل کے خلاف اشعار ملتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تمام تر ترقی عقل یعنی انسان کی ذہانت، منطقی سوچ

اور نئے پیٹرنز کی شناخت سے ہی ممکن ہوئی۔ ترقی یافتہ ممالک میں بچوں میں منطقی سوچ یعنی critical thinking skills

کو پروان چڑھایا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں منطقی سوچ کو روایات کے لیے خطرہ سمجھا جاتا ہے، سوال اٹھانا معیوب سمجھا جاتا ہے، اور سارا زور بچوں کو لکیر کا فقیر بنانے پر ہی صرف ہوتا ہے

Wahara Umbakar

اگر انسان عقل کا استعمال نہ کریں تو پھر انسان اور حیوان میں فرق کیا رہتا ہے۔۔۔

عقل سے اگر عیاری ہے تو سمجھداری بھی۔۔۔



انسانی فطرت

ساٹھ اور ستر کی دہائی وہ وقت تھا جب ریڈیکل سیاست نے لاطینی امریکہ، جنوبی امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ریڈیکل اصلاح پسند یہ یقین رکھنا چاہتے تھے کہ انسانی فطرت ایک خالی تختی ہے جس پر کچھ بھی کنندہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے تخیل کی یوٹوپین دنیا بھی سچ ہو سکتی ہے۔ اور اگر nativism وہ وجہ ہے جس کے باعث دنیا میں صنفی امتیاز ہے۔ یا پھر جس کی وجہ سے پاور سٹرکچر ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ nativism غلط ہے۔ (یہاں پر یہ نشاندہی کہ فلاں چیز اس لئے غلط ہے کہ اس کے نتائج مجھے پسند نہیں، یہ ایک منطقی مغالطہ ہے جس کو ترک کرنا آسان نہیں ہوتا)۔

سٹیون پنکر نے اس بارے میں ہونے والی بحثوں پر کتاب Modern Denial of Human Nature لکھی ہے جس میں وہ مثالوں کے ساتھ واضح کرتے ہیں کہ اس وقت کے دانشوروں نے پروگریسو تحریک سے وفادار رہنے کے لئے کس طرح لیکچر ہال میں سائنس کی اقدار مسخ کیں۔ اپنے سائنسدان دوستوں کو تحقیر کا نشانہ بنایا اور طلباء کو ترغیب دی کہ سچ کی تلاش نہ کریں بلکہ پروگریسو آئیڈیل کی حمایت کے لئے جواز بنائے جائیں جو نسلی اور صنفی برابری کی تحریک میں مدد کریں۔

اس کا ایک افسوس ناک واقعہ ایڈورڈ ولسن پر حملہ تھا جو چیونٹیوں اور ایکوسسٹم کے ماہر تھے۔ ان کی کتاب سوشیو بائیولوجی یہ دکھاتی تھی کہ ارتقا میں نیچرل سلیکشن نہ صرف جانوروں کے جسموں کو شکل دیتی ہے بلکہ ان کے رویوں کو بھی۔ ولسن نے اپنی کتاب کے آخر میں لکھا کہ نیچرل سلیکشن انسانی فطرت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے اور انسانی فطرت نامی شے موجود ہے جو اس بات پر حد لگاتی ہے کہ بچوں کو کیا سکھایا جاسکتا ہے اور کیا نہیں۔ یا نئے سوشل ادارے کیسے ڈیزائن نہیں کئے جاسکتے۔

ولسن نے آئٹھکس کو اپنے نکتے کی وضاحت کے لئے استعمال کیا۔ ولسن کو یہ واضح تھا کہ ریشنلسٹ جو کام کر رہے تھے، وہ صرف اپنے خیالات کے حق میں بنائی گئی عیار و ضاحتیں تھیں جبکہ ارتقائی بائیولوجی ان کی حمایت نہیں کرتی تھی۔

کیا لوگ انسانی حقوق پر اس لئے یقین کرتے ہیں کہ یہ حقوق ریاضیاتی سچ کے طرح واقعی کہیں پر پائے جاتے ہیں؟

جس طرح فیثاغورث کا سموس کی الماری سے تھیورم تلاش کر لیتے ہیں، ویسے ہی افلاطونی منطق سے ان کو بھی تلاش کر لیا جائے گا؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ تشدد کے واقعات پڑھتے ہوئے ہمدردی، پرواہ اور ناگواری جیسے جذبات کے تحت انسانی حقوق کی کہانی بناتے ہیں تاکہ اپنے جذبات کو جواز فراہم کیا جاسکے؟

کیا اخلاقیات انسان کے بائیولوجیکل ڈیزائن میں پیوست ہے اور انسان ہونے کا لازم حصہ ہے؟
ولسن اس میں ہیوم کے ”جذباتی انسان“ کے طرفدار تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اخلاقی فلسفی جو کام کر رہے ہیں، وہ اپنے ذہن کے جذباتی مراکز سے جواز بنا رہے تھے۔ ان کی پیشگوئی یہ تھی کہ ایتھکس کے مطالعے کے لئے انسانی فطرت کی نئی سائنس سے مدد لینا ہوگی۔ اور زیادہ عرصہ تک، بائیولوجی اور ایولوشن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔



نئی سوچ سٹیٹس کو چیلنج کرتی ہے اور ساتھ ہی مزاحمت لے کر آتی ہے۔ ولسن کو فاشسٹ کہا گیا۔ نسل پرست کہا گیا۔ ان کے بولنے کو روکنے کی کوشش کی گئی۔ ان پر لیکچر ہال میں پانی کی بالٹی انڈیلی گئی۔ ان کے خلاف احتجاج ہوئے۔

اس میں دہائیاں لگیں کہ ولسن کی پیش کردہ سوشیو بائیولوجی ایک قابل قبول وضاحت بننے لگی۔
”ہمیں کیسا ہونا چاہیے؟“ کا کوئی بھی utopian ideal اس بات کی وضاحت کرنے کے لئے موزوں نہیں کہ ”ہم ایسے کیوں ہیں؟“۔
انسانی فطرت کو دیکھنے اور سمجھنے کا واحد طریقہ انسانوں کے رویے کا کھلے ذہن سے مشاہدہ ہے۔



روح کی فروخت؟

سکاٹ مرنی نے ورجینیا یونیورسٹی میں ایک تجربہ کیا۔ سیب کا جوس ڈبے سے نکال کر گلاس میں ڈالا اور تجربے کے شرکاء کو کہا کہ اس کا ایک گھونٹ لیں۔ سب نے لے لیا۔ اس کے بعد انہوں نے سفید پلاسٹک کا ڈبہ نکالا اور کہا۔

”اس ڈبے میں ایک کاکروچ ہے جو sterilized ہے۔ اس میں کوئی جراثیم نہیں۔ ہم لیبارٹری سپلائی کمپنی سے ایسے چند کاکروچ لے کر آئے تھے۔ ان کو بالکل صاف ماحول میں رکھا گیا ہے۔ لیکن پھر بھی مزید احتیاط کے لئے، ہم نے ان کو پھر سٹیرلائز کیا ہے۔ میں اس کاکروچ کو جوس میں ڈبو کر نکالوں گا۔ کیا اب آپ اس گلاس میں سے دوسرا گھونٹ لیں گے اگر آپ کو ایسا کرنے کے لئے ایک ڈالر بھی دیا جائے؟“

ایک اور تجربے میں سکاٹ نے کہا کہ وہ کاغذ پر لکھے معاہدے پر دستخط کرنے کے عوض دو ڈالر دیں گے۔ تحریر تھی، ”میں اپنی موت کے بعد اپنی روح سکاٹ مرنی کو دو ڈالر کے عوض فروخت کرتا ہوں۔“ نیچے دستخط کے لئے جگہ تھی۔ صفحے کے آخر میں لکھا تھا کہ ”یہ فارم ایک تجربے کے لئے ہے۔ اس معاہدے کی قانونی حیثیت نہیں۔“ سکاٹ نے شرکاء کو کہا کہ وہ دستخط کر دینے کے بعد اس معاہدے کو خواہ پھاڑ دیں، انہیں دو ڈالر پھر بھی مل جائیں گے۔

شرکاء میں سے 37 فیصد کاکروچ والے جوس سے گھونٹ لینے کو تیار ہوئے۔ جبکہ روح فروخت کرنے کے لئے 23 فیصد۔

جن شرکاء نے انکار کیا، سکاٹ نے ان سے وجہ پوچھی اور چیلنج کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے دلائل اور منطق کی مدد سے مزید دس فیصد طلباء کو جوس پینے کے بارے میں ذہن بدلنے پر قائل کر لیا۔ جبکہ سترہ فیصد مزید کاکروچ فروخت کرنے کے بارے میں۔ لیکن اکثریت اپنے ابتدائی فیصلے پر قائم رہی۔ حالانکہ وہ ایسا کرنے کی کوئی بھی اچھی وجہ نہیں بتا سکے۔ زیادہ دلچسپ چیز یہ کہ انکار کرنے والوں میں سے کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے تسلیم کیا کہ وہ روح پر یقین ہی نہیں رکھتے لیکن پھر بھی اس پر دستخط کرنے کو تیار نہیں ہوں گے۔

اسی طرح مرنی نے ایک کہانی بنائی جس پر لوگوں کا ردِ عمل لیا۔ جینیفر ایک ہسپتال میں کام کرتی ہے۔ وہ سبزی خور ہے اور اس کا خیال ہے کہ جانوروں کو خوراک کے لئے مارنا اخلاقی اعتبار سے غلط ہے۔ ایک رات ہسپتال میں ایک نامعلوم لاش آئی۔ اسے خیال آیا کہ یہ گوشت ایسے ہی پھینک دینا ضیاع ہو گا۔ وہ اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر گھر لے آئی۔ پکایا اور کھایا۔

یہ کہانی اس نوعیت کی ہے جو کراہت کے جذبے کو فوری طور پر بیدار کرتی ہے اور اس کو سننے والے اس کو گھناؤنا اور اخلاقی لحاظ سے ناقابلِ قبول فعل قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کی وجہ بیان کرنے میں مشکل ہوتی ہے۔

مرنی کے کئے گئے کئی دوسرے تجربات سے واضح ہوتا ہے کہ لوگ اخلاقی فیصلہ پہلے لیتے ہیں۔ یہ فیصلہ جذبات کے ذریعے لیا جاتا ہے اور اگر عقل کا خادم اس کے دفاع کے لئے اچھی توجیہ نہ بھی تلاش کر سکے تو بھی لازم نہیں کہ جذبات کا آقا ذہن بدل لے۔

لا جواب ہو جانا بھی یہ کام نہیں کر سکتا۔

ایسے تجربات صاف طور پر دکھاتے ہیں کہ جبلی جذبات کا ہمارے فیصلوں میں اور اخلاقی رائے بنانے میں بڑا کردار ہے۔ اس میں عقل کا کردار بھی ہے لیکن یہ ثانوی ہے۔ کوئی شخص کوئی عمل کس وجہ سے کر رہا ہے؟ لازم نہیں کہ اس کے لئے اس شخص کی اپنی پیش کی گئی توجیہ درست ہو۔ اور اس لئے نہیں کہ وہ جان بوجھ کر کچھ غلط کہہ رہا ہے۔

کسی کے بھی (اور خاص طور پر اپنے) رویے کو سمجھنے کے لئے ہمیں جس چیز کو پہلے سمجھنا ہے، وہ یہ جذبات ہیں۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

ایک برے کام کو پہلی بار کرنے سے گلٹ ہوتا ہے مگر اگر انسان اس کام کو بار بار کرتا جائے تو انسان کے اندر سے گلٹ ختم ہو جاتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ انسان اپنی ذات میں منقسم ہے مگر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ضمیر کی آواز آنا بھی بند ہو جاتی ہے۔ اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟ انسان کو اب بھی پتہ ہے کہ وہ برا کام کر رہا ہے مگر اب اسے گلٹ نہیں ہوتا اور اس کا ضمیر بھی اسے نہیں ٹوکتا؟

Wahara Umbakar

بالکل ایسا ہی ہے۔

فرض کیجئے کہ آپ کسی نئی جگہ پر گئے ہیں جو کہ انتہائی خوبصورت ہے۔ زبردست موسم، صاف ہوا، پرسکون ماحول۔ آپ دانتوں تلے انگلی دبائے اس جگہ کی خوبصورتی سے مبہوت ہے جبکہ یہاں پر رہنے والوں کے لئے یہ "نارمل" ہے۔ یا پھر آپ کسی کے گھر گئے ہیں جو گندے نالے کے قریب ہے۔ آپ کو ہوا کے جھونکے کے ساتھ بدبو کا بھکا آتا ہے۔ جس کے گھر ہیں، اسے تو کچھ محسوس ہی نہیں ہو رہا۔

جب کوئی چیز عادت بن جاتی ہے تو وہ نظر سے اوجھل ہو جاتی ہے۔

اس پر ایک مضمون یہاں سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/1378415728927699/>

Farhat Yasmeen

جناب! جذبات کی پیدائش بھی تو عقل ہی کی بنیاد پر ہے۔۔۔۔۔ جتنی اعلیٰ عقل اتنے ہی اعلیٰ جذبات۔۔۔۔۔

معاشرتی اور سائنسی تجربے سے یہ بات ثابت ہے۔۔۔ کہ جو لوگ عقل کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے (یا کم) ہوتے ہیں

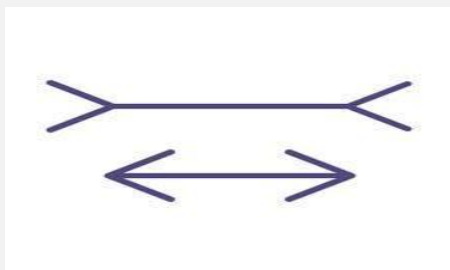
(عرف عام میں ہم انہیں پاگل کہتے ہیں)

نفسیاتی، معاشرتی اور اخلاقی اعتبار سے ان کے "جذبات" قابل قبول نہیں ہوتے

صاحب موضوع "نے جذبات کو عقل کے تابع کہاں ہے۔۔۔ جبکہ ان کی دی گئی ہر مثالیں میں عقل ہی کام کرتی نظر آرہی ہے۔ افراد میں عقل کا معیار جتنا اعلیٰ ہوگا جذبات کا اظہار اتنے ہی اعلیٰ طریقوں سے ہوگا۔

Wahara Umbakar

ساتھ لگی تصویر ایک مشہور سراب کی ہے۔ اس میں دونوں لکیروں کا سائز برابر ہے۔ لیکن ہمیں ایک لکیر دوسری سے بڑی نظر آتی ہے۔



کوئی آپ کو سمجھا دے اور آپ خود یہ پیمائش کر لیں تو آپ یہ مان لیں گے کہ دونوں لکیریں برابر ہیں۔

اب فرض کیجئے کہ تمام پڑتال کے بعد آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ دونوں کے سائز میں فرق نہیں۔ اس کے بعد بھی ان لکیروں کو دوبارہ دیکھیں۔ یہ احساس پھر بھی جان نہیں چھوڑتا کہ اوپر والی لکیر دوسری سے بڑی ہے۔

عقل ہمیشہ احساس پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔

بالکل اسی طرح، یہ معلوم ہو جانا کہ کاکروچ کو جس میں ڈال دینے سے جراثیم جو میں نہیں گئے اور اس کو پینے میں کوئی حرج نہیں۔۔۔ لازم نہیں کہ اس سے وہ احساس بھی تبدیل ہو سکے جو پہلی بار بن چکا تھا۔ یہاں پر بس یہی مرکزی نکتہ ہے۔

Farhat Yasmeen

یعنی "سراب" وہ احساس ہے جو عقل کو دھوکا دیتا ہے۔۔۔؟؟

جناب! میں بہت زیادہ شکر گزار ہوں گی اگر آپ اس نکتے کی اور اچھی وضاحت فرمادیں؟؟؟

Wahara Umbakar

یہاں پر جو سراب ہے، اسے پہچان لینا آسان ہے۔ اس کی پیمائش کی جاسکتی ہے۔ اور یہ پہچانا جاسکتا ہے کہ ہمارے احساسات حقیقت

سے مطابقت نہیں رکھتے۔ (ان کا یہ کام ہی نہیں)۔ ہماری زندگی کے بیشتر معاملات اس طرح objective نہیں۔ وہاں پر ایسے سراب پہچاننے کا طریقہ نہیں۔ نہ ہی دوسروں کے اور نہ ہی اپنے۔

Shoaib Nazir

جذبات کیا ہوتے؟۔

Wahara Umbakar

فرض کیجئے کہ "مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں اس شخص پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ میں نے اپنے اس احساس کے باعث اس سے سودا نہیں کیا"۔

ہم سب ایسے کئی فیصلے ہر وقت لے رہے ہوتے ہیں جن کی پیچھے ایسے احساسات ہوتے ہیں اور ہم ان کی منطقی وجہ نہیں بیان کر سکتے۔

Shoaib Nazir

عقل ان کے تابع کیوں آجاتی؟۔

یا آخری پیرا ہی جواب سمجھوں؟۔

Wahara Umbakar

کیونکہ ان کو نظر انداز کر کے ہم زندگی گزار ہی نہیں سکتے۔

بڑی آسان مثال کے طور پر، کس پر بھروسہ کرنا ہے؟ کس سے بچ کر رہنا ہے؟ کیا وہ جھوٹ بول رہا ہے؟ اس بارے میں رائے تو قائم کرنی ہی ہے۔

Shoaib Nazir

تو رائے قائم کرنے میں عقل خود مختار و مطلق العنان بادشاہ کیوں نہیں؟۔

Wahara Umbakar

ہمیں اصل زندگی میں جو فیصلے لینے ہیں، ان میں اتنا ڈیٹا اور وقت ہی نہیں ہوتا۔ بے یقینی کی دھند میں ہماری جبلتیں ہمیں زندہ رکھتی ہیں۔ زمین پر کروڑوں انواع ایسی ہیں جو منطق، فلسفے، سائنس وغیرہ جیسی چیزوں کے بغیر ہی انتہائی کامیاب زندگی اپنی جبلتوں کی مدد

سے گزار رہی ہیں۔

عقل جیسی چیز تو زمین پر صرف ایک ہی نوع کے لئے ہے جس کا کبھی کبھار استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس سے زیادہ توقعات رکھنا شاید درست نہ ہو۔

SohailAhmed

سرکچہ لوگ سیلف رسپکٹ کو لیکر بہت جذباتی ہو جاتے ہیں اور کچھ نظر انداز کرتے ہیں، یہ کیا وجہ ہے؟؟
اپنی بات کروں تو اگر مجھے کسی جملے یا عمل سے لگے میری عزت کا سوال ہے تو پھر رد عمل دیتے ہوئے خود پر قابو نہیں رہتا
جس کا اندازہ کچھ وقت گزرنے کے بعد ہوتا ہے کس نوعیت کا رد عمل تھا،
مگر وہیں کچھ لوگ نظر انداز کرتے ہوئے رفع دفع کرتے ہیں کیسے؟؟؟

WaharaUmbakar

عادت بہت طاقت رکھتی ہے۔ خود پر قابو نہ رکھ سکنا غصہ کا symptom ہے۔ اور غصے پر کنٹرول کی عادت کوشش سے بنائی جاسکتی ہے۔

RobbinHood

سر آپ کا خیال جاننا چاہتا ہوں کیا آپ روح کی فروخت ایگریمنٹ پر دستخط کر دیتے اگر ہاں تو کیوں اگر نہ تو کیوں؟؟
میں نے دونوں صورتوں پر غور کیا مگر کسی بھی صورت پر کوئی جواب نہیں بن پایا

WaharaUmbakar

میرا بھی کچھ ایسا ہی حال ہے کہ دونوں صورتوں میں کوئی جواب نہیں بن پایا۔
شاید سمجھانے کے بعد کر ہی دیتا۔ یہ کونسا کوئی قانونی معاہدہ تھا



جبلت اور گپ شپ

جذبات کیا ہیں؟ ان کی تعریف مشکل ہے۔ بہت عرصے تک ان کو بے وقوفی اور حیوانی حصہ سمجھا جاتا رہا۔ (یہاں تک کہ مشہور سیریز سٹار ٹریک میں جذبات سے عاری مسٹر سپوک کو ”عقل مند“ دکھایا گیا تھا)۔ لیکن سائنسدان 1980 کی دہائی میں یہ سمجھنا شروع ہوئے کہ یہ ہمارا سمجھدار حصہ ہے۔ مثلاً، رات کے وقت سنسان جگہ پر جاتے وقت سنائی دینے والی سرسراہٹ سے امد آنے والا خوف کا جذبہ، جو ہمیں خطرے سے بچنے کی مشین بنادیتا ہے۔

جذبات انفارمیشن پراسسنگ ہیں۔ ہمیں ان سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔

سمجھ دو قسم کی ہے۔ بدیہی اور عقلی۔ اور یہ بڑے باریک طریقے سے کام کرتی ہے۔ جب آپ اخبار پڑھیں یا گاڑی چلائیں تو آپ کو کئی ایسے لمحات کا واسطہ پڑے گا جب آپ کسی چیز کو اخلاقی لحاظ سے ناپسند کریں گے۔ ایسے ہر احساس کے پیچھے عقلی وجہ تلاش کی طویل لڑی نہیں ہو گی۔ ہم اپنی روزمرہ زندگی میں درجنوں یا سینکڑوں فیصلے لیتے ہیں جن کے پیچھے کوئی گہری سوچ یا توجیہ نہیں ہوتی اور نہ ہی جذبات ہوتے ہیں۔ یہ ہماری intuition ہے۔

انسانی ذہن اور زندگی کا بہت بڑا حصہ خود کار پراسس چلاتے ہیں۔ اور یہ اپنے کام میں بہت اچھے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف، ہمارے شعوری پراسس کئی مفید کام کر سکتے ہیں۔ یہ مستقبل میں زیادہ دور دیکھ سکتے ہیں۔ ہم مستقبل کے کئی منظر نامے ذہن میں بناتے رہتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلے لیتے ہیں۔ اسی لئے صحت مند خوراک کھاتے ہیں، ورزش کرتے ہیں، تعلیم پر توجہ دیتے ہیں۔ نئی صلاحیت سیکھتے ہیں، نئی ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کرتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ اپنے خود کار حصے کے لئے گئے فیصلوں کی توجیہ تلاش کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا شعوری حصہ یہ کام کرنے میں لاجواب مہارت رکھتا ہے۔ اس کے لئے زبان کا استعمال کرتے ہیں، دوسروں سے گپ شپ کرتے ہیں۔

اور ہماری یہ گپ شپ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اور اس میں ہم سب سے زیادہ اہمیت اخلاقی معاملات کو دیتے ہیں۔ اپنی شہرت اور نیک نامی کی حفاظت کرتے ہیں، اتحاد بناتے ہیں۔ کسی تنازعے میں اجنبیوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور ہماری یہ گپ شپ اخلاقیات پر مبنی آراء پر ہوتی ہے۔ صحیح اور غلط کی آراء اس پر حاوی ہوتی ہیں۔



گھریلو تنازعات ہوں، سیاسی تجزیہ نگاروں کی گفتگو، سوشل میڈیا کے مباحث، سماجی مکالمے یا اخباری کالم نگار۔ دوسروں کی اخلاقی حالت زار پر اظہارِ افسوس، ان کی ہٹ دھرمی پر نکتہ چینی، اپنوں کا

دفاع، اپنے اخلاقی نکتہ نظر پر دوسروں کو قائل کرنے کی کوشش، ”صحیح و غلط“ کے پیمانے۔۔ ہماری گپ شپ میں اخلاقیات کا کردار مرکزی ہے۔ اور ہماری اپنی سب سے زیادہ توجہ ایسی ہی گفتگو کھینچتی ہے۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

واہ۔ پچھلی پوسٹ پر میرا سوال بھی یہی تھا۔ جذبات کیا ہیں؟۔ یہ بتائیے گا کہ ایک دفعہ آپ پہ ایک صاحب نے علمی بددیانتی کا الزام لگایا تھا۔۔ آپ اس دن پہلی دفعہ شدید غصے میں دکھائی دیے تھے۔ اور غالباً اس شخص کو بلا کر دیا تھا۔۔ اس رویے کا جواب۔ اسی سیریز کے ساتھ جوڑ کر دی جیے۔۔ شکریہ۔

Wahara Umbakar

اگرچہ مجھے ٹھیک علم نہیں کہ کونسے والے واقعے کا ذکر ہے لیکن بددیانت کہنے کا جواب دلیل اور منطق سے نہیں دیا جاسکتا۔ غصے سے دیا گیا رد عمل باقی سب کو بھی باور کرواتا ہے کہ میرے لئے کوئی حد قابل قبول نہیں۔

SaleemJamali

سر کیا یہ کہنا درست ہو گا کہ جذبات ہماری اخلاقیات کو تشکیل دینے میں ہم کردار ادا کرتا ہے

Wahara Umbakar

جی۔ یہ کہنا درست ہو گا۔

ItzRayan

کچھ لوگ زیادہ جذباتی ہوتے ہیں اور کچھ کم۔ کیا اس کی وجہ جینیٹک ہے؟ psychopath یا cold blooded لوگ ہمدردی کے جذبات سے عاری ہوتے ہیں کیا اس کی وجہ جینز میں ہے یا ان کے ماحول نے ان کو ایسا بنادیا؟ میں ذاتی طور پر کسی psychopath سے نہیں ملا بس میں نے یہ سنا ہے کہ ان میں ہمدردی کے جذبات نہیں ہوتے اور وہ دوسروں کا دکھ محسوس نہیں کر سکتے مگر اگر کسی کے ساتھ کچھ برا ہو تو کچھ سائیکو path لوگ اس عمل کو غلط کہہ دیتے ہیں۔ اس کیس میں وہ کس base پر اس عمل کو غلط کہہ رہے ہیں جبکہ وہ اسے feel ہی نہیں کر سکتے؟

Wahara Umbakar

سائیکو پاتھ ہونا جینیاتی کنڈیشن ہے۔ اس میں شخص empathy نہیں رکھتا اور دوسرے کے نکتہ نظر سے چیزوں کو نہیں دیکھ پاتا۔



سماجی اثر

کیا آپ نے کبھی سیاست یا مذہب یا نظریات یا کسی بھی دوسرے اخلاقی موضوع پر کسی دوسرے سے بحث کی ہے؟ اگر ہاں، تو آپ جانتے ہوں گے کہ دوسرے کا رویہ کس قدر مایوس کن اور ڈھٹائی والا تھا۔ اور یہ تمام بحث مایوس کن اور لا حاصل کیوں رہتی ہے؟ آخر ایسا کیوں ہے؟

کیا یہ سب واقعی لا حاصل ہے؟ بالکل بھی نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم ایسے معاملات پر بھی اپنا ذہن تبدیل کرتے رہتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی جامد نہیں۔ سوال یہ کہ یہ ہوتا کیسے ہے؟

ہم اپنی پہلی رائے بہت جلد قائم کرتے ہیں اور ایسا بغیر شواہد کے ہی کرتے ہیں۔ دوسروں سے گفتگو کرنا ہمیں چیلنج کرتا ہے۔ وجوہات ڈھونڈنے پر مجبور کرتا ہے۔ کئی بار نئے خیالات ایسے ہی آتے ہیں اور یہ ممکن کرتا ہے کہ ہم اپنی رائے بدل لیں۔ اگرچہ ایسا ہم خود بھی کر لیتے ہیں جب کسی چیز کو نئے زاویے سے سوچیں لیکن ایسا بہت کم ہوتا ہے۔

ذہن بنانے کا زیادہ عام طریقہ سماجی اثر ہے۔ دوسروں کی پسند اور ناپسند کا علم ہونا ہم پر مسلسل اثر کرتا ہے۔ اگرچہ ہم میں سے اکثر یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہمارا اندرونی اخلاقی قطب نما ہماری راہنمائی کرتا ہے لیکن سماجی نفسیات کی تاریخ واضح طور پر دکھاتی ہے کہ دوسروں کا اثر ہم پر بہت طاقت رکھتا ہے۔

یہاں تک کہ انتہا کا ظلم بھی قابل قبول بن سکتا ہے۔

اور افراد کے اس تبادلہ خیال سے اخلاقیات کی سماجی intuition بنتی ہے۔

سماجی وجدان کا یہ ماڈل ہمیں اس بات کی وضاحت دیتا ہے کہ سیاسی اور اخلاقی بحث اس قدر مایوس کن اور لا حاصل کیوں ہوتی ہے۔ اگر آپ کسی کا ذہن بدلنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ کار محض مضبوط منطق نہیں۔ ڈیل کارنگی اپنی کلاسیکی کتاب ”دوست کیسے بنائے

جائیں اور لوگوں پر اثر انداز کیسے ہوا جائے“ میں اس بات کو بار بار دہراتے ہیں کہ براہ راست تصادم سے باز رہا جائے۔ دوستانہ انداز میں

THE SOCIAL INTUITIONIST MODEL OFFERS AN EXPLANATION OF WHY MORAL AND POLITICAL ARGUMENTS ARE SO FRUSTRATING: BECAUSE MORAL REASONS ARE THE TAIL WAGGED BY THE INTUITIVE DOG. A DOG'S TAIL WAGS TO COMMUNICATE. YOU CAN'T MAKE A DOG HAPPY BY FORCIBLY WAGGING ITS TAIL. AND YOU CAN'T CHANGE PEOPLE'S MINDS BY UTTERLY REFUTING THEIR ARGUMENTS.

- JONATHAN HAIDT -

LIBQUOTES.COM

بات کی ابتدا کی جائے۔ مسکرایا جائے۔ دوسرے کی بات سنی جائے۔ عزت، گرم جوشی اور کشادہ دلی سے دوسرے کا نقطہ نظر سمجھا جائے اور پھر اپنا موقف پیش کیا جائے۔

آپ شاید یہ سوچیں کہ کاریگری کی تکنیک سطحی ہے اور کسی سیلزمین کے لئے ہی ہو سکتی ہے۔ لیکن کاریگری تنازعات کے بارے میں گہرا سچ سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ہنری فورڈ نے کہا تھا۔

”کامیابی کا راز یہ ہے کہ آپ دوسرے کے نقطہ نظر کو پہچان سکیں اور کسی چیز کو اپنے ساتھ ساتھ اس کے زاویے سے بھی دیکھ سکیں“ یہ بڑا واضح نکتہ ہے لیکن بہت کم لوگ اسے سیاسی یا اخلاقی بحث میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ ہمارا راست باز ذہن جھٹ سے لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ ہم فوری طور پر دوسری کی طرف زبانی بمباری کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ اور ہماری پرفارمنس اگر دوستوں کو متاثر کرے تو یہ ہمیں اپنے گروہ میں عزت اور رتبہ دیتی ہے۔

منطق جتنی بھی مضبوط ہو، یہ اس صورت میں کسی دوسرے کا ذہن نہیں بدلے گی اگر وہ بھی لڑنے کے لئے تیار ہے۔ اگر آپ واقعی میں سیاسی یا اخلاقی بحث میں کسی کا ذہن بدلنا چاہتے ہیں تو اپنے ساتھ ساتھ بڑے گہرے طریقے سے اس کے نقطہ نظر کو کشادہ دلی سے دیکھنے کے لئے تیار ہونا ضروری ہے۔ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ اس طریقے سے آپ اپنے موقف میں بھی لچک لے آئیں۔

یاد رہے کہ سیاسی اور اخلاقی گروہ بندی کی تقسیم کے ماحول میں ایسا کرنا بڑا مشکل کام ہے۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

میں نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ لوگ کسی کے منطق سے زیادہ اس کے اخلاق سے متاثر ہوتے ہیں۔

WaharaUmbakar

یہ بات بالکل درست ہے۔ اچھی منطق بھی اہمیت رکھتے ہیں لیکن اخلاق کی اہمیت اس سے زیادہ ہے۔

Sardar Irfan Zulfiqar

یہ بات بالکل درست ہے کہ بادی النظر میں لاکھوں سالوں کی مباحث کا ہمارے مستقبل کے فیصلوں پر شعوری یا لاشعوری طور پر پڑنے والا اثر بہت گہرا ہے۔ سیاسی اور اخلاقی مسائل ایسے ہیں جن میں ہم ایک دم سے قائل ہو جانے والی مخلوق نہیں بلکہ رفتہ رفتہ اور چھوٹی چھوٹی باتوں سے اپنا ذہن بناتے ہیں اور اس میں کسی حد تک مسلسل تبدیلی چلتی رہتی ہے۔ یہ بات کئی بار چونکا دیتی ہے کہ "ہم" جو آج ہیں بظاہر بغیر کسی بڑے ٹرننگ پوائنٹ کے زندگی میں ایک سال پہلے والے "ہم" سے اس قدر مختلف کیوں ہیں اور اس کی ایک وضاحت مجھے یہی سمجھ آرہی ہے کہ ہم آہستہ آہستہ اور معمولی باتوں سے متاثر ہوتے ہیں۔

Wahara Umbakar

جی۔ یہ بات بالکل درست ہے۔

Abdul Wahab

سر پروپیگنڈہ جب استعمال کرتے ہیں تو اس کا طریقہ کار کیا ہے سائنسی طریقہ کار کیا ہے پروپیگنڈہ کرنے کا ہم کس طرح سچ اور پروپیگنڈہ میں فرق کر سکتے ہیں

Wahara Umbakar

اس پر ایک مضمون یہاں سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/1927997733969493/>



سیاستی آراء

ایک بہت چھوٹا سا کام۔ آپ نے نیچے دئے گئے الفاظ کے جوڑے میں سے دوسرے لفظ کو دیکھنا ہے اور بتایا ہے کہ یہ اچھا ہے یا برا۔

پھول۔ خوشی

نفرت۔ روشنی

محبت۔ کینسر

مکھی۔ افسردگی

یہ بہت ہی آسان سی مشق ہے لیکن تصور کریں کہ آپ کو یہ کام کمپیوٹر پر کرنے کو کہا جائے۔ پہلا لفظ چوتھائی سیکنڈ کے لئے آپ کے سامنے فلش ہو اور اس کے فوری بعد دوسرا۔ تجربات بتاتے ہیں کہ اگر اس صورت میں روشنی اور کینسر کے بارے میں فیصلہ کرنے میں خوشی اور افسردگی کے مقابلے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔

اس اثر کو affective priming کہا جاتا ہے۔ پہلا لفظ آپ کے ذہن کو ایک سمت میں ہلکا سا جھکا دیتا ہے۔ اگر دوسرا لفظ اسی سمت کا ہو تو اس کے بارے میں فیصلہ جلد لے لیا جاتا ہے۔ اگر ”نفرت“ کا لفظ پہلے آیا تو روشنی کو مثبت کہنے میں زیادہ تاخیر ہوتی ہے۔ اور یہ فرق تقریباً 250 ملی سیکنڈ کا اضافی ہے۔

نفسیات میں یہ بہت معلوم fact ہے۔ اور اسی کو استعمال کر کے سوشل سائیکولوجسٹ نے لوگوں کے تعصبات کا پتہ لگانے کے ٹیسٹ بنائے ہیں۔ اگر آپ خود اپنے تعصبات جاننا چاہیں تو ماہ زرین بنا جی کا تیار کردہ Implicit Association Test ہے جس کو آن لائن لیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر آپ فریبہ لوگوں، بوڑھوں، سیاہ فام، غیر ملکی یا کسی اور گروپ کے بارے میں تعصب رکھتے ہیں تو ایسے لوگوں کی تصویر دیکھنے کے فوری بعد مثبت الفاظ پہچاننے میں کچھ زیادہ وقت لگائیں گے۔ (خود اپنی حرکت کو سست ہوتا دیکھنا کئی لوگوں کو بہت چونکا دیتا ہے کیونکہ ہم اپنے تعصبات سے خود زیادہ واقف نہیں ہوتے)۔

اب فرض کیجئے کہ آپ کے ذہن کا اندرونی ہاتھی بوڑھوں کے بارے میں تعصب رکھتا ہے اور ان کو دیکھ کر دوسری طرف جھکنے لگتا ہے تو پھر ہمیں یہ توقع ضرور رکھنی چاہیے کہ اپنے سیاسی یا نظریاتی مخالفین کے ساتھ بھی یہ اثر ہوگا اور اس سے زیادہ گہرا ہوگا۔

اس کی پیمائش جامی مورس نے کی۔ گرما گرم سیاسی الفاظ اور سیاسی شخصیات کو دکھا کر یہ ٹیسٹ بہت آسانی سے یہ دکھا دیتا تھا کہ کون لبرل ہے اور کون کنزرویٹو۔

آرا بنانے کے بدیہی طریقے پر ایکس ٹوڈورو کا کام اس پر تھا کہ ہم لوگوں کے بارے میں تاثر کیسے بناتے ہیں۔ جب انہوں نے کام شروع کیا، اس سے پہلے اس بات پر بہت کام ہو چکا تھا کہ ہم جاذبِ نظر لوگوں کو زیادہ سمارٹ اور نیک تصور کرتے ہیں۔ اور خوبصورت چہرے کو شک کا فائدہ دینے کو تیار رہتے ہیں۔ مقدمے میں جیوری کی طرف سے خوبصورت ملزم کو قصور وار قرار دینے کا تناسب کم ہے اور قصور وار قرار دے دئے جانے کے بعد جج کی طرف سے سزا کم دی جاتی ہے۔

ٹوڈورو نے دریافت کیا کہ معاملہ صرف جاذبِ نظر ہونے کا نہیں۔ انہوں نے امریکی ایوانِ نمائندگان اور سینیٹ کے امیدواروں کی تصاویر اکٹھی کیں۔ اس میں جیتنے والے اور دوسرے نمبر پر آنے والے امیدوار تھے۔ جیتنے والے امیدواروں کی تصاویر لوگوں کو دکھا کر پوچھا کہ کون شخص زیادہ قابلِ لگ رہا ہے۔ اس کی سیاسی جماعت یا کسی اور چیز کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے معلوم کیا کہ وہ امیدوار جو شکل سے زیادہ قابلِ لگ رہے تھے، اس میں دو تہائی وہ تھے جو انتخاب جیت گئے تھے۔

پہلی نظر میں قائم کردہ رائے کسی کے جاذبِ نظر یا پسندیدہ ہونے کی اتنی نہیں تھی بلکہ کسی کو دیکھ کر مجموعی طور پر پیدا ہونے والے مثبت خیال کی تھی۔ ہم میں کئی طرح کے جبلی احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ اور ہر کوئی اپنی الگ طرح کی انفارمیشن پراسسنگ کرتا ہے۔

اور اس سے عجیب؟ جب ٹوڈورو نے لوگوں کو اپنی رائے دینے پر اس وقت مجبور کیا جب تصور صرف ایک سیکنڈ کے دسویں حصے کے لئے ان کی آنکھوں کے آگے لہرائی گئی؟ (یہ اتنا وقت ہے جب کسی کا باقاعدہ طور پر جائزہ نہیں لیا جاسکتا)۔ اس صورت میں بھی نتائج ویسے ہی رہے۔

یعنی کہ ہمارا ذہن جو کچھ بھی کر رہا ہے، فوری طور پر کر رہا ہے۔ ویسے ہی جیسے ہم بصری سراب کا شکار ہوتے ہیں۔



اس کا خلاصہ یہ کہ انسانی ذہن مسلسل ہر وقت ہر شے کو پر اس
کر رہا ہے اور اس کے مطابق ردِ عمل دے رہا ہے۔ کسی کو دیکھتے
ساتھ ہی، کسی آواز کو سنتے ہی، کسی شخص سے ملاقات کرتے ہی
ذہن کا ہاتھی کسی ایک طرف جھکنے لگتا ہے۔ اور اس کا یہ والا جھکاؤ
اس بات پر بہت اثر انداز ہوتا ہے کہ ہم کیا سوچیں گے اور کیا
کریں گے۔ یہ اثر اس سے زیادہ ہے جتنا ہم تسلیم کرنا چاہیں
گے۔ لیکن intuition سب سے پہلے اپنا کام کرتی ہے۔

اور ہاں۔۔۔ صرف میری یا پھر آپ کے سیاسی یا نظریاتی مخالف کی ہی نہیں۔ آپ کی اپنی بھی۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

ذہن کا ہاتھی؟ یہاں ہاتھی کو metaphorically کیوں استعمال کیا گیا ہے اس کے پیچھے کوئی وجہ ہے یا ویسے ہی۔
ذہن کا گینڈا یا ذہن کی ہرن کیوں نہیں؟

WaharaUmbakar

اس سے پہلے یہ استعارہ ایک سیریز میں استعمال کیا تھا۔ اس کا لنک نیچے۔ گینڈا یا ہرن ایسے جانور نہیں جنہیں انسان استعمال کرتا ہے۔ ہاتھی اور
مہاوت کا جوڑا ہے۔ ہاتھی کا اپنا ذہن ہے اور مہاوت کا اپنا۔ استعارے میں ہماری جبلت ہاتھی ہے اور شعور اس پر سوار مہاوت۔

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/1804106633025271/>

RizwanAhmad

کمال کی تحریر ہے سر، شکریہ پوچھنے پر آپ اکثر کسی تحریر کا لنک دیتے ہیں، یہ یادداشت کے سہارے ہے ہا سرچ کرتے ہیں؟

Wahara Umbakar

یادداشت کے سہارے ہے۔ خود لکھی ہوئی بات زیادہ یاد رہ جاتی ہے

Shoaib Nazir

یہ بتائیے گا کبھی یہ جو پہلی نظر میں پیار ہوتا ہے۔۔

اس کی وضاحت اخلاقی نفسیات کی سائنس سے کیا ہوگی؟

Wahara Umbakar

کسی کے بارے میں پہلا تاثر اہمیت رکھتا ہے۔ یہ پسند کا ہو یا ناپسند کا۔

Shoaib Nazir

لیکن اس کی سائنس کیا ہے۔۔ ہم ہزاروں لوگوں کو دیکھتے ہیں۔۔ پر کسی ایک سے یا چند سے ہی کیوں پیار ہوتا؟

Wahara Umbakar

رومانوی محبت کی کوئی منطقی وجہ نہیں۔ اور اسی وجہ سے سخت منطقی لوگوں کو رومانوی محنت میں زیادہ دشواری پیش آتی ہے۔

تاہم، دیرپا محبت اور طویل رفاقت اس اچانک ہو جانے والی کشش سے بہت مختلف شے ہے۔ (کئی لوگ اسے آپس میں کنفوز کرتے ہیں)۔ یہ بغیر اس ابتدائی کشش کے بھی ہو سکتی ہے۔ توجہ، وقت، کوشش اور محنت کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اگر کیا جائے تو زندگی میں ملنے والی شاید بہترین شے ہے۔

Farhat Yasmeen

جناب! جب ہمارے "وجدان" نے سب سے پہلے کام کرنا ہوتا ہے۔ اور اسی کے مطابق ہمارے تعصبات کا جھکاؤ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ تب تو ہم سب اپنے وجدان کے اسیر ہوئے۔۔۔۔۔؟؟؟

Wahara Umbakar

جھکاؤ ہونے اور اسیر ہونے میں فرق ہے۔ یعنی ایسا ضرور ہے کہ ہمارا وجدان ہماری راہنمائی کرتا ہے لیکن ایسا نہیں کہ ہم اسے تبدیل کر دینے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔

RehmanAli

جناب، intuition، جذبات اور عقل کو آسان الفاظ میں سمجھا دیں کہ جذبات، انٹوشنز سے کیسے مختلف ہیں۔؟؟

Wahara Umbakar

جذبات وہ ہیں جنہیں میں محسوس کرتا ہوں۔ غصہ، خوشی، شرم، مایوسی وغیرہ۔ جبکہ intuition خود کار ہے۔ میں نے کسی چیز پر کوئی رد عمل دیا ہے جس کے لئے کچھ سوچا نہیں (عقل استعمال نہیں کی)، کسی جذبے کی وجہ سے نہیں دیا (غصہ یا لالچ وغیرہ نہیں تھے)، بس دے دیا ہے۔ یہ intuitive ہے۔

RehmanAli

سر پیچھے ہم یہ سیکھ رہے تھے کہ عقل جذبات کی غلام ہوتی ہے وہاں ہم نے دیکھا کہ کیسے ہم کسی چیز کے بارے جذباتی فیصلہ پہلے لیتے ہیں اور پھر بعد میں اس کی توجیہ عقلی دلائل سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن سر یہاں ہم سیکھ رہے ہیں کہ ہمارا پہلا رد عمل جبلتی ہوگا تو سر کیا اس رد عمل میں ہمارے جذبات بھی شامل ہوتے ہیں یا ہماری جبلت اور جذبات کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور اگر ہے تو کس طرح کام کرتے ہیں کسی چیز کے رد عمل میں؟؟ اور آخری بات یہ کہ جبلت اور جذبات میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جذبات عقل کا حصہ ہیں اور جبلت نہیں؟؟

Wahara Umbakar

جذبات جبلتی ہیں۔ لیکن جبلت کا مطلب محض جذبات نہیں۔ میری طرف پتھر آ رہا ہے اور میں بچنے کے لئے فوری طور پر جھک گیا۔ میرے جھکنے کا عمل نہ ہی عقلی فیصلہ تھا اور نہ ہی اس میں کوئی جذبات کا فرما تھے۔ بعد میں خوف کا احساس ہوا اور پھر سوچا کہ یہ پتھر آیا کہاں سے تھا۔ لیکن اس ایکشن کے لینے میں اس سب کا وقت ہی نہیں تھا۔ یہ خود کار تھا۔ یہ ویڈیو شاید اس نکتے کو مزید واضح کر سکے۔

<https://youtu.be/FnYT4uQQu0c>



سائیکوپاتھ اور بچے

ساتھ لگی تصویر میں بچے کو دیکھ کر آپ کا پہلا ردِ عمل کیا ہوا؟ کیا یہ کہ ”کس قدر نادان ہے کہ یہ بھی نہیں جانتا کہ پتھر کے خرگوش احساس



نہیں رکھتے؟“۔ اگر آپ عام انسان ہیں تو ایسا نہیں ہوا ہو گا بلکہ بچے کی یہ ادا پسند آئی ہو گی کہ وہ کسی کی مشکل دور کرنے کی اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ ہم اس کو یہیں چھوڑ کر واپس اپنی دلچسپی کے موضوع کی طرف چلتے ہیں۔

دماغ کے اگلی اور نیچے کی طرف کا حصہ انسولر کورٹیکس ہے۔ تمام ممالیہ جانوروں میں یہ زبان اور ناک سے آنے والی انفارمیشن کو پر اس کرتا ہے۔ اور اس کی مدد سے جانور ٹھیک خوراک کی پہچان کر سکتے ہیں اور غلط سے دور رہ سکتے ہیں۔ لیکن اس قدیم حصے نے انسانوں میں نئی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ یہی انسانوں کے بارے میں ”ذائقے“ میں بھی راہنمائی کرتا ہے۔ اگر اخلاقی لحاظ سے کچھ قابلِ اعتراض ہو رہا ہو، کوئی ناگوار شے ہو یا نا انصافی ہو تو یہ زیادہ متحرک ہو جاتا ہے۔ اگر ہمارے پاس کوئی طریقہ ہو کہ اس کے بٹن دبا سکیں تو کیا ہم اس پر اثر انداز ہو سکیں گے؟ یہ سوال ایکس جورڈن کا تھا۔

ایکس نے اپنے تجربے میں چار متنازعہ ایشوز پر لوگوں کی رائے پوچھنی تھی۔ اور اس دوران میں خفیہ طور پر ان کے ناگواری کے الارم بجائے۔

ایکس جب اپنے انٹرویو کے دوران کچرے کے ڈبے کے ساتھ کھڑے تھے جس سے ”مہک“ آرہی تھی تو لوگوں کی اخلاقیات پر رائے زیادہ سخت تھی۔

اور ایکس کے علاوہ باقی محققین بھی اس اثر کو دیکھ چکے ہیں۔ جب ہم کسی چیز کے بارے میں سوچنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہم اندر کی طرف دیکھتے ہیں کہ ہم خود کیسا محسوس کر رہے ہیں۔

ٹورنٹو میں شینبو ٹرونک نے ایسا تجربہ کیا جس میں پہلے لوگوں کو سوالنامہ بھرنے سے پہلے صابن سے دھونے کا موازنہ کنٹرول گروپ سے کیا۔ جسمانی صفائی اخلاقی صفائی کے بارے میں زیادہ محتاط کر دیتی ہے۔ (مثلاً، منشیات یا پورنوگرافی جیسے ایشوز میں)۔

اگر آپ ”صاف“ ہیں تو ”گندی“ چیزوں کو دور رکھنا چاہتے ہیں۔

جسم اور ذہن میں دو طرفہ تعلق ہے۔ غیر اخلاقی شے فزیکل طور پر گندگی لگتی ہے۔

اس میں کلیدی نکتہ یہ ہے کہ اخلاقی رائے بنانے میں حقوق، انصاف، تکلیف جیسی چیزوں کو تولانا نہیں جاتا۔ یہ اس سے بہت تیز اور خود کار عمل ہے۔ اور ہماری اخلاقی آرا کا بڑا حصہ یہاں سے ہے۔

اب اگلا سوال یہ کہ احساس اور عقل کا انوکھا ملاپ ہماری خوبی ہے یا خرابی؟ کیا یہ ایک bug ہے یا پھر ایک feature ہے؟

اس کا جواب لینے کے لئے ہم انسانوں میں سے دو گروپ دیکھتے ہیں۔

سائیکوپاٹھ اور بچے۔

دنیا میں تقریباً ایک فیصد مرد سائیکوپاٹھ ہیں۔ (خواتین میں یہ تناسب اس سے بہت کم ہے)۔ ایسا ہونا کسی کی شخصیت کا حصہ ہے۔ ان میں سے زیادہ تر مجرم نہیں لیکن ان میں سے جو لوگ جرائم کی طرف چلے جائیں تو سب سے بدترین جرائم کرتے ہیں۔ سیریل قتل، ریپ اور ناقابلِ بیان جرائم میں ملوث ہونے والوں میں ان کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ بنیادی طور پر ان کا اخلاقی آلہ خراب ہوتا ہے۔ یہ جذبات محسوس نہیں کر سکتے۔ شرم، ہمدردی، پشیمانی یا پچھتاوا۔ اس وجہ سے ان کے لئے جھوٹ بولنا اور اپنے دوستوں، عزیزوں اور جانوروں کو بھی ایذا پہنچانا آسان ہے۔

سائیکوپاٹھ میں عقل اور ریزن کرنے کی صلاحیت کا فقدان نہیں۔ اگر عقل کا ساتھ ہو لیکن اخلاقی جذبات کا قطب نما نہ ہو تو ایسی حالت نے تاریخ کے بدترین مجرموں کو جنم دیا ہے۔

ایسا نہیں کہ سائیکوپاٹھ میں جذبات نہیں بلکہ یہ کہ ایسے جذبات نہیں جس کی وجہ سے یہ دوسروں کی پرواہ کریں۔
یہ صلاحیت جس میں اخلاقی جذبات کا فقدان ہو اور ساتھ ہی ساتھ عقل اور ذہانت بھی۔۔۔ یہ ایک خطرناک ملاپ ہے۔
سائیکوپاٹھ ہونے کا تعلق بچپن کی تربیت یا زندگی میں رونما ہونے والے کسی حادثے سے نہیں۔ یہ جینیاتی ہے۔ ایسا ذہن جو دوسروں کی
ضروریات، تکالیف یا احترام کا ادراک نہ کر سکے۔ ایسے ذہن کا خود کار ہاتھی کسی بھی طرف نہیں جھکتا حالانکہ اس پر سوار بالکل نارمل
ہے۔ اور اچھی منطق اور بحث کر سکتا ہے۔ لیکن اس ”سوار“ کا کام اخلاقی قطب نما کا نہیں۔

سائیکوپاٹھ کا برعکس چھوٹے بچے ہیں۔ یعنی کہ محسوس کر سکتے ہیں لیکن ریزن نہیں دے سکتے۔
کسی وقت میں ماہرین نفسیات کا خیال تھا کہ بچے کا ذہن خالی تختی ہے، لیکن ایسا نہیں۔ بچے اپنے ساتھ بہت کچھ لے کر آتے ہیں اور ان
میں اخلاقی جذبات بھی ہیں۔

بیل میں چھ ماہ کے بچوں پر کئے گئے تجربات اس کو واضح کر دیتے ہیں۔ بچوں کے آگے شوکیا گیا جس میں ایک پٹلا پہاڑی چڑھ رہا ہے۔
ایک دوسرا پٹلا آجاتا ہے۔ وہ پہاڑی چڑھنے والے کی مدد کرتا ہے۔ اوپر سے تیسرا پٹلا اسے نیچے گرانے کی کوشش کرتا ہے۔
تجربے کے بعد انہیں یہ پتلے کھیلنے کے لئے دئے گئے۔ بچوں نے تقریباً ہمیشہ مددگار پتلے کا انتخاب کیا۔ محققین نے اس سے اور اس کی کچھ
ویری ایشنز کے بعد نتیجہ اخذ کیا کہ ”دوسروں کے بارے میں اخلاقی رائے قائم کرنے کی صلاحیت یونیورسل ہے اور جبلی ہے۔“
یہ حیران کن نہیں کہ چھوٹے بچے اس بات کو سیکھ لیں کہ کون ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر رہا ہے۔ دوسرے جانور بھی یہ سیکھ جاتے ہیں۔
لیکن یہ تحقیق یہ دکھاتی ہے کہ بچے یہ دیکھ کر رائے قائم کرتے ہیں کہ لوگ دوسرے لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کر رہے ہیں اور اچھے
لوگوں کے بارے میں ترجیح رکھتے ہیں۔ اخلاقی جھجٹ زبان سیکھنے اور ریزنگ کی صلاحیت سے پہلے ہی موجود ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ اگر احساس ہو اور ریزن کرنے کی اہلیت نہ ہو تو پھر اخلاقیات چھوٹے بچے کی ہوں گی۔ ہم انہیں اخلاقی فیصلوں پر ذمہ دار نہیں
ٹھہراتے۔ جبکہ دوسری طرف احساس نہ ہو اور ریزن کرنے کی اہلیت ہو تو پھر اخلاقیات سائیکوپاٹھ کی ہوں گی۔

اخلاقی جبلت بہت ابتدائی عمر میں آ جاتی ہے اور ڈویلپمنٹ کے لئے ضروری ہے۔ ریزنگ بہت بعد میں۔ اور جب ریزنگ ہو لیکن یہ جذبات نہ ہو تو نتیجہ برا نکلتا ہے۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

اس سے تو لگتا ہے کہ ہم اچھی نوع ہیں لیکن ہماری تاریخ genocidel واقعات سے بھری پڑی ہے۔
کیا انسان جبلی طور پر peaceful ہے؟

Wahara Umbakar

اگر موازنہ primates سے کیا جائے تو مقابلتاً انسان انتہائی پر امن ہے۔ اسی وجہ سے باہمی تعاون کے بڑے گروپس بنا لیتا ہے۔ اجنبی لوگوں سے بھی ملکر کام کر سکتا ہے۔
تاہم، جنگ و جدل ہمیشہ سے انسانی تہذیب کا حصہ رہی ہے۔ اپنے گروہ سے وفاداری اور دوسرے گروہ سے مقابلہ۔۔۔ یہ ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس پر تفصیل آئندہ کی اقساط میں۔۔۔

Sardar Irfan Zulfiqar

جو مرد سائیکو پاتھ ہوتے ہیں کیا وہ بچپن میں سائیکو پاتھ بچے ہوتے ہیں؟

Wahara Umbakar

جی۔ سائیکو پاتھ ہونا بچپن سے ہے۔

Sardar Irfan Zulfiqar

// ٹورنٹو میں شینبو ژونگ نے ایسا تجربہ کیا جس میں پہلے لوگوں کو سوالنامہ بھرنے سے پہلے صابن سے دھونے کا موازنہ کنٹرول گروپ سے کیا۔ //

اس جملے کا کوئی مطلب سمجھ نہیں آیا۔

Wahara Umbakar

ایک گروپ تھا جس کو سوالنامہ بھرنے سے پہلے صابن سے ہاتھ دھونے کا کہا گیا۔ جبکہ کنٹرول گروپ میں ایسا نہیں کیا گیا۔ یہاں پر ان دونوں سے ملنے والے نتائج کا موازنہ تھا۔

Farhat Yasmeen

جناب! جلی طور پر انسان احسن تقویم پر ہے۔ اور اخلاقی کتب نما اچھائی کی طرف جھکتا ہے۔۔۔ (جو کہ یقیناً اس کی نوکے لیے فائدہ مند ہے)۔۔۔ پھر کئی ہزار سال پہلے ہمارے آباؤ اجداد کو ایسی کون سی ضرورت پیش آئی کہ انہیں عقل اور منطق کو بھی اپنے اخلاقی کتب نما میں جگہ دینا پڑی؟؟

Wahara Umbakar

اخلاقی قطب نما جس طرف جھکتا ہے، اس کو ہم اچھائی کہہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ اتنا آسان نہیں۔ اقدار میں ایسے بہت سی جگہیں آتی ہیں جہاں پر الگ اقدار کا آپس میں تنازعہ ہو سکتا ہے۔ بہت آسان مثال کے طور پر۔۔۔ کیا کسی کو قتل کر دینا برائی ہے؟ بہت سے لوگ کہیں گے کہ ہاں۔ لیکن اگر ایک جنگ جاری ہے اور میری بندوق کے نشانے پر مخالف فوجی ہے تو کیا اسے قتل کرنا اچھائی ہے یا برائی ہے؟ اور اگر میں اسے چھوڑ دیتا ہوں تو کیا یہ برائی ہے؟ بالفرض، میں اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ جو شخص میرے نشانے پر ہے، وہ اپنے خاندان کا واحد کفیل ہے۔ اس کے چھوٹے بچے ہیں اور وہ جنگ کرنے صرف اس لئے آیا تھا کہ اس کے پاس کوئی اور روزگار نہیں تھا۔ کیا یہ علم میرے فیصلے پر کوئی اثر ڈالتا ہے؟

Farhat Yasmeen

جناب! یہ فیصلہ تو ہم منطق کی بنیاد پر کریں گے۔۔۔ اپنے اخلاقی آلہ کے برخلاف۔۔۔

Wahara Umbakar

جی۔ اور یہی نکتہ ہے۔ ہم ہر فیصلہ اپنی gut feeling کی بنیاد پر نہیں کرتے۔ یہی بچے اور بالغ شخص میں فرق ہے۔ ایک بالغ شخص کو اپنے کئے گئے فیصلوں کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ ہم یہی تصور رکھتے ہیں کہ وہ ان میں اپنی مرضی رکھتا ہے۔

ٹرائی کا مسئلہ

فلسفی طویل عرصے سے اس بات پر غیر متفق رہے ہیں کہ کیا کسی بڑی اچھائی کے لئے کسی کو نقصان پہنچانا قابل قبول ہے۔ Utilitarianism ایک فلسفانہ مکتبہ فکر ہے جس کے مطابق آپ کو مجموعی طور پر اچھائی کو دیکھنا چاہیے، خواہ اس کے لئے کسی کو نقصان ہی کیوں نہ پہنچانا پڑے۔

اخلاقی محضوں میں سے ایک مشہور ”ٹرائی کا مسئلہ“ ہے۔ ٹرائی کا ایک بے قابو ڈبہ پانچ لوگوں کی طرف بڑھ رہا ہے۔ آپ کے پاس انتخاب ہے کہ ایک شخص کو پل کے نیچے دھکا دے دیں۔ ٹرائی اس سے ٹکرا کر رک جائے گی۔ کیا آپ کو اس انجان شخص کی اس طریقے سے جان لینے کا انتخاب کرنا چاہیے تاکہ پانچ لوگوں کی جان بچائی جاسکے؟ اس کے جواب میں utilitarian نکتہ نظریہ ہے کہ ”ہاں، اسے دھکا دے دیں۔“

جبکہ ایک اور مکتبہ فکر کے فلسفیوں کا ماننا ہے کہ افراد کے حقوق کا احترام ہماری ذمہ داری اور ہمارا فرض ہے۔ کسی بھی صورت میں انہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہیے۔ اس نکتہ نظر کو deontology کہا جاتا ہے۔ ڈیونٹولوجسٹ کی نظر میں اخلاقی اصول کا ماخذ اور توجیہ احتیاط سے کی گئی ریزنگ سے آتا ہے۔

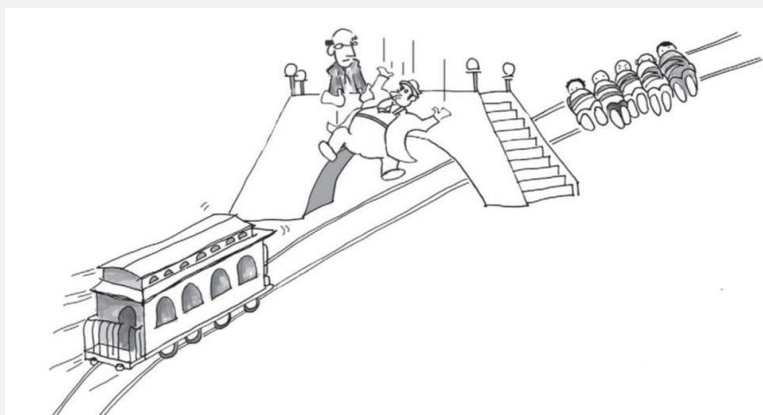
جوشوا گرین کے خیال میں utilitarian نکتہ نظر سرد منطق کی بنیاد پر ہے اور ڈیونٹولوجسٹ کا ماخذ gut feeling ہے، جس کی بعد میں عقلی توجیہ کی جاتی ہے۔ اور یہ ان کی تحقیق کا موضوع تھا۔

گرین نے اس کا پتہ لگانے کے لئے بیس کہانیاں تشکیل دیں۔ مثال کے طور پر ٹرائی کے مخمضے میں ایک تبدیلی یہ کی گئی کہ کسی شخص کو دھکا نہیں دینا بلکہ ایک سوچ دبانے ہے جس سے ٹرائی ایک دوسرے ٹریک پر چلی جائے اور وہاں پر کھڑا ایک شخص مارا جائے۔ حساب کتاب کے اعتبار سے تو یہ بالکل ویسا ہی سودا ہے۔ ایک شخص کی زندگی لے کر پانچ کی جان بچا دینا لیکن intuitionist نکتہ نظر سے دونوں فیصلے یکسر مختلف ہیں۔ کسی کو اپنے ہاتھوں سے دھکا دینا کے خوفناک فیصلے سے آزاد ہو جانے کے بعد زندگیاں بچانے کا انتخاب آسان ہے۔

گرین نے شرکاء کو فنکشنل ایم آر آئی سکین کرتے وقت یہ کہانیاں پیش کیں۔ شرکاء کو انتخاب کرنا تھا کہ کیا لیا گیا ایکشن درست ہے۔ نتائج بہت واضح تھے۔ جب لوگ ایسی کہانیاں پڑھتے ہیں جہاں پر کسی شخص کو ضرر پہنچتا ہے تو دماغ کے جذباتی حصے متحرک ہوتے ہیں۔ اور جذباتی ری ایکشن اخلاقی رائے کی پیشگوئی کرتے ہیں۔

گرین نے اپنی مشہور تحقیق 2001 میں شائع کی۔ اس کے بعد سے کئی لیبارٹریوں میں اس قسم کے تجربات کئے جا چکے ہیں جس میں شرکاء کو مناظر دکھائے جاتے ہیں جن کا تعلق اخلاقیات سے ہے۔ چندہ دیتے ہوئے، جرم کی سزا ملتے وقت، چیلنگ کرتے ہوئے، تعاون کرتے وقت۔ چند استثنا چھوڑ کر، ملنے والے نتائج ایک مسلسل اور بار بار کہانی بتاتے ہیں۔ دماغ کا جذباتی پراسسنگ کا مرکز فوری

طور پر متحرک ہو جاتا ہے۔ اور اس کا تعلق لوگوں کی اخلاقی رائے اور فیصلوں سے ہوتا ہے۔



جب ای اوولسن نے 1975 میں پیشگوئی کی تھی کہ آئینٹھکس کا تعلق ذہن کے جذباتی مراکز سے نکلے گا تو انہیں بڑی تنقید کا نشانہ بنا پڑا تھا۔ اس وقت کا سیاسی ماحول ایسے خیالات

کے لئے موزوں نہ تھا۔ آنے والی دہائیوں میں نہ صرف ارتقائی نفسیات بلکہ نیوروسائنس سمیت کئی شعبوں کے میں ہونے والی تحقیق سے یہ تبدیل ہو چکا تھا۔

سوالات و جوابات

Sardar Irfan Zulfiqar

ہمیشہ کی طرح شاندار۔

ای اوولسن کی پیشین گوئی کے وقت اخلاقیات کا تعلق کس شے سے سمجھا جاتا تھا؟

ہاتھی اور مہاوت

ہیوم کا ماڈل (عقل غلام ہے) افلاطون کے ماڈل (عقل حاکم ہو سکتی ہے اور ہونا چاہیے) یا جیفرسن کے ماڈل (دل و دماغ برابر کے شریک ہیں) سے زیادہ بہتر طریقے سے حقائق کی وضاحت کرتا ہے لیکن یہ عقل کو ضرورت سے زیادہ کمتر بنادیتا ہے۔

غلام اپنے آقا کی بات پر سوال نہیں کرتا لیکن ہم اپنی بدیہی رائے پر نظر ثانی کی اہلیت رکھتے ہیں۔ یہ غلام اور آقا کا رشتہ نہیں بلکہ ہاتھی اور مہاوت کا رشتہ ہے۔ مہاوت ہاتھی کا خادم تو ہے لیکن یہ ایک احترام والی رفاقت ہے۔ یا پھر وکیل اور موکل کا۔ اچھا وکیل اپنے موکل کا دفاع تو کرتا ہے لیکن تمام باتیں تسلیم نہیں کرتا۔

اسی طرح ہم اپنی عقل سے اپنے بدیہی جذبات (خواہ کتنے ہی طاقتور کیوں نہ ہوں) کو قابو کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

ذہن کا ہاتھی کب عقل کی بات سننے کو تیار ہوتا ہے؟ اخلاقی معاملات میں اپنا ذہن تبدیل کرنے کا طریقہ لوگوں کے ساتھ interaction کا ہے۔ ہم ایسے شواہدات ڈھونڈنے میں بہت پھسڈی ہیں جو ہمارے خیالات کو چیلنج کرتے ہوں۔ جبکہ ہم ایسے شواہدات ڈھونڈنے میں انتہائی مہارت رکھتے ہیں جو مخالف کے یقین میں غلطیاں بتائیں۔ لوگوں سے انٹرایکشن ہمیں نئی رائے دیکھنے کا موقع دیتا ہے۔ لیکن جب مباحثے تلخ ہوں تو اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ ذہن تبدیل ہوں۔ ہمارا ہاتھی ہمارے حریف سے مخالف سمت میں جھک جاتا ہے۔

لیکن اگر کسی دوسرے کی عزت اور احترام ہو تو ہاتھی اس شخص کی طرف جھکتا ہے اور مہاوت اس کی بات میں سچ تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ذہن کے ہاتھی کا راستہ دوستانہ ہاتھیوں کی موجودگی میں آسانی سے بدلا جاسکتا ہے (یہ سماجی وجدان کا ماڈل ہے جب ایک گروپ کسی معاملے پر یکساں رائے بنا لیتا ہے)۔ یا اگر اچھے دلائل دوستانہ ہاتھیوں کے سواروں کی طرف سے مل جائیں (یہ دلائل کی مدد سے رائے قائم کرنے کا ماڈل ہے)۔

ایسے وقت بھی آتے ہیں جب ہم اپنا ذہن خود سے تبدیل کر لیتے ہیں۔ متنازعہ معاملات پر کئی بار خود ہمارے اندر کی آوازیں منقسم ہوتی ہیں۔ اور کئی بار ہماری رائے کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ ہم اس چیز کو اس وقت کس نظر سے دیکھ رہے ہیں اور اس کے کس پہلو کو سوچ رہے ہیں۔

اور آخر میں، یہ بھی ممکن ہے کہ کسی اخلاقی نتیجے پر عقلی دلائل کے ذریعے پہنچا جاسکے، خواہ وہ ابتدائی بدیہی رائے سے مخالف ہی ہو۔ یہ عمل بہت کم ہوتا ہے۔

اس بارے میں پیکسٹن اور گرین نے تجربات میں ایک نیا پہلو متعارف کروایا۔ اس میں نصف شرکاء کو فوری جواب دینے کی اجازت نہیں تھی۔ جواب کے درمیان دو منٹ کا وقفہ تھا۔

دونوں گروپس کو سوال کے بارے میں دلائل دئے گئے۔ جن لوگوں نے فوری جواب دے دیا تھا، دلیل کا معیار ان کی رائے تبدیل نہیں کر سکا۔ جبکہ جن لوگوں نے وقفہ لیا تھا، ان کا جواب مضبوط دلیل والے جواب کی طرف تھا۔

خلاصہ یہ ہے عام حالات میں مہاتو ہاتھی کی طرف دیکھتا ہے۔ اور اس سے لئے گئے جواب کے مطابق فیصلہ کر لیتا ہے۔ لیکن اگر commit نہ کر لیا جائے تو ہاتھی مہاتو کی بات سننے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

سب سے پہلے intuition آتی ہیں اور عام حالات میں ہم ان کے مطابق فیصلے لیتے ہیں اور ان کا دفاع کرتے رہتے ہیں۔ لیکن ایسے طریقے موجود ہیں جس سے اس تعلق کو دوطرفہ بنایا جاسکے۔ مختصر یہ کہ جبلت راہنمائی کرتی ہے۔ بڑی حد تک ہمارے لئے زندگی کے بہت مفید فیصلے کرتی ہے۔ لیکن عقل صرف اس کی غلام نہیں۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

عقل و دماغ سے کیا مراد ہے؟

Wahara Umbakar

یہاں پر عقل سے مراد reason کرنے کی صلاحیت ہے۔

ساکھ

فرض کر لیجئے کہ جس روز آپ نے پیدا ہونا تھا، اس روز ایک فیصلہ لئے جانا تھا۔ یا تو آپ اپنی پوری زندگی ایک انتہائی دیانتدار اور منصف المزاج شخص رہیں گے لیکن آپ کے آس پاس کے تمام لوگ آپ کو دھوکے باز اور بے ایمان سمجھیں گے۔ یا پھر آپ تمام عمر اپنے فائدے کے لئے جھوٹ اور فراڈ کا سہارا لیں گے لیکن ہر کوئی آپ کو نیکی کا مینار سمجھے گا۔ آپ کس کا انتخاب کریں گے؟

افلاطون کی سب سے اثر انگیز کتاب ”ری پبلک“ اس موضوع پر ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ کو پہلے کا انتخاب کرنا چاہیے۔ نیک ہونا معنی رکھتا ہے نہ کہ نیک لگنا۔

لیکن یہ اتنا آسان اور سیدھا نہیں۔

اگر آپ 100 کیڑوں کے ایک گروپ کو ایک مشترک مقصد کے لئے اکٹھا کام کرتے دیکھیں تو یقینی طور پر یہ رشتہ دار ہوں گے۔ لیکن اگر آپ 100 انسانوں کے ایک گروپ کو کوئی تعمیر کرتے یا جنگ میں جاتے دیکھیں تو اس بات کا کم ہی امکان ہے کہ یہ سب ایک بڑے خاندان کا حصہ ہوں۔ انسان اس چیز کے چیمپیئن ہیں کہ وہ قرابت داری سے بڑھ کر تعاون کے بڑے سسٹم بناسکیں۔ رسمی اور غیر رسمی طور پر جوابدہی کا اس میں بڑا کردار ہے۔ ہم دوسروں کو ان کے کئے پر جوابدہ ٹھہرانے میں مہارت رکھتے ہیں اور ہم ایسی دنیا میں رہنے میں مہارت رکھتے ہیں جس میں دوسرے ہمیں جوابدہ ٹھہرائیں۔

سوال یہ کہ ”جوابدہی“ کیا ہے؟ اس شعبے کے ماہر فل ٹیٹلاک اس کی تعریف دیتے ہیں۔ ”اس بات کی واضح توقع کہ ہمیں اپنے یقین، احساس اور اعمال کا جواز دینا پڑے گا۔“ اور ملنے والی جزا و سزا کا انحصار اس پر ہے کہ یہ جواز کتنا اچھا دیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی کسی کو جوابدہ نہ ہو، دھوکہ دینے والوں اور نیکوں کو اس کا کوئی بار نہ اٹھانا پڑے، اپنے اعمال کی ذمہ داری نہ لی جائے تو سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔

لوگ جوابدہی کے ان جنجالوں میں پھنسے رہ کر زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور یہی انسانی معاشرہ ہے۔ ہم سب بدیہی طور پر سیاستدان ہیں جو اپنے مختلف حلقوں کے آگے اپنی اخلاقی ساکھ کی حفاظت کرتا ہے۔

اور سناہ سچائی سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

ٹیسٹلوک کی تحقیق میں لوگوں کو کچھ فیصلے لینے تھے۔ مثال کے طور پر، انہیں ایک قانونی مقدمے کی تفصیلات دی گئیں اور پوچھا گیا کہ کیا ملزم قصور وار ہے یا نہیں۔ کچھ کو کہا گیا کہ انہیں اپنے فیصلے کی وجہ کسی کو بتانا ہوگی۔ باقی کو معلوم تھا کہ ان سے کوئی نہیں پوچھے گا۔ ٹیسٹلوک نے اس سے دریافت کیا کہ جب لوگوں کو خود پر چھوڑ دیا جائے تو سستی، غلطی اور اپنی بدیہی سوچ پر انحصار زیادہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر انہیں پہلے سے علم ہو کہ انہیں اپنے فیصلے کی جوابدہی کرنا ہوگی تو وہ زیادہ سوچ کر اور طریقے سے فیصلہ لیتے ہیں۔ پہلے سے نتیجے پر چھلانگ نہیں لگا دیتے اور شواہدات کا معائنہ کرتے ہیں۔



یہ عقل پسند مکتبہ فکر کے لئے اچھی خبر ہو سکتی ہے۔ یعنی ضرورت پڑھنے پر ہم احتیاط سے سوچ سکتے ہیں؟ مکمل طور پر ایسا نہیں۔ ٹیسٹلوک نے دریافت کیا کہ احتیاط سے سوچنے کے دو بہت مختلف طریقے ہیں۔ ایک تحقیقی (exploratory) سوچ ہے۔ جس میں

مختلف متبادل نکتہ نظر کو اہمیت دی جا رہی ہے اور کھلے ذہن سے سوچا جا رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں تصدیقی (confirmatory) سوچ ہے۔ یہ اپنے خاص نکتہ نظر کو جواز دینے (rationalization) کی یکطرفہ کوشش ہے۔ جوابدہی پہلی نوعیت کی سوچ کو صرف اس وقت بڑھاتی ہے اگر تین چیزیں موجود ہوں۔

پہلی یہ کہ شخص کو پہلے سے معلوم ہو کہ اسے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

دوسرا یہ کہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ سامعین کے اپنے خیالات کیا ہیں۔

اور تیسرا یہ کہ اسے پتا ہو کہ سامعین کے پاس اچھا علم ہے اور ان کی دلچسپی ٹھیک ہونے میں ہے۔

جب یہ تینوں چیزیں موجود ہوں تو لوگ سچ پر پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ سامعین سچ سننا چاہ رہے ہیں۔ لیکن اگر ایسا نہ ہو (اور یہ ایک عام صورت حال ہوتی ہے) تو پھر جوابدہی کا پریشر صرف تصدیقی سوچ کو بڑھاتا ہے۔ لوگ ٹھیک ہونے کی نہیں، بلکہ ٹھیک نظر آنے کی پرواہ کرتے ہیں۔

ٹیلوک اس کا خلاصہ ایسے کرتے ہیں کہ شعوری ریزنگ کا بڑا مقصد قائل کرنا ہے، نہ کہ دریافت کرنا۔ ہم اس بات کی بہت خواہش رکھتے ہیں کہ جو بات ہم کہیں، دوسرے اسے مان لیں۔ ہماری اخلاقی سوچ کسی سائنسدان کی طرح نہیں، بلکہ سیاستدان کی طرح ہے جو اپنے حق میں ووٹ لینے کی کوشش میں رہتا ہے۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

ایک انجان شخص ہمارے بارے میں کیا سوچتا ہے اس سے ہمیں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا۔ لیکن ہمارے قریبی ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں یہ بات کافی حد تک ہمارے فیصلوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

WaharaUmbakar

"لوگ کیا کہیں گے؟" ہمارے لئے ایک اہم سوال ہے۔ عام طور پر ایسے اثر کو منفی سمجھا جاتا ہے لیکن سماجی پریشر ہر ایک کو مطلوب سماجی رویے پر رکھتا ہے۔ اینٹی سوشل حرکتوں سے باز رکھتا ہے۔ اور اچھے معاشرے کے لئے بہت اہم ہے۔ اگر بالفرض میں تنہا ایک اجنبی ملک میں ہوں، تب بھی ایسی حرکات سے باز رہوں گا جو لوگوں میں میری ساکھ کو متاثر کرے۔ کوئی تنہا کمرے میں جو حرکات کرتا ہے، وہ ایسی جگہ پر نہیں کرتا جہاں کوئی دیکھنے والا ہو۔ اس کی وجہ اپنی ساکھ کی حفاظت ہے۔

ShoaibNazir

ریشلائزیشن کو مزید مثالوں سے سمجھائیے۔۔

WaharaUmbakar

میرے امتحان میں اچھے نمبر نہیں آئے۔ "ٹیچر نے پرچہ چیک کرنے میں غلطی کی تھی۔" میرا سیون اپ پینے کو دل کر رہا ہے۔ "اس سے کھانا ہضم ہو جائے گا۔"

الیکشن میں میرا پسندیدہ امیدوار ہار گیا۔ "الیکشن میں دھاندلی ہوئی ہے۔"
 الیکشن میں میرا پسندیدہ امیدوار جیت گیا۔ "لوگوں نے حق کا انتخاب کیا۔"
 ہم ہر وقت اپنے گرد کی دنیا کو ریشلائے کرتے رہتے ہیں۔

Farhat Yasmeen

جناب! اگر معاشرتی رویے سیاستدانوں کی بجائے سائنس دانوں کی طرح ہو جائے تو اس سے ہماری ساکھ پر کیا اثر پڑے گا؟؟
 کیا تب بھی ہم اپنی اچھی ساکھ کا بوجھ اٹھانے پر مجبور ہوں گے؟؟
 ساکھ کے اچھا ہونے میں۔۔۔۔ اور خود کے مطمئن ہونے میں کتنا فرق ہے؟؟

Wahara Umbakar

بالفرض میرا گروہی یقین ہے کہ "الف" اچھا ہے۔ یہاں پر الف سے مراد کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ نظریہ، شخص، رسم، جماعت وغیرہ۔ مثال کے طور پر میرا یقین ہے کہ درخت لگانا اچھا کام ہے۔ اور میں ایک گروہ کا ممبر ہوں جس کا مشن درخت لگانا اور اس کی تبلیغ کرنا ہے۔ اب فرض کر لیجئے کہ مجھے کوئی بتا رہا ہے کہ درخت لگانے کے کئی نقصانات ہیں (یہاں پر ہم صرف فرض کر رہے ہیں)۔ میرا ردِ عمل کیا ہوگا؟

اور اگر بالفرض میں ان کو قبول کر لیتا ہوں تو گروہ میں میری کیا ساکھ رہ جائے گی؟

Farhat Yasmeen

مطلب۔۔۔ نا میں اچھائی اور برائی کی پرواہ کروں۔۔۔ نہ ہی اپنے گٹ فیلنگ کی۔۔۔ بس گروہ میں رہنے کے لئے سیاستدانوں کا سا طرز عمل اپناؤں۔۔۔
 ایسی ساکھ تو اندر سے ہمیں بے چین رکھے گی۔۔۔۔

Wahara Umbakar

"نا میں اچھائی اور برائی کی پرواہ کروں۔۔۔ نہ ہی اپنے گٹ فیلنگ کی۔۔۔ بس گروہ میں رہنے کے لئے سیاستدانوں کا سا طرز عمل اپناؤں۔۔۔"

اس سیریز میں موضوع یہ نہیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے بلکہ یہ کہ ہم کرتے کیا ہیں

Sardar Irfan Zulfiqar

یہ بالکل درست ہے کہ ہماری اخلاقی سوچ پر سائنسدان کا ذہن سائنسدان کے ذہن کی نسبت بہت زیادہ غالب ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ایسا آسانی سے کیا جاسکتا ہے اور اس آسانی کے باوجود ہمارے دماغ کو اپنے بنیادی مقصد (یعنی خوراک کی تلاش) کی تکمیل میں کوئی دشواری پیش نہیں آتی بلکہ ایسا کرنے سے دماغ کو فائدہ تو انائی کی بچت کی صورت میں ملتا ہے۔ کیا اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے؟

ریسرچ کے میدان میں جہاں سائنسدان کا ذہن غالب رکھنا پڑتا ہے وہاں بھی میرا مشاہدہ ہے کہ بہت پروفیشنل لوگ بھی شک کا فائدہ اپنی کمزوری کو دے دیتے ہیں۔ کیوں کہ سائنسدانوں پر بھی اس غلبے کی بات صادق آتی ہے۔ اس حوالے سے مستثنیات ہیں اور اچھے سائنسدان شک کا فائدہ شاید نہ لیتے ہوں لیکن بہت بار ایسا ہوتا ہے، بہت سے ایسے پیپرز ہمیں ملتے ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ سائنسدان ہو کر بھی اس غالب رویے سے بچنا مشکل ہے۔

Wahara Umbakar

جی۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ کوئی سائنسدان اتنا ہی منطقی (یا غیر منطقی) ہوتا ہے جتنا کہ کوئی بھی غیر سائنسدان۔

اور ایسا شاذ ہی ہوتا ہے کہ کوئی سائنسدان اپنی رائے بدل لے۔ جیسا کہ نسیم طالب نے کہا تھا، "ہم سائنس پر اعتبار کرتے ہیں، سائنسدانوں پر نہیں۔"



سماجی قطب نما

سوسال سے ماہرینِ نفسیات خود اعتمادی کی ضرورت پر لکھ رہے ہیں۔ خود آگاہی کے موضوع کے بڑے محقق مارک لیری کا خیال ہے کہ ارتقائی نفسیات میں خود اعتمادی کی گہری ضرورت کی کوئی تک نہیں بنتی۔ کروڑوں سال سے جانداروں کی بقا کا انحصار چھوٹے گروپس کا ممبر بننے پر ہے جن کا وہ حصہ رہیں اور ان پر اعتبار کر سکیں۔ تو پھر جو بات ضروری ہونے کی سمجھ آتی ہے، وہ یہ کہ دوسرے ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ ہم خود اپنے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ اس کا کیا کام؟ لیری کی تجویز ہے کہ خود اعتمادی دراصل ایک اندرونی قطب نما ہے۔ سماجی پیمائش کا آلہ (sociometer) جو اس کی مسلسل پیمائش کر رہا ہے کہ آپ کی قدر کیا ہے۔ جب اس کی پیمائش گرجاتی ہے اور الارم بج جاتا ہے اور ہمارا رویہ تبدیل ہوتا ہے۔

جب لیری اپنی سوشیومیٹر کی تھیوری پر کام کر رہے تھے تو ان کی ملاقات ایسے لوگوں سے ہوتی تھی جو اس بات کا انکار کرتے تھے کہ انہیں اس بات سے کوئی فرق پڑتا ہے کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ کیا ایسے لوگ واقعی میں موجود ہیں جو مکمل طور پر اپنے اندرونی قطب نما کی مدد سے دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں؟

لیری نے ایسے لوگوں پر ٹیسٹ کرنے کا فیصلہ کیا۔

پہلے انہوں نے طلباء کے بڑے گروپ سے اس بارے میں پوچھا کہ وہ کتنے خود اعتماد ہیں اور اس کا کتنا انحصار اس پر ہے کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔ پھر انہوں نے ان کا انتخاب کیا جن کا ایک کے بعد دوسرے سوال میں یہ کہنا تھا کہ انہیں اس بات کی ذرہ سی بھی پرواہ نہیں کہ دوسرے کیا رائے رکھتے ہیں۔ چند ہفتوں کے بعد ایسے طلباء کو لیبارٹری میں بلایا۔ ان کے ساتھ کچھ ایسے طلباء کو بھی جن کا کہنا تھا کہ انہیں اس بات کی بہت پرواہ ہے کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

ہر ایک کو اکیلے کمرے میں بیٹھنا تھا اور اپنے بارے میں پانچ منٹ مائیکروفون پر بات کرنا تھی۔ ہر ایک منٹ کے بعد انہیں ایک نمبر دیکھنے کو ملتا تھا۔ یہ نمبر بتاتا تھا کہ ساتھ والے کمرے میں سننے والا اجنبی اس کے بعد اگلے حصے میں ان کے ساتھ ملکر کرنے میں کتنی دلچسپی

رکھتا ہے۔ یہ ریٹنگ 1 سے 7 کے بیچ کا ایک نمبر تھا۔ (سات سب سے بہترین تھا)۔ اب آپ تصور کر سکتے ہیں کہ اس وقت کیسا لگے گا کہ آپ بول رہے ہیں اور یہ نمبر ہر منٹ کے بعد کم ہو رہا ہے۔ 5...4...3...2۔

اصل میں یہ اعداد لیسری خود ہی بنا رہے تھے۔ کچھ شرکاء کے لئے یہ کم ہو رہے تھے۔ کچھ کے لئے یہ بڑھ رہے تھے۔ 4...5...6...5...6 ظاہر ہے کہ نمبر کو اس طرح بڑھتے دیکھنا خوشگوار ہے۔ لیکن کیا ایک مکمل اجنبی کی طرف سے دیا گیا نمبر آپ کے اپنے بارے میں، اپنی خوبیوں کے بارے میں اور اپنی قدر پر یقین کے بارے میں تبدیلی لاسکتا ہے؟

وہ لوگ جو اس بات کو تسلیم کرتے تھے کہ انہیں دوسروں کی رائے کی بہت پرواہ ہے، ان پر ان اعداد کی وجہ سے ہونے والا اثر زیادہ تھا۔ گرتے نمبروں کے ساتھ ان کا خود پر اعتماد گرتا گیا۔ اور وہ جنہیں کسی دوسرے کی رائے کی کوئی پرواہ نہیں تھی؟ ان کے ساتھ بھی بالکل



ایسا ہی تھا۔ ان کی راہنمائی یقینی طور پر ان کا قطب نما کرتا ہو گا لیکن جس چیز کا انہیں علم نہیں تھا، وہ یہ کہ ان کا قطب نما لوگوں کی رائے پر چلتا تھا۔

ہمارا سوشیو میٹر غیر شعوری طور پر کام کرتا ہے اور سماجی ماحول کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ یہ ہمارے ذہنی ہاتھی کا حصہ ہے۔

یہ اعتراف کہ ہم اس بات کی پرواہ کرتے ہیں کہ لوگ کیا کہیں گے، ایک کمزوری لگتا ہے۔ اس وجہ سے اچھے سیاستدان کی طرح ہم اپنی کمزوری ماننے سے انکار کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمیں اس بات کی بہت پرواہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اور یہ بہت ہی اچھی بات ہے۔ ایسے معلوم لوگ لوگ جن کے پاس یہ سماجی قطب نما نہیں ہوتا، سائیکو پاتھ کہلاتے ہیں۔

سوالات و جوابات

Qazi G M

Is it from the righteous mind?

Wahara Umbakar

Yes

MehranKhan

سراسر بنیادی وجہ کیا ہے کہ ہم کیوں پروا کرتے ہیں کہ دوسرے ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ اندرونی قطب نما کیا ارتقائی طور پر ہماری بقا کے لئے ضروری تھا؟

دوسرے لفظوں میں کیا یہ ہماری ایک جلت ہے؟ اس متعلق مزید کچھ بتائیں

WaharaUmbakar

اگر گروپ کے ممبران اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ دوسرے ان کے بارے میں کیا خیال کرتے ہیں تو گروپ باقی نہیں رہے گا۔۔

MehranKhan

جین پیاجے کی کونسیو ڈویلپمنٹ تھیوری کے مطابق دوسری پری آپریشنل سٹیج میں ایک ٹرم ایگو سینٹرک آتی ہے جب بچہ لوگوں کی پروا نہیں کرتا کہ لوگ اس کے متعلق کیا سوچتے ہیں۔ تو پھر کیا یہ ہمارا لرننڈ بی ہور نہیں ہوگا؟

WaharaUmbakar

جب ہم کہتے ہیں کہ بچہ ایک خاص عمر میں جا کر کچھ کرتا ہے تو اس کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ یہ سیکھا ہوا behavior ہی ہو۔ یہ وہ نکتہ تھا جو بڑی دیر تک قبول نہیں کیا جاتا رہا تھا۔

جس طرح جسم میں عمر کے ساتھ خاص طریقے سے ڈویلپمنٹ ہوتی ہے، ویسے ہی ذہن میں بھی۔

ShoaibNazir

یہ بتائیے گا کہ۔۔

ہم میں سے اکثریت جب کسی محفل میں اجنبیوں سے ملاقات ہو تو اپنی دھاک بٹھانے کے لیے لمبی لمبی چھوڑتے ہیں۔۔

اپنی صلاحیتوں و واقعات کو جن میں ہم ہیرو ثابت ہوں بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں۔۔

اس رویے کی سائنسی توجیہ کیا ہوگی؟؟۔

خاص کر۔۔

کیا ارتقائی بائیولوجی سے اس کا کوئی تعلق ہے؟؟۔

اگر ہاں تو رہنمائی کی جے

Wahara Umbakar

انسانی گروہ hierarchy والے ہوتے ہیں۔ اس کی درجہ بندی میں اپنا مقام بنانے کے لئے کام کئے جاتے ہیں جن میں سے سب سے اہم اپنی reputation بنانا اور قائم رکھا ہے۔

ارتقائی بائیولوجی سے اس کا یا کسی بھی رویے کا تعلق نہیں۔

رویوں کے بارے میں جو شعبہ ہے، وہ ارتقائی نفسیات ہے۔ (اور اس سیریز میں اس کا ذکر کئی بار ہے)۔ تاہم، ارتقائی نفسیات باقاعدہ سائنس نہیں ہے۔

JEaPota

سر میں پہلے جن لوگوں کی اپنے بارے میں رائے کی پرواہ کرتا تھا۔ آج وہ جو مرضی کہتے پھریں مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ ہاں فرق پڑتا ہے تو اب کچھ اور لوگوں سے۔ یعنی لوگ بدل گئے ہیں تو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ میں یہ سفر کرتے کرتے ایک ایسے مقام پر پہنچ جاؤں جہاں مجھے اب کسی کی رائے کی بھی پرواہ نا ہو

مثال کے طور پر میں دنیا کا سب سے بڑا سائنسدان اور سب سے بڑا دولتمند حکمران بن جاؤں تو بھی؟

Wahara Umbakar

نامور شخصیات کو تو اپنی ساکھ کی زیادہ حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ اس مقام پر پہنچنے کی ایک بڑی وجہ ان کی اس چیز میں مہارت بھی ہے



ذہانت

کیا آپ نے کسی حکومتی ترجمان کی پریس کانفرنس دیکھی ہے جس میں وہ صحافیوں کے سوالات کا جواب دے رہا ہو؟ صحافی مشکل سوال اٹھاتے ہیں، حکومت کے اپنے پچھلے اقوال دکھاتے ہیں۔ پالیسی خواہ جتنی بھی کمزور ہو، اعتراض خواہ کتنا بھی جاندار ہو، ایسا تو ہو سکتا ہے کہ ترجمان جواب دینے میں کچھ وقت لگائے لیکن ایک فقرہ کبھی بھی نہیں سنا گیا ہوگا، ”آپ نے بہت زبردست نکتہ اٹھایا ہے۔ ہمیں پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔“

ترجمان ایسا اس لئے نہیں کہہ سکتا کیونکہ پالیسی بنانے یا اس میں ترمیم کا کوئی اختیار اس کے پاس ہے ہی نہیں۔ اسے بتایا جاتا ہے کہ پالیسی کیا ہے اور اب اس کا کام ہے کہ وہ ایسے شواہد اور دلائل اکٹھے کرے جس سے عوام کے آگے اس کا دفاع کیا جاسکے۔ ہمارے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ ذہنی ہاتھی کے فیصلوں کا دفاع کرنے کے لئے عقل کل وقتی حکومتی ترجمان ہے۔

اس کے لئے ہم ذہن کے دلچسپ گوشے میں چلتے ہیں اور یہ سوال رکھتے ہیں کہ کیا یہاں پر ذہانت مدد کر سکتی ہے؟

پیٹرن واسن نے 1960 میں ایک دلچسپ رپورٹ شائع کی۔ یہ 2-4-6 مسئلہ کہلاتا ہے۔ انہوں نے لوگوں کو یہ تین اعداد دکھائے اور کہا کہ یہ تین اعداد ایک اصول کے مطابق ہے جس کو انہوں نے بوجھنا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ شرکاء تین اعداد بتائیں۔ سوال پوچھنا والا ”ہاں“ ”یا“ ”نہیں“ میں جواب دے گا کہ آیا بتائے گئے اعداد بھی اسی اصول کی پیروی کرتے ہیں یا نہیں۔ جب اعتماد ہو جائے کہ انہیں اصول کا علم ہو گیا ہے تو بتادیں کہ انہوں نے اصول بوجھ لیا ہے۔

کسی نے یہ تین اعداد دیکھے اور جواب میں پوچھا کہ 4-6-8۔ تجربہ کرنے والے نے کہا کہ ”ہاں“۔

اور 120-122-124

تجربہ کرنے والے نے کہا کہ ہاں۔

زیادہ تر لوگوں کو یہ واضح نظر آ رہا تھا کہ یہ اصول مسلسل جفت اعداد کا ہے۔ لیکن تجربہ کرنے والے نے کہا کہ جواب غلط ہے۔ اصول یہ نہیں۔

کسی نے کچھ دوسرے اصول چیک کرنا شروع کیا۔
کیا 4-6-8۔ تجربہ کرنے والے نے کہا کہ ”ہاں“

اور 35-37-39

ہاں۔

اچھا۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نمبروں کی ایسی سیریز ہے جس میں ہر عدد میں دو کا اضافہ ہوتا ہے۔

لوگ اصول کے بارے میں نئے مفروضے بنانے میں مشکل محسوس نہیں کرتے تھے۔ کئی بار خاصے پیچیدہ اصول بھی بنا لیتے تھے لیکن جب اسے ٹیسٹ کرنے کی باری آتی تھی تو پھر صرف یہی ٹیسٹ کرتے تھے کہ آیا دئے گئے نمبر ان کے اصول کے مطابق ہیں یا نہیں۔
مثال کے طور پر 2-4-5 (ہاں) اور 2-4-3 (نہیں) کا جواب اصل اصول جاننے میں مدد کر دیتا کہ اصول صرف یہ ہے کہ اعداد بڑھ رہے ہیں۔

واسن نے اس چیز کو confirmation bias کہا۔ ہم عام طور پر شواہدات کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جو ہماری سوچ کی تصدیق کریں۔
لوگ اس کام میں بہت اچھے ہوتے ہیں کہ دوسروں کی سٹیٹمنٹ کو چیلنج کریں لیکن اگر یہ آپ کا اپنا یقین ہے تو پھر آپ کی اپنی چیز ہے۔
آپ اسے بچانا چاہتے ہیں۔ نہ کہ اس کو چیلنج کر کے اسے کھودینا چاہتے ہیں۔

کوہن نے اس پر تجربات میں دکھایا کہ ہم زندگی کی بقا کے لئے اہم فیصلے بھی ایسے ہی کرتے ہیں۔ ”یہ کچھ شواہد ہیں جو میری تھیوری کے حق میں ہیں، اس لئے میری تھیوری ٹھیک ہے۔“

ہم امید کرتے ہیں کہ اچھی تعلیم ایسی غلط سوچ کو ٹھیک کر دے گی۔ ہے نا؟ بد قسمتی سے ایسا نہیں۔ اس پر ڈیوڈ پرکنز نے تجربات کئے۔

سماجی ایشوز کے بارے میں پہلے انہوں نے شرکاء کی رائے لی اور پھر کہا کہ سوچ و بچار کے بعد اس معاملے پر مختلف وجوہات لکھیں جو آخری جواب تک پہنچنے میں مدد کرتی ہوں، خواہ وہ حق میں ہوں یا خلاف۔

ظاہر ہے کہ لوگوں نے زیادہ تر اپنے موقف کے حق میں دلائل لکھے۔ جبکہ زیادہ تعلیم یافتہ لوگوں نے اپنے حق میں زیادہ دلائل لکھے۔ زیادہ تعلیم یافتہ ہونا ایشو کی دونوں اطراف کو دیکھنے میں مدد نہیں کرتا تھا۔ ذہانت کی مدد سے آپ اپنے حق میں زیادہ وجوہات اکٹھی کر سکتے ہیں۔

پرکزنے دریافت کیا کہ کسی کا آئی کیو اس بات کی پیشگوئی کرتا ہے کہ وہ کتنی وجوہات تلاش کرے گا۔ لیکن یہ پیشگوئی صرف اپنے حق کی وجوہات کی تھی۔ ذہین لوگ اچھے وکیل اور ترجمان ضرور بن جاتے ہیں لیکن دوسری طرف کی رائے دیکھنے میں ذہانت کوئی مدد نہیں کرتی۔

خود کو چیلنج کرنے کی اہلیت کم پائی جاتی ہے اور یہ اہلیت ذہانت سے الگ ہے۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

کسی کے آئی کیو لیول کی پیمائش کیسے کی جاتی ہے؟ اور کیا ذہانت جینیاتی ہے؟

Wahara Umbakar

خام ذہانت جینیاتی ہے۔

آئی کیو لیول کو مختلف ٹیسٹ سے جانچا جاتا ہے۔

ItzRayan

خام ذہانت جینیاتی ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھا دیں؟

Wahara Umbakar

پیدائش کے وقت ہم ایک جیسی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہ بات تمام والدین جانتے ہیں کہ ان کے دو بچے ابتدا سے ہی ایک دوسرے سے

کس قدر مختلف ہوتے ہیں۔

الگ مزاج، الگ رویے، الگ عادات، الگ سوچ، الگ جسمانی اور ذہنی صلاحیتیں۔۔۔ بالکل ایک ہی جیسی تربیت اور ماحول کے باوجود دو بھائی پڑھائی اور کھیلوں میں ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔
ہر فرد اپنی الگ uniqueness رکھتا ہے۔ ذہانت بھی ان میں سے ہے۔

Danish Raees

بہت خوب سر

اُن کی بول ذہانت سے ہٹ کر کام کرتا ہے جس سے دوسری طرف کی رائے رکھنے میں آسانی ہوتی ہے۔۔۔ لیکن کیا زیادہ تعلیم یافتہ شخص میں یہ دونوں چیزیں عام نہیں ہوتیں؟

Wahara Umbakar

ہو سکتی ہیں لیکن لازم نہیں۔

کیا آپ نے ایک سیاسی مباحثہ دیکھا ہے جس میں دو مخالف پارٹیوں کے انتہائی ذہین اور تعلیم یافتہ لوگ ایک دوسرے سے بحث کر رہے ہوں؟

کیا آپ نے انہیں دوسرے کی دلیل سے قائل ہوتے دیکھا ہے؟

Ashir Maqbool

غیر جانبداری کے بارے لکھا تو بہت گیا ہے کسی نے کہا کہ تعلیم سے ممکن ہے تو کسی نے کہا کہ انسان کی کم کر سکتے ہیں لیکن مکمل ختم نہیں اور یہاں تک پڑھ کے بھی یہی سمجھ آتا ہے ہم اپنی اس قابلیت کو کیسے جانچ سکتے ہیں اور اس کو بڑھا کیسے سکتے ہیں؟

Wahara Umbakar

اسی پر ابھی کیا گیا ایک کمٹ۔

"اس پر افلاطون کی رائے یہ ہے کہ اگر آپ اپنے نظریاتی مخالف کی پوزیشن کا اچھا دفاع نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کی پوزیشن کو سمجھا ہی نہیں ہے۔"

ShoaibNazir

ذہین لوگ اچھے وکیل و ترجمان ہوتے ہیں۔۔

اس کا مشاہدہ میں نے کچھ مذہبی اسکالرز میں کیا جو سائنسی دریافتوں میں کنفرمیشن بائیس کا شکار ہو کر اپنے مذہب کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔ ظاہر ہے دوسری سائیڈ بھی ایسا ہوتا ہے۔

WaharaUmbakar

اس کا سب سے اچھا مظاہرہ اچھے نظریاتی مباحث میں نظر آتا ہے۔ اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔ اسی سے اجتماعی دانش ابھرتی ہے۔

ShoaibNazir

میں تو مباحث سے بہت سیکھتا ہوں۔۔

چھانٹی شدہ علم مفت میں مل جاتا

ShoaibNazir

خود کو چیلنج کرنے والے لوگوں پہ مزید تفصیل سے لکھیے۔۔

گوکہ میں ذہین نہیں مگر شاید یہ خاصیت کسی حد تک ہے۔

WaharaUmbakar

اس پر افلاطون کی رائے یہ ہے کہ اگر آپ اپنے نظریاتی مخالف کی پوزیشن کا اچھا دفاع نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اس کی پوزیشن کو سمجھا ہی نہیں ہے۔

MuhammadHamzaMasood

سر! کیا اپنے نظریات کی جانچ پرکھ کا یہ درست طریقہ ہو سکتا ہے کہ بیک وقت اپنے اور مخالفین کے نظریات کو دیکھا جائے۔ دراصل سیاست میں دلچسپی کے ابتدائی ایام میں یہ طریقہ معلوم ہوا تھا کہ ذرائع معلومات میں پسندیدہ اور ناپسندیدہ دونوں طرح کی سیاسی جماعتوں یا کسی بھی طرح کے گروہوں کو شامل کیا جائے۔ یوں ہر کسی کی خوبی و خامی کا ادراک کرنا آسان ہو جاتا ہے اور زیادہ توقعات نہیں وابستہ ہوتیں۔ کیا عین یہی طریقہ اخلاقی نفسیات پر بھی لاگو ہو سکتا ہے؟

Wahara Umbakar

بالکل ہو سکتا ہے۔ تاہم، عام طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے نظریاتی مخالف کی بات میں سے کمزوریاں ڈھونڈنے پر فوکس رکھتے ہیں، نہ کہ توجہ اس کا نکتہ نظر سمجھنے پر ہوتی ہے۔۔۔۔

Farhat Yasmeen

جناب! دوسری طرف کی رائے دیکھنے میں کیا چیز ہماری مدد کرتی ہے؟؟ خود کے چیلنج کرنے کی اہلیت کو کیا کہتے ہیں؟؟

Wahara Umbakar

کسی ایسے شخص کو ذہن میں لائیں جو بالکل پسند نہیں (سیاسی یا مذہبی راہنما، خاندان کا کوئی شخص وغیرہ)۔ کیا اس کی نظر سے دنیا کو دیکھ سکتے ہیں جس میں وہ بالکل درست ہو؟
یہ ذہنی مشق ہے۔ اس کی پریکٹس کرنے سے یہ صلاحیت حاصل کی جاسکتی ہے۔



جواز

”ہم جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ دہی کرتے ہیں اور اس سب کے اس قدر اچھے جواز بنا لیتے ہیں کہ ہم دیانتداری سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم دیانتدار ہیں۔“

برطانیہ میں ممبرانِ پارلیمنٹ کو اجازت تھی کہ وہ اپنے دوسرے گھر کی مرمت اور دیکھ بھال کا مناسب حد تک خرچہ حکومت سے لے سکتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ پارلیمنٹ کا ممبر ہونے کی وجہ سے انہیں لندن میں بھی رہائش رکھنا پڑتی تھی۔ چونکہ اس خرچ کی درخواست ہمیشہ منظور ہو جایا کرتی تھی اور یہ پبلک نہیں تھا، اس لئے ممبرانِ پارلیمنٹ اس کو بلینک چیک کے طور پر دیکھتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک اخبار نے ایسے اخراجات کی ایک کاپی 2009 میں لیک کر دی۔

اور ممبرانِ پارلیمنٹ نے جو کیا تھا، وہ کمال تھا۔ اس سہولت کے تحت بڑی تعمیر نو کروالی۔ اور پھر کسی اور گھر کو اپنا دوسرا گھر ڈیکلر کر دیا اور پھر اس کی بھی بڑی تعمیر نو کروالی۔ کئی بار اس کے بعد بھاری منافع پر گھر بیچ دیا۔

ہر ملک میں کامیڈی شو ہمیشہ ایسے مواد سے بھرے ہوتے ہیں جہاں ہم طاقت کے مراکز کے نہ ختم ہونے والے سکینڈل پر بنائے مذاق پر ہنستے ہیں۔ لیکن کیا ہم خود اپنے لیڈروں سے بہتر ہیں؟ کیا ہمیں اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھنا چاہیے؟

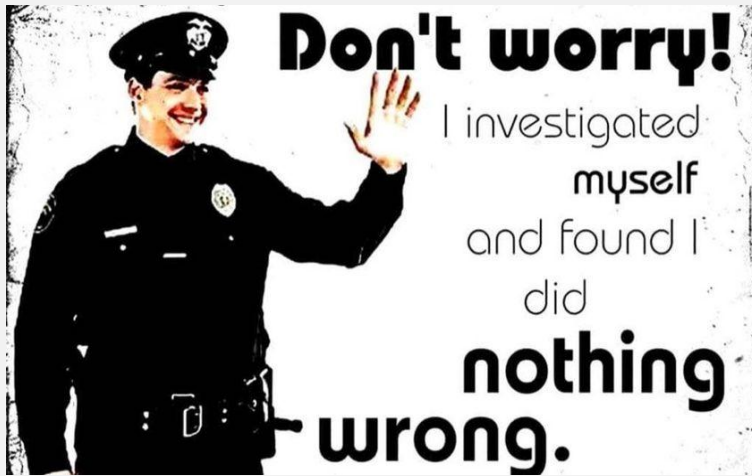
کئی ماہرینِ نفسیات plausible deniability کے ایفیکٹ کو سٹڈی کر چکے ہیں۔ کیششیر نے لوگوں کو ادا کی جانے والی رقم میں ہندسہ غلط پڑھ لیا اور زیادہ پیسے دے دئے۔ صرف 20 فیصد ایسے تھے جنہوں نے غلطی ٹھیک کروائی۔

لیکن یہ اس وقت بدل گیا جب کیششیر نے پوچھا کہ کیا ادا کی گئی رقم درست ہے۔ اب 60 فیصد نے کہا کہ ”نہیں“ اور اضافی پیسے واپس کر دئے۔

براہِ راست پوچھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو پیسے اپنے پاس رکھنے کے لئے براہِ راست جھوٹ بولنا ہوتا۔ اور اس وجہ سے تین گنا لوگ

دیانتدار ہو گئے۔

کون پیسے واپس کر دے گا؟ آپ اس کی پیشگوئی اس بنا پر نہیں کر سکتے کہ لوگ خود کو کتنا دیانتدار کہتے ہیں۔ یا پھر کسی امتحان میں اخلاقی منہصے کا کتنا خوبصورت جواب دیتے ہیں۔ چونکہ ہمارے اخلاقی رویے کا کنٹرول اخلاقی ریزنگ کے پاس نہیں، اس لئے ایسا نہیں۔



ڈان ایریلی نے اپنے تجربات کئے جس میں شرکاء کو دے جانے والے پیسے اس پر تھے کہ وہ کتنے سوال درست کرتے ہیں اور چیکنگ انہوں نے خود ہی کرنی تھی۔ ایریلی کا اخذ کردہ نتیجہ تھا۔

”جب موقع ملے تو بہت سے دیانتدار لوگ چیکنگ کرتے

ہیں۔ زیادہ تر لوگ ایسا کرتے ہیں، لیکن ایسے کہ چیکنگ سے ہونے والا فائدہ بہت زیادہ نہ ہو۔“

ایسا نہیں کہ لوگ اندھا دھند ایسا کرتے ہیں بلکہ صرف اتنی چیکنگ کرتے ہیں جس کا وہ خود کو جواز دے سکیں اور اس بات پر یقین قائم رکھ سکیں کہ وہ دیانتدار ہیں۔

اپنی ساکھ کو خود اپنی نظروں میں برقرار رکھنا ہمارے لئے اہم ہے کیونکہ اپنی نظروں میں ہم نیک ہیں۔ ہم دیانتداری سے یہ یقین رکھتے ہیں کہ ہم خود دیانتدار ہیں۔

سوالات و جوابات

Danish Raees

سر کیا ہمیشہ جواز ڈھونڈا جاتا ہے۔۔۔۔۔ چاہے ہم دیانتداری اور غیر دیانتداری میں فرق کرتے ہوں

Wahara Umbakar

ہم جو بھی کرتے ہیں، اس کا جواز تو بناتے ہی ہیں۔ یہ نہیں کروں گا تو بچوں کو کیسے کھلاؤں گا۔ جس کمپنی کا مال خورد برد کر رہا ہوں، یہ بھی تو

ٹیکس چوری کرتی ہے۔ جس کو قتل کیا ہے، یہ بندہ ہی ٹھیک نہیں تھا۔ بڑی بھلائی کے لئے چھوٹی برائی کی جاسکتی ہے۔
جب حکمران کرپٹ ہیں تو اگر میں نے ٹریفک کے قانون کی خلاف ورزی کر لی تو کیا قیامت آگئی۔

اپنی نظر میں ہم درست ہوتے ہیں۔ اور اگر اپنی نظر میں درست نہیں تو رویہ تبدیل کرنا پڑے گا جو مشکل کام ہے

Farhat Yasmeen

جناب! ایمانداری سے ایماندار ہونے کا وصف انسانوں سے زیادہ جانوروں میں کیوں پایا جاتا ہے؟؟؟

Wahara Umbakar

ہمارے علم کے مطابق اخلاقیات صرف انسان سے خاص ہے۔ یعنی کہ میں کوئی فیصلہ صرف اس لئے لے سکتا ہوں کہ یہ اخلاقی لحاظ سے درست ہے، خواہ اس سے مجھے باقی ہر قسم کا نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

ItzRayan

اگر کوئی انسان جواز نہ تلاش کر سکے اور accept کر لے کہ اس نے یہاں پر بے ایمانی کی ہے اور اسے اس سے کوئی فرق بھی نہ پڑے۔
کیا ایسا بھی ممکن ہے؟

Wahara Umbakar

اگر میں خود کو اپنی حرکت کا جواز نہیں دے سکتا (خواہ کتنا ہی کمزور کیوں نہ ہو) تو پھر مجھے اپنا رویہ تبدیل کرنا پڑے گا۔
اس کو ضمیر کی ملامت کہا جاتا ہے۔

Rizwan Ahmad

اپنی ساکھ اپنی نظر میں قائم رکھنا کیوں اہم ہے سر۔ اس کی کیا بیا لوجیکل یا معاشرتی کیا وجہ ہے۔ کون سی چیز ہمیں ایسا کرنے سے باز رکھتی ہے، جس کا ہمارے پاس جواز نہ ہو۔

Wahara Umbakar

اخلاقیات۔ ہمارے ہر "ارادی عمل" کی بنیاد اسی پر ہے۔

جانبداری

”عقل اور گوگل کی مدد سے آپ جس بھی نتیجے پر پہنچنا چاہیں، پہنچ سکتے ہیں“۔

عظیم سازشی نظریات، خلائی مخلوق کی اڑن طشتریوں، شعبہ بازوں سے علاج یادگیر عجیب چیزوں پر یقین رکھنے والوں کی تعداد کم نہیں۔ جب کچھ ایسا ہے جس کو میں ماننا چاہتا ہوں تو میرا سوال یہ ہوتا ہے کہ ”کیا میں اسے مان سکتا ہوں؟“ اور میری تلاش اس کے حق میں کوئی ایویڈنس ڈھونڈ لینے میں ہوگی۔ جب بھی کچھ مل گیا تو میری تلاش ختم ہوگئی۔ میرے پاس جواز ہے۔ جبکہ اگر کچھ ایسا ہے جس کو میں نہیں ماننا چاہتا تو میرا سوال یہ ہے کہ ”کیا مجھے اس کو ماننا پڑے گا؟“۔ کوئی ایک وجہ بھی جو شک کی بنیاد بن سکے، کافی ہوگی۔ صرف ایک ہی چابی سے میں مان لینے کی ہتھکڑی سے آزاد ہو سکتا ہوں۔

اور ان دو سوالات کے جواب کی تلاش اس قدر مختلف طرز کی ہے کہ یہ بصری دھوکہ بھی پیدا کر سکتی ہے۔ آپ وہ ”دیکھ“ لیتے ہیں جو دیکھنا چاہتے ہیں۔

ہم اس وقت تک اپنا کوئی بھی یقین تبدیل نہیں کرتے جب تک ایسا کرنے کا کوئی بھی جواز ختم ہو جائے (اور کئی بار اس کے بعد تک بھی)۔ حتیٰ کہ ایسا سائنس میں بھی ہوتا ہے۔ سائنسدان اپنے نظریات کے مخالف تحقیق میں سقم نکالنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ کئی بار شواہد کا ڈھیر اتنا زیادہ ہو جاتا ہے کہ ذہن تبدیل کرنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ کسی ناقص تھیوری سے چپکے رہنے سے آپ اپنی کمیونیٹی میں بے وقوف لگیں گے۔ لیکن اگر غیر سائنسدان ہیں تو ایسا کوئی بار بھی نہیں۔ طریقوں پر سوال اٹھانا، ڈیٹا کی متبادل وضاحت دینا یا (اگر سب ناکام ہو جائے) تو محقق کی دیانتداری پر شک کرنا ہمیشہ کام آتا ہے۔

اور اب جب ہم سب اپنے فون پر ہی گوگل تک رسائی رکھتے ہیں تو کسی بھی نتیجے پر پہنچنے میں کوئی رکاوٹ ہی نہیں۔ گلوبل وارمنگ کی

وجوہات ہوں، ویکسین کی مخالفت یا کچھ بھی اور۔ اپنے کسی بھی یقین کے حق میں شواہد ڈھونڈنے کے لئے سرچ کریں۔ آپ کو مایوسی نہیں ہوگی۔ گوگل آپ کی راہنمائی اس سمت میں کر دے گا جس کا آپ کو پہلے ہی پتا ہے۔

ہم سب اس بات سے واقف تو ہیں ہی، لیکن جو سوال اہم ہے جسے سمجھنا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ ہم کو کسی بات پر یقین کرنا چاہتے ہیں؟ اور اس کا جواب سادہ ہے۔

”ان پر جو ہماری ٹیم کو سپورٹ کرے“۔

کئی پولیٹیکل سائنسٹس یہ خیال رکھتے تھے کہ ہم ووٹ خود غرضی کی بنیاد پر دیتے ہیں۔ اس امیدوار یا پالیسی کا انتخاب کرتے ہیں جو انہیں سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔ لیکن دہائیوں کی تحقیق یہ بتاتی ہے کہ خود غرضی اس میں ایک کمزور predictor ہے۔ اس کے بجائے لوگ گروہوں کی پرواہ کرتے ہیں، خواہ وہ قومیت کے ہوں، مذہبی یا سیاسی۔ ڈون کنڈر اس تحقیقات کا خلاصہ ایسے کرتے ہیں۔

رائے عامہ کے بارے میں شہری خود سے یہ سوال نہیں کرتے کہ ”اس میں میرے لئے کیا ہے“ بلکہ یہ کہ ”اس میں میرے گروپ کے لئے کیا ہے“۔

سیاسی رائے سماجی ممبر شپ کے تمنغے کا کام کرتی ہے۔ سماجی کا زکا گروپ ہو، یونیورسٹی یا کھیلوں کی ٹیم جس کی سپورٹ کرتے ہیں۔ ہم سیاسی اعتبار سے ”خود غرض“ نہیں بلکہ ”گروہ غرض“ ہیں۔

اگر ایک ہی معلومات لوگوں کو دی جائے جن کی سیاسی وابستگی مختلف ہے، تو اس کو دیکھنے کا انداز مختلف ہوگا۔ اہم سیاسی ایشوز پر دلائل، سیاسی بحث یا اہم سیاسی شخصیت کی تقریر کے بعد لبرل اور کنزرویٹیو کے آپس کے فرق عام طور پر بڑھ جاتے ہیں، اگرچہ ملنے والی معلومات ایک ہی ہے۔

اس پر دلچسپ ٹیسٹ ڈریو ویسٹن نے کیا۔ امریکہ میں 2004 کے صدارتی انتخابات کی گرما گرمی میں انہوں نے پندرہ ری پبلکن اور پندرہ ڈیموکریٹ سپورٹرز کو لیا۔ انہیں کچھ انفارمیشن دی گئی اور اس دوران ان کے دماغ کا fMRI سکین کیا جا رہا تھا۔

جارج بش نے 2000 میں ایک بیان دیا تھا جس میں کین لے کی بہت تعریف کی تھی۔ (کین لے ایزون کے چیف ایگزیکٹو تھے جسے بعد میں بہت بڑے فراڈ میں پکڑا گیا تھا)۔

”اگر میں صدر بنا تو میرا ارادہ ہے کہ حکومت ویسے چلائی جائے جیسے کوئی چیف ایگزیکٹو اپنا ادارہ چلاتا ہے۔ کین لے اور ایزون وہ ماڈل ہے جس طرح میں یہ کرنا چاہوں گا“۔

اس کے بعد آنے والی انفارمیشن میں۔

”بش اب کین لے کا نام لینے سے گھبراتے ہیں“۔

اس مقام پر بش کے حامی بل کھارے تھے۔ لیکن اسی وقت ویسٹن نے نئی سلائیڈ دکھائی۔

”جو لوگ صدر سے واقف ہیں، یہ بتاتے ہیں کہ انہیں کین لے کی حرکات سے بڑا صدمہ پہنچا تھا۔ انہیں لگا تھا کہ جیسے انہیں دھوکہ دیا گیا ہو۔ وہ ایزون اور کین لے کی بھاری کرپشن کو شدید ناپسند کرتے ہیں اور اس کے سخت ناقد ہیں“۔

ایسی ہی سلائیڈز بش کے مخالف امیدوار کیری کے بارے میں بھی تھیں۔ اس میں ایسی صورت حال بنائی گئی تھی جس میں کچھ دیر کے لئے ان کی بظاہر منافقت کے بارے میں بتایا گیا۔ اس ”منافقت“ کے بارے وقت حامی اس انفارمیشن سے خطرہ محسوس کرتے تھے اور مخالف اس سے راحت محسوس کرتے تھے۔

ویسٹن یہاں پر ذہن کے دو ماڈلز کا موازنہ کر رہے تھے۔ کیا ایسا ہوتا ہے کہ دماغ کا عقلی حصہ انفارمیشن کو ایک ہی طرح پر اسس کرتا ہے لیکن جذباتی حصے سے زیادہ مضبوط ردِ عمل آتا ہے؟ یا پھر ایسا ہے کہ جذبات اور وجدان اصل تماشا چلا رہے ہیں اور عقلی حصہ صرف بعد میں ان کی وضاحت کیلئے آتا ہے؟

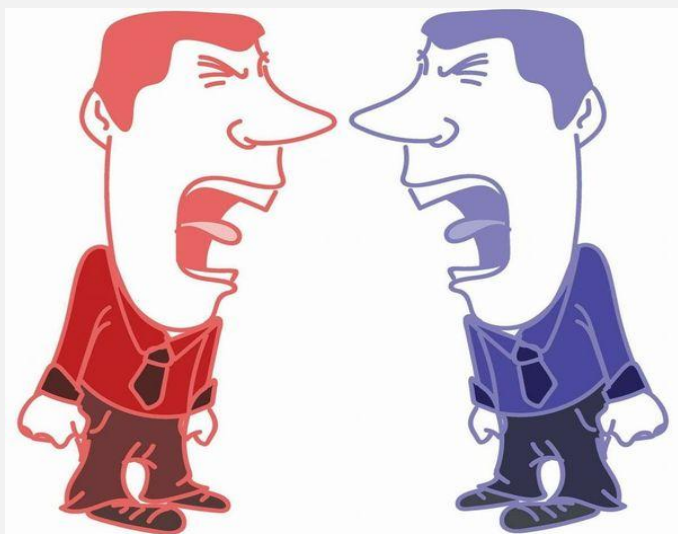
حاصل کردہ ڈیٹا بڑے واضح طور پر دوسرے ماڈل کی حمایت میں ہے۔ اپنے امیدوار کی منافقت والی انفارمیشن جذبات سے متعلق نیٹورک کو متحرک کر دیتی ہے۔ اور یہ ہونے والی تکلیف ہے۔ ”کیا مجھے یہ ماننا پڑے گا؟“ کے سوال کی ہتھکڑیاں تکلیف دیتی ہیں۔ اور یہ محاورے کی نہیں، اصل تکلیف ہے۔

جبکہ دماغ کے وہ حصے جن کا تعلق عقلی پر اسسنگ سے ہے (diPFC)، ان میں کوئی اضافی پر اسسنگ نہیں تھی۔

جب ویسٹن نے نئی انفارمیشن میں اس خطرے سے آزاد کر دیا تو پھر وینٹرل سٹریٹم کا حصہ گنگنانے لگا۔ یہ دماغ کی لذت کا مرکز ہے۔ (منشیات بھی اس حصے کو متحرک کرتی ہیں اسی لئے ان کی عادت ہو جاتی ہے)۔

ویسٹن نے معلوم کیا کہ جانبدار لوگوں کے لئے ان ہتھکڑیوں سے فرار باعث لذت تھا۔

اور اگر یہ ایسا ہے تو یہ اس کی وضاحت کر دیتا ہے کہ سخت جانبدار لوگ آخر اس قدر ضدی، بند ذہن کے اور اپنے نظریات سے جنون کی حد تک وفادار کیوں ہوتے ہیں۔



تجربات میں، ایک چوہا جسے ایک بٹن دبانے پر ذہن کے انعامی مرکز میں برقی سگنل ملے، اس بٹن کو مسلسل دباتا رہے گا۔ خواہ وہ بھوک سے مر ہی کیوں نہ جائے۔ جس طرح یہ چوہا بٹن دبانے سے باز نہیں رہ پاتا، ویسے ہی جانبداروں کے لئے یہ ممکن نہیں رہتا کہ وہ عجیب چیزوں پر یقین رکھنا بند کر دیں۔

اپنے نظریات سے سخت وفاداری اصلاً ہیروئن کے نشے کی طرح ہے۔



عقل کا سراب (Rationalist Delusion)

”ایک غلط تصور اور کسی یقین پر مصر رہنا۔ عقل و منطق اس میں دراڑ نہ ڈال سکے۔ جبکہ اس کا حقیقت میں وجود نہ ہو۔“ یہ تعریف دیکسٹر دلشتری میں لفظ delusion کی گئی ہے۔

عقلیت پسندی ایک ایسا ہی سراب ہے۔ ریشنلزم کا مرکزی خیال یہ ہے کہ reasoning ہماری سب سے برتر خاصیت ہے۔ افلاطون کے مطابق ”یہ ہمیں خدا کے قریب لے جاتی ہے“ یا پھر الحادِ نو کے عقیدے میں ”یہ ہمیں خدا کے سراب سے آزاد کر دیتی ہے۔“

عقلیت پسندی کا سراب صرف انسانی فطرت کے بارے میں دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کا دعویٰ یہ بھی ہے کہ عقل پسندوں کے گروہوں (سائنسدان یا فلسفیوں) کے پاس زیادہ طاقت ہونی چاہیے۔ اور عام طور پر ساتھ ایک utopian ideal بھی ہے کہ اگلی نسلیں زیادہ عقل پسند ہو کر دنیا میں جنتِ ارضی بنادیں گی۔ (افلاطون کے ”فلسفی بادشاہ“ سے لے کر آج کے سائنسزم تک ہمیں یہ سراب عام ملتا ہے)۔ افلاطون سے کانٹ اور کوہلبرگ تک، کئی ریشنلسٹ یہ دعویٰ کر چکے ہیں کہ اخلاقیات کے بارے میں عقلی دلائل ہماری اخلاقیات بہتر کر سکتے ہیں۔ اس تصور میں ریزنگ کی صلاحیت اخلاقی سچ تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ اور جو لوگ اس صلاحیت میں مہارت رکھتے ہیں، زیادہ امکان ہے کہ ان کی اخلاقیات برتر ہوں گی۔

اور اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر ماہرین اخلاقیات کو دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اخلاقیات کے معاملے میں زیادہ با اصول ہونا چاہیے تھا، کیونکہ ان کے شب و روز اخلاقی اصولوں کے بارے میں ریزن کرتے گزرتے ہیں۔ تو ہم آسان سا سوال کر لیتے ہیں کہ ”کیا واقعی میں ایسا ہے؟“

ایرک شوٹز گیبیل نے اس سوال کا جواب تلاش کرنے پر تحقیق کی۔ کئی طریقوں سے انہوں نے پیمائش کی کہ ماہرین اخلاقیات خیرات کرنے، ووٹ دینے، اپنے والدین سے تعلق رکھے، خون کا عطیہ دینے، اخلاقیات کی کانفرنس کے بعد اس جگہ کی صفائی کرنے یا ای میل کے جواب دینے میں کیسے ہیں۔ اور ان میں سے کسی بھی معاملے میں ماہرین اخلاقیات کسی دوسرے شعبے کے پروفیسروں سے بہتر نہیں تھے۔

شوٹز گیبیل نے درجنوں لائبریریوں کا جائزہ لیا۔ یہاں پر گمشدہ کتابوں کی فہرستیں لگتھالیں اور دریافت کیا کہ اخلاقیات کے موضوع پر واپس نہ کی جانے والی اکیڑک کتابوں کا تناسب اتنا ہی ہے جتنا کسی اور موضوع پر۔ یعنی اخلاقی ریزنگ کا تعلق اخلاقی رویے سے نہیں تھا۔ بلکہ یہ تعلق کسی حد تک معکوس تھا (شاید یہ ذہن کے مہاوت کو اپنے عمل کے دفاع میں زیادہ ماہر بنا دیتا ہے)۔ کوئی ایک پیمائش بھی ایسی نہیں نکلی جس میں ماہرین اخلاقیات بذاتِ خود اخلاقی معاملات میں دوسروں سے بہتر ہوں۔

اخلاقیات کا پرچار اور تبلیغ کرنے والے پروفیسر، مبلغ، فلسفی یا عالم اخلاقی لحاظ سے کسی بھی طرح دوسروں سے برتر نہیں۔

جس کسی کو سچ کی تلاش ہے، اسے عقل کی پرستش چھوڑ دینی چاہیے۔ ہیوگو مرسیئر اور ڈان سپربر نے وسیع لٹریچر کے تجزیے کے بعد (عجیب اور ناگوار) نتیجہ اخذ کیا کہ عقل کی مہارت سچ تلاش کرنے میں نہیں بلکہ دلیل دینے، قائل کرنے، گروہ بنانے اور بحث کرنے میں ہے۔ بحث کے ماہر سچ کے لئے نہیں بلکہ اپنے نکتہ نظر کی حمایت کے لئے آرگومنٹ بناتے ہیں۔ اور زیادہ ذہین لوگ یہ کام زیادہ اچھا کر لیتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ہم اخلاقی معاملات میں اس قدر ضدی اور اڑیل کیوں ہوتے ہیں۔

کیا طلباء کو یہ بات سکھائی جاسکتی ہے کہ ”دوسری سائیڈ“ کی نظر سے دنیا کو کیسے دیکھا جائے؟ اس نکتہ نظر سے جو انہیں پسند نہیں؟ یہ بہت مشکل کام ہے کیونکہ کنفرمیشن بایس ذہن کا فچر ہے نہ کہ اس کی خامی جسے ٹھیک کیا جاسکے۔

نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں عقل کو ترک کر دینا چاہیے اور اپنے بدیہی جذبات کے فیصلوں پر پختہ ہو جانا چاہیے۔ کئی بار بدیہی احساس اچھی راہنمائی کرتے ہیں لیکن یہ پبلک پالیسی، سائنس یا قانون بنانے کے لئے تباہ کن ہیں۔

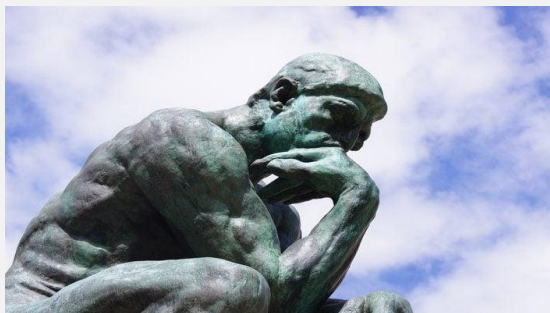
بنیادی نکتہ یہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہ ہمیں ایک ”فرد“ کی ریزن کرنے کی صلاحیت پر اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔ ایک فرد سماج میں ویسے ہے جیسے دماغ میں ایک ”نیورون“۔ ایک نیورون کسی ایک چیز میں بہت اچھا ہے۔ یہ ”فیصلہ“ لینے میں کہ ایک نبض فار کی جائے یا نہیں۔ لیکن ایک نیورون خود بہت عقلمند نہیں۔ تاہم، اگر نیورونز کو ٹھیک ترتیب میں رکھا جائے تو پھر دماغ بنتا ہے جس سے ذہن ابھرتا ہے جو کہ کسی ایک نیورون سے کہیں زیادہ چکدار اور عقلمند ہے۔

اسی طرح، ایک فرد کی عقل ایک کام میں بہت اچھی ہے۔ اپنی طے شدہ پوزیشن کے بارے میں شواہد اکٹھے کرنے میں۔ ہمیں یہ توقع نہیں

رکھنی چاہیے کہ افراد اچھی، کھلے ذہن اور سچ کی تلاش میں ریزن دینے کی اہلیت رکھیں گے۔ لیکن اگر افراد کا نظم ٹھیک طریقے سے رکھا جائے تو پھر ان سب کی ریزن کی طاقت ایک دوسرے کی غلطیوں کی اصلاح کرتی رہے گی۔

اس میں اہم چیز یہ ہے کہ افراد ایک دوسرے سے مشترک بندھن بناسکیں، جو انہیں ایک دوسرے سے مناسب طریقے سے معاملہ کرنے کی اجازت دے۔ اور کسی بھی اچھے سماجی نظام کے لئے یہ مشترک بندھن انتہائی ضروری ہیں۔

کوئی گروہ یا ادارہ جو کسی سچ تک پہنچنا چاہے (مثلاً، سائنسدانوں کی کمیونٹی یا انٹلی جنس ادارہ) یا اچھی پالیسی بنانا چاہے (مثلاً قانون ساز اسمبلی یا مشاورتی بورڈ)، اس میں موجودا نٹلکچوئل اور نظریاتی تنوع ہونا لازم ہے۔



اور اگر مقصد محض اچھی سوچ تک محدود نہیں بلکہ اچھے رویے کا بھی ہے تو پھر اس بات کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے کہ کبھی بھی اخلاقیات پر کوئی ایسے لیکچر یا کلاس ایجاد نہیں ہو سکے گی جس سے باہر نکل کر لوگوں کی اخلاقی حالت سدھر جائے۔

ایسی کلاس مہاوت کے لئے ہے اور مہاوت کسی بھی نئے حاصل کردہ نالج کی مدد سے اپنے ہاتھیوں کی بہتر خدمت کریں گے۔ اپنے تعصبات کے بہتر جواز بنائیں گے۔

عملی اخلاقیات کے لئے ذہنی ہاتھی تک پہنچنے کی ضرورت ہے۔ ماحول میں کی جانے والی چھوٹی تبدیلیاں جو اس کا راستہ بدل سکیں۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

زیادہ تر ٹائم ہمارا دماغ آٹو پائلٹ پر چلتا ہے اگر ہم اپنے ہر کام کی منطق تلاش کرنے بیٹھیں گے تو ہم فنکشن ہی نہیں کر پائیں گے۔ بہت سے نیوروسائنٹسٹ کہتے ہیں کہ ہمارا دماغ ہمیں سٹوری سناتا رہتا ہے اور ہمارا دماغ باہری دنیا سے صرف وہی معلومات قبول کرتا ہے جو ہماری سٹوری میں فٹ بیٹھے کیا یہ درست ہے؟

Wahara Umbakar

کافی حد تک یہ بات درست ہے۔ مکمل طور پر نہیں۔

ہماری سٹوری بنتی کیسے ہے؟ اور یہ تبدیل کیسے ہوتی رہتی ہے۔ نیوروسائنسٹس کی بنائی ہوئی یہ سٹوری اس بات کی وضاحت نہیں کر پاتی۔

Sardar Irfan Zulfiqar

ہیوگو مرسیئر اور ڈان سپربر کے اخذ کردہ نتیجے کا یہی مطلب لیا جائے کہ انفرادی عقل بجائے سچائی کے قریب لانے کے اپنے تعصبات کی توجیہ پیش کرے گی اور یوں ہم سچ سے دور ہوتے جائیں گے یا ان کا اشارہ سائنس کے دائرہ کار سے باہر موجود سچ یا مطلق سچائیوں کے متعلق ہے کہ ان تک عقل بیشک اجتماعی بھی ہو ہمیں سچ سے دور لے جائے گی؟ اگر عقل کو سچائیوں کی تلاش سے دستبردار ہونا پڑ جائے تو ہمارے پاس اس مقصد کے حصول کے لیے کون سے اوزار رہ جائیں گے؟

Wahara Umbakar

ایسے ایک سوال پر پہلے دیا گیا جواب۔

"عقل تلاش کے لئے مفید ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی اور آلہ ہے ہی نہیں تاہم اس آلے کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اور اسی لئے یہ والا پیرا گراف لکھا ہے۔

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں عقل کو ترک کر دینا چاہیے اور اپنے بدیہی جذبات کے فیصلوں پر پختہ ہو جانا چاہیے۔ کئی بار بدیہی احساس اچھی راہنمائی کرتے ہیں لیکن یہ پبلک پالیسی، سائنس یا قانون بنانے کے لئے تباہ کن ہیں۔"

سائنس کے دائرہ کار کی چیزوں کی دریافت کے لئے سائنس ہی واحد طریقہ کار ہے۔ اسی طرح سائنس بہت سی ایسی چیزوں میں سپورٹ کر سکتی ہے اور کرتی ہے جو براہ راست سائنس میں نہیں آتیں۔ تاہم، سائنسزم ایک الگ شے ہے۔

جس طرح سائنس کے ایک بہترین علم ہونے پر شاید ہی کسی کو اختلاف ہو، ویسے ہی ریشنلزم کے ساتھ بھی ہے۔ اور جس طرح سائنس پر پر حد سے بڑھا ہوا اعتماد ایک بڑا مسئلہ ہے، ویسے ہی ریشنلزم کے ساتھ بھی ہے۔۔۔ اس بارے میں پہلے لکھا ہوا ایک مضمون یہاں سے۔

<https://www.facebook.com/groups/ScienceKiDuniya/posts/1377907052377827/>

MuhammadHamzaMasood

یہ بصیرت افروز مضمون ہے اور آپ کی محنت داد کے لائق ہے۔

میرا سوال ہے کہ اخلاقی نفسیات جیسے موضوعات پر تحقیق کے لیے لوگوں کے مابین 'موازنے' کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے حالانکہ موازنے کی نفسیات پر ہی کافی کام ہو چکا ہے اور نفسیاتی اعتبار سے ایسے طرز فکر و عمل سے حتی الامکان احتراز کی کوشش کی جاتی ہے؟ دوسرا سوال عقل کے بارے میں ہے کہ اگر عقل تلاش کے لیے فیچر ڈ نہیں تو ہم تلاش کی صلاحیت کی نشوونما کیسے کر سکتے ہیں اور تلاش کے کام میں مہارت کیسے لائی جاسکتی ہے خواہ وہ حقیقت کی تلاش ہی ہو؟ یا دوسرے لفظوں میں سچائی کی تلاش سائنٹزم کی طرف لے جا سکتی ہے؟

Wahara Umbakar

عقل تلاش کے لئے مفید ہے کیونکہ ہمارے پاس کوئی اور آلہ ہے ہی نہیں تاہم اس آلے کو جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ اور اسی لئے یہ والا پیرا گراف لکھا ہے۔

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں عقل کو ترک کر دینا چاہیے اور اپنے بدیہی جذبات کے فیصلوں پر پختہ ہو جانا چاہیے۔ کئی بار بدیہی احساس اچھی راہنمائی کرتے ہیں لیکن یہ پبلک پالیسی، سائنس یا قانون بنانے کے لئے تباہ کن ہیں۔"

سائنس کے دائرہ کار کی چیزوں کی دریافت کے لئے سائنس ہی واحد طریقہ کار ہے۔ اسی طرح سائنس بہت سی ایسی چیزوں میں سپورٹ کر سکتی ہے اور کرتی ہے جو براہ راست سائنس میں نہیں آتیں۔ تاہم، سائنٹزم ایک الگ شے ہے۔

جس طرح سائنس کے ایک بہترین علم ہونے پر شاید ہی کسی کو اختلاف ہو، ویسے ہی ریشنلزم کے ساتھ بھی ہے۔ اور جس طرح سائنس پر پر حد سے بڑھا ہوا اعتماد ایک بڑا مسئلہ ہے، ویسے ہی ریشنلزم کے ساتھ بھی ہے۔۔۔ اس بارے میں پہلے لکھا ہوا ایک مضمون یہاں سے۔

<https://www.facebook.com/groups/ScienceKiDuniya/posts/1377907052377827/>

تین موضوع

شوڈر نے جب اخلاقیات کے موضوع کے جگھٹے بنائے تو ان کو تین ذیلی موضوعات میں تقسیم کیا۔ پہلا خود مختاری کا ہے۔ دوسرا گروہی ہے۔ اور تیسرا تقدیس کا ہے۔

خود مختاری کے آیتھکس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ خود مختار افراد کی ضروریات، خواہشات اور ترجیحات سب سے پہلے ہیں۔ لوگوں کو ان کو پورا کرنے میں آزاد ہونا چاہیے اور اس کے لئے معاشروں میں اخلاقی تصورات ہونے چاہئیں جیسا کہ حقوق، آزادی اور انصاف، جو کہ لوگوں کو ایک دوسرے کی زندگی میں بے جا مداخلت کئے بغیر امن و آشتی سے رہنے کی اجازت دیں۔ ”فرد کی مرکزیت“ پر قائم معاشروں میں یہ والے آیتھکس سب پر غالب ہیں۔

کیونینی کے آیتھکس اس آئیڈیال کی بنیاد پر ہیں کہ لوگ بڑے گروہوں کے ممبر ہیں، جیسا کہ خاندان، ٹیم، فوج، کمپنی، قبیلہ یا قوم۔ یہ بڑے گروہ صرف لوگوں کے اکٹھے نہیں۔ اصل ہیں اور اہم ہیں اور ان کی حفاظت ضروری ہے۔ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان میں اپنا طے کردہ فرض ادا کریں۔ اس میں فرض شناسی، ہائیرارکی، احترام، ساکھ اور حب الوطنی جیسے اخلاقی تصورات آتے ہیں۔ ان کے کمزور پڑ جانے کا مطلب سماجی بندھنوں کا کمزور پڑ جانا ہے اور یہ ان اجتماعی اداروں کو تباہ کر سکتا ہے جن پر ہر ایک کا انحصار ہے۔

”سماج کی مرکزیت“ پر قائم معاشروں میں یہ والے آیتھکس زیادہ غالب ہیں۔

تقدیس کے آیتھکس کی بنیاد یہ ہے کہ انسان عارضی جسم کے اندر مقدس روح ہے۔ ایسا نہیں کہ انسان محض ایک جانور ہے جس میں کچھ اضافی شعور ہے۔ انسان زمین پر خدا کا عکس ہے اور اس کا رویہ بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔ اور اس کا جسم محض کھیل کا میدان نہیں بلکہ عبادت گاہ ہے۔

مختلف درجوں میں آیتھکس کا یہ موضوع بھی ہر معاشرے کی اخلاقی کوڈ کا حصہ ہے۔

فرض کیجئے کہ ایک انسان کسی مردہ جانور کے ساتھ جنسی فعل کرتا ہے تو ایسا کرنے سے وہ کسی کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا رہا تو پھر ایسا کیوں نہیں کرنا چاہیے؟ پھر اسے ہر کوئی غلط کیوں قرار دیتا ہے؟ ایتھکس کی اس موضوع کے مطابق ایسا کرنے سے وہ خود کی تذلیل کر رہا ہے، کائنات کے مقدس نظام کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اور اسے ایسا کرنے کا حق نہیں، خواہ اس سے کسی کو براہ راست تکلیف نہ ہوتی ہو۔ معاشرے گناہ و ثواب، پاکی اور پلیدی، رسوائی اور تقدیس کے تصورات قائم کرتے ہیں۔ اور اس وجہ سے لذت پسندی (hedonism) اور انسان کی قدیم base جبلتوں کو کسی بھی معاشرے پر celebrate نہیں کیا جاتا۔



صرف اتنا ہی ہے کہ کچھ معاشروں میں اس موضوع کی ترجیح دوسروں سے زیادہ ہوتی ہے۔

اب اس پس منظر کے ساتھ ہم ایسے ہی ایک تقابل کی طرف چلتے ہیں۔

سوالات و جوابات

Farhat Yasmeen

جناب! خود مختاری کے ایتھکس کا مرکزی کردار "خود مختار" افراد ہیں۔ اخلاقی نفسیات کے پس منظر میں خود مختار افراد کون کہلاتے ہیں؟؟ اور وہ لوگ جو خود مختار مرکزی معاشرے میں "خود مختار" نہیں ان کا اس معاشرے میں کیا کردار ہے؟؟

Wahara Umbakar

"میں" بطور فرد خود مختار اور اپنے فیصلے لینے میں اور اپنے نظریات اور خیالات رکھنے میں آزاد ہوں۔ مجھے آزادی اظہار کا، اپنے مرضی کے روزگار کا حق ہونا چاہیے۔ مجھ سے جبری مشقت کروانا، میرے رنگ و نسل، صنف و نظریات وغیرہ کی بنیاد پر مجھ سے تعصب برتنا، میری ملکیت کے حق کو غصب کرنا قابل قبول نہیں۔

یہ سب خود مختاری کی ایتھکس ہیں اور شاید ہی کوئی اس سب سے اختلاف کرے۔

اگر میرے ملک پر حملہ ہو جاتا ہے اور مجھے جبری طور پر بھرتی کیا جاتا ہے تو کیا مجھے انکار کا حق حاصل ہے؟
 الگ اخلاقی اقدار ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں اور ایسا ہونا عام ہے۔ کس وقت کس کو ترجیح دی جاتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو مختلف معاشرتی
 اقدار کا باعث ہے۔

Shoaib Nazir

مطلب میں سمجھوں کی تقدیس انسانی فطرت میں شامل ہے؟۔۔۔۔۔

Wahara Umbakar

انسان جو کچھ بھی کرتے ہیں، وہ انسانی فطرت میں شامل ہے۔ تقدیس تو ہماری فطرت میں شامل ایک بہت ہی بنیادی چیز ہے۔

Farhat Yasmeen

"سماج کی مرکزیت" والے معاشرے میں کوئی شخص اپنے "منفرد" ہونے کو کیسے قائم رکھ سکتا ہے؟؟
 اور تقدیس کے آیتھکس تو ہر معاشرے میں کسی نہ کسی صورت میں پائے جاتے ہیں؟؟ پھر اسے علیحدہ خصوصیت کیوں قرار دی گئی؟

Wahara Umbakar

یہاں پر معاشرتی اقدار کے بنیادی ستونوں کا ذکر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی معاشرے میں صرف ایک ہی قسم کی اقدار ہیں۔
 مثال کے طور پر، اگر کسی جگہ کی اقدار میں خود مختاری کی اقدار کی اہمیت زیادہ ہے ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہاں پر حب الوطنی یا
 فرض شناسی جیسی اقدار نہیں۔

اقدار کے یہ الگ ستون کئی بار ایک دوسرے سے متناقض ہوتے ہیں۔ اور ایک شخص کے لئے بھی اخلاقی dilemma کا باعث بنتے رہتے
 ہیں۔ جبکہ سیاست میں ہونے والے بڑے مباحث بھی اسی وجہ سے ہیں۔



مشرق کا سفر (1)

مندرجہ ذیل احوال جو نا تھن ہائیٹ کا ہے۔

"میں اپنی تحقیق کے لئے تین ماہ کے لئے انڈیا میں اڑیہ گیا۔ میری میزبانی بہت گرجوشی سے کی گئی۔ ایک خوبصورت اپارٹمنٹ ملا جس میں ایک باورچی اور ذاتی ملازم بھی تھا۔ مقامی یونیورسٹی میں نفسیات کے شعبے سے ایک ریسرچ ٹیم ملی۔ ہماری تحقیق تقدیس کی اخلاقیات پر تھی۔ لیکن جو میں نے سیکھا وہ اس تحقیق سے نہیں بلکہ انڈیا کے اس چھوٹے شہر کے پیچیدہ سماجی نظام میں رہنے سے اور اپنے میزبانوں سے اور ساتھیوں سے گفتگو سے تھا۔

میری کنفیوژن کی وجہ یہ تھی کہ میں ایک نوجوان شخص تھا جس کے نزدیک صحیح اور غلط کے بہت خاص معیار تھے۔ میں امریکہ کے بڑے شہر کی خاص اقدار رکھتا تھا۔ میرے لئے ان کے سوا کچھ اور ناقابل قبول تھا۔ جبکہ دوسری طرف اس سفر میں کھلا ذہن بھی رکھنا چاہتا تھا۔ میرے لئے نتیجہ ذہنی خلفشار کی صورت میں نکلا تھا۔"

کیا میں صرف اپنی اقدار کو ہی درست سمجھنے پر قائم رہوں؟ کیا ان لوگوں کو اپنے سے اخلاقی لحاظ سے کمتر سمجھوں؟ یا شو بیڈر جیسے سکالرز کی طرح مختلف طرز زندگی کو سمجھنے کی جرات پیدا کروں؟ یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔

سائنسدان کے لئے کسی کو سمجھنے کے لئے اپنے ذاتی معیار، مرضی، پسند و ناپسند کی عینک اتار کر مشاہدہ کرنا ضروری ہے۔ لیکن مجھے احساس ہوا کہ یہ کرنا کس قدر مشکل ہے۔

میں جن لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتا، ان کی بیویاں خاموشی سے کھانا میز پر رکھ جاتیں اور مجھ سے کوئی بات نہ کرتیں۔ مجھے بتایا گیا کہ ملازمین سے سنجیدہ رہیں اور ہنسی مذاق نہ کریں۔ میں نے لوگوں کو واضح طور پر گندے پانی میں نہاتے دیکھا جس کو مقدس سمجھا جاتا تھا۔ میں جس سوسائٹی میں تھا، یہاں صنفی علیحدگی تھی۔ سماجی رتبے تھے۔ یہاں پر کٹر مذہبی سوچ تھی۔ اور میرے لئے اپنا ذہن کھولنا مشکل تھا۔

اس سب سے مانوس ہوتے چند ہفتے لگے۔ یہ اچھے لوگ تھے اور میں انہیں پسند کرتا تھا۔ لوگ میرے ساتھ مہربان تھے اور جب آپ لوگوں کے شکر گزار ہوں تو پھر ان کی نظر سے دیکھنا آسان ہو جاتا ہے۔ میرا ذہنی ہاتھی ان کی طرف جھک رہا تھا اور اب میں ان کے حق میں آرگومنٹ سوچ سکتا تھا۔ ان کو ظالم سماج کے طور پر دیکھنا اور یہاں کے ”مظلومین“ پر ترس کھانے والی سوچ کی لہر غائب ہو گئی تھی۔ میں اب ایک الگ اخلاقی دنیا دیکھ رہا تھا جس میں معاشرے کی اکائی فرد نہیں بلکہ خاندان ہے۔ اور اس خاندان کے لوگ (ملازمین سمیت) ایک دوسرے پر منحصر ہیں۔ میری دنیا کے برعکس اس دنیا میں برابری اور شخصی آزادی مقدس اقدار نہیں تھیں۔ خداؤں، بزرگوں اور مہمانوں کا



احترام، زیر دستوں کی حفاظت اور اپنے کردار کے فرائض ادا کرنا زیادہ اہم تھا۔ میں نے کمیونٹی کی اخلاقیات کے بارے میں پڑھا تو تھا۔ لیکن اب پہلی بار اسے محسوس کر رہا تھا۔ میں ایسے اخلاقی ضابطے کی خوبصورتی محسوس کر سکتا تھا جس میں ذمہ داری پر زور تھا۔ بڑوں کا احترام تھا۔ گروپ کے لئے خدمت تھی اور اپنی ذاتی خواہشات کی نفی تھی۔

میں اس کے بد صورتی والے پہلو بھی دیکھ سکتا تھا۔ طاقت کئی بار غلط استعمال ہوتی ہے۔ اور یہ بھی کہ یہاں پر زیر دست، خاص طور پر خواتین، کو کئی بار بزرگ مرد و خواتین کی طرف سے ان کی خواہشات سے بلا جواز روک دیا جاتا ہے۔ لیکن زندگی میں پہلی بار میں اپنے سیکھے گئے اخلاقی ضابطوں سے باہر نکل کر ایک مختلف دنیا کو سمجھ سکتا تھا۔ اور مجھے کئی بار اپنی اخلاقی اقدار خود غرضی پر مبنی لگنے لگیں۔ جب تین ماہ کے بعد میں نے شکاگو واپسی کی پرواز لی تو جہاز میں مجھے اپنے کسی ہم وطن کی آواز سنائی دی۔ ”دیکھو، یہ کمپارٹمنٹ میری سیٹ کے اوپر ہے۔ اسے استعمال کرنے کا حق صرف میرا ہے۔“ پہلے یہ عام سافقرہ لگتا لیکن اب مجھے یہ سن کر جھرجھری آگئی۔ لیکن میرے لئے ہونے والی بڑی دریافت اخلاقیات کا ایک اور پہلو تھا جس کا تصور اس سے پہلے میرے لئے اجنبی تھا۔

سوالات و جوابات

Saleem Jamali

سر ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ہم لاکھ رحم دل ہونے کے باوجود بھی مچھلی کے پانی سے باہر نکلنے پر رحم نہیں کھاتے اور ایک بلی، کتے کو ایذا پہنچنا

برداشت نہیں کرتے

Wahara Umbakar

ہماری جبلت منطق کی بنیاد پر نہیں۔

منطق کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مچھلی کو بلا سبب ایذا پہنچانا اتنی ہی بری حرکت ہے جتنی کسی بلی کو، خواہ ہمارا احساس اس کی حمایت نہ کرے۔ اور بالکل یہی وجہ ہے کہ ہم اخلاقیات کے کوڈ اور قوانین محض اپنی جبلتوں کی بنیاد پر نہیں بناتے۔

Shoaib Nazir

اگر میں سوال کروں

کیا آپ فرد کی مرکزیت والے سماج اور اجتماعی تصور رکھنے سماج میں سے تمام معلوم و تصدیق شدہ ٹھوس بنیادوں کی روشنی میں ایک کو چننے کا انتخاب کریں تو کس کا کریں گے؟۔ یا

اگر میں کہوں کمپیوٹر ٹولی بہتر اور اور کم بہتر کے کالم بنائیں تو آپ کی فائنڈنگز کیا ہوں گی؟۔

Wahara Umbakar

کیا میں کوریا، جاپان یا چین میں رہنے کا انتخاب کروں گا؟ یا امریکہ یا برطانیہ میں؟

اس کا انحصار اس پر ہے کہ معاشرے میں میری اپنی جگہ کیا ہوگی۔



مشرق کا سفر (2)

تقدیس کے آیتھکس کا تصور میرے لئے اجنبی تھا۔ اس کا مشاہدہ میں نے اڑیسہ میں کیا۔ میں ہندو پروہت اور عام لوگوں سے انٹرویو کر رہا تھا اور یہ کہ نہانے، کھانے اور چھونے کی رسومات پر زور کیوں دیا جاتا ہے۔ آخر خدا کو اپنے ماننے والوں کے جسم کی اتنی پرواہ کیوں ہے؟ اور یہ صرف ہندومت میں ہی نہیں۔ قرآن اور بائبل بھی صفائی اور پاکی پر بڑا زور دیتے ہیں۔

اس سے پہلے میں نے اخلاقی کراہت پر تحقیق کی تھی۔ ہماری ٹیم یہ جاننا چاہتی تھی کہ آخر کیوں ایسا ہے کہ کراہت کا جذبہ کچھ غیر اخلاقی کاموں پر حرکت میں آتا ہے (جیسا کہ بچے پر ظلم کرنا یا بے وفائی) لیکن کچھ پر نہیں (چوری کرنا یا ٹیکس میں فراڈ کرنا)۔

ہمارا خیال تھا کہ انسان کا سماجی ذہن خود کار طور پر عمودی ڈائمنشن کا احساس رکھتا ہے۔ یہ بلندی اور پستی کا احساس ہے۔ اس میں سب سے بلندی میں خدا یا اخلاقی پرفیکشن سے لے کر انسان سے ہوتا ہوا اور سب سے پستی میں evil تک کا تصور۔۔۔ اور یہ ایک معاشرے تک محدود نہیں۔ مافوق الفطرت کی فہرست ہر کلچر میں الگ ہے لیکن یہ آئیڈیا کہ ایک طرف اونچا، اچھا، خالص، خدا۔۔۔ جبکہ دوسری طرف نیچا، برا، گندا، حیوان۔۔۔۔۔ یہ بڑی حد تک آفاقی ہے۔

ہمارا خیال تھا کہ اخلاقی کراہت اس وقت محسوس ہوتی ہے جب لوگ کسی رویے کو اس عمودی ڈائمنشن پر پست تصور کریں۔ ایک شخص جو فراڈ کر رہا ہے ایک برا کام کر رہا ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ اسے سزا ملے۔ لیکن اس کے مقابلے میں ایک شخص جو بچے پر ظلم کر رہا ہے، اسے ہم انسانیت کے رتبے سے پست سمجھتے ہیں۔ احساس کے حوالے سے ان دونوں میں فرق ہے۔ دوسرے منظر کو دیکھنا تکلیف دہ بھی ہے اور ابکائی بھی لاسکتا ہے۔ فراڈ کرتے دیکھنا اس طرز کا احساس پیدا نہیں کرتا۔

اس تھیوری کے شواہد کو اڑیسہ میں دیکھنا آسان تھا۔ اور اس کا مجھ پر ہونے والا اثر غیر محسوس طریقے سے ہوا تھا۔

تقدیس کی آیتھکس میں کائنات کا نظم ہے اور ہر شے کا مقام ہے۔ جب تک میں شگاگو واپس آیا تو یہ مجھ میں غیر محسوس طریقے سے سرایت کر چکا تھا۔ میں کتابوں کو فرش پر نہیں رکھ چھوڑتا تھا اور باتھ روم میں نہیں لے جاتا تھا۔ جنازوں اور تدفین کی رسومات (جو اس

سے پہلے مجھے پیسے اور وقت کا ضیاع لگتی تھیں) کی جذباتی sense بننے لگی۔ انسانی جسم موت کے وقت کے ساتھ ہی اچانک ایک بے جان آبیجیکٹ نہیں بن جاتا۔ خواہ اس کے اندر شعور ختم ہو چکا ہو، تب بھی اس کے ساتھ ٹھیک سلوک کیا جانا چاہیے۔

اور مجھے اس بات کی سمجھ آنے لگی کہ امریکی کلچرل تنازعات توہین کے عنصر کے بارے میں کیوں رہے ہیں۔ یہ ایک سائیڈ کی طرف سے انسانوں کو سمجھنے کی ناکامی ہے۔

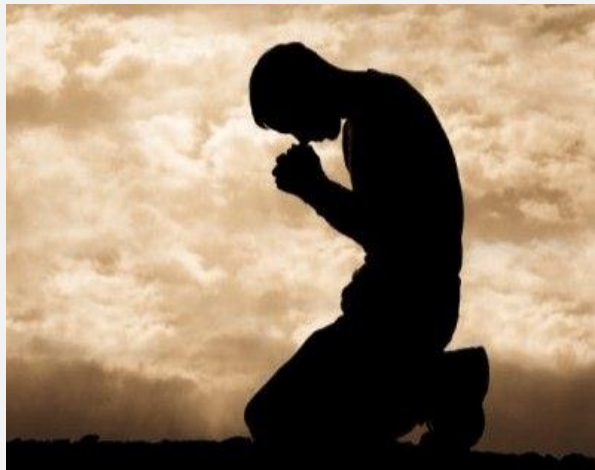
کیا ایک جھنڈے کو نذر آتش کر دینا صرف ایک کپڑا جلانا ہے؟ یا پھر اس میں کچھ اس سے زیادہ ہے؟ جب ایک آرٹسٹ صلیب کو پیشاب کے مرتبان میں ڈبو کر رکھتا ہے تو کیا یہ آرٹ ہے؟ کیا ایسی شے کی جگہ میوزیم ہو سکتی ہے؟ کیا ایسا آرٹسٹ کسی مذہبی کرپشن کو یہ کہہ سکتا ہے کہ ”اگر آپ اسے نہیں دیکھنا چاہتے تو میوزیم میں نہ آئیں؟“ یا پھر ایسی شے کی موجودگی دنیا کو گندگی اور غلاظت سے بھر رہی ہے؟ (یہ آندرے سیرانو کا ”آرٹ ورک“ اور اس سے ہونے والا تنازعہ تھا)۔

اور ایسے توہین آمیز ”آرٹ“ کی حمایت کرنے والے لوگ اس کو فراموش کر دیتے ہیں کہ خود ان کے لئے بھی بہت سی چیزیں اسی طرح ممنوعہ ہیں۔ مثال کے طور پر، نسل پرستی پر مبنی مواد سے میوزیم کو ”آلودہ“ نہیں کیا جاتا۔ اور ہم سب اس سے اتفاق کریں گے کہ اس وقت ایسی صورت میں یہ دلیل کام نہیں کرے گی کہ اگر آپ کو یہ پسند نہیں تو میوزیم مت آئیں۔

انڈیا جانے سے پہلے میں نے تقدیس کے آیتھکس کے بارے میں پڑھا تو تھا لیکن اب میں اس اخلاقی ضابطے کی خوبصورتی دیکھ سکتا تھا۔ ضبط نفس، خواہشات پر قابو، خود کو بہتر کرنے کی جستجو۔

اور دوسری طرف، میں اس کی تاریک سائیڈ بھی دیکھ سکتا تھا۔ اگر آپ کو اس بات کا یقین ہو جائے کہ آپ ہی ہیں جو خدا کی خواہش کو ٹھیک ٹھیک سمجھ چکے ہیں تو پھر جو آپ سے مختلف ہے، اس کے ساتھ متعصب اور یہاں تک کہ ظالمانہ سلوک روا رکھنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ کئی بار تقدیس کی آیتھکس ہمدردی، برابری اور انسانی حقوق سے متصادم ہو سکتی ہے۔

لیکن ساتھ ہی ساتھ، یہ ہمیں ایک بہت مفید نقطہ نظر دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، ہم میں سے کتنے لوگ مادیت پرستی کے رجحان کو ناپسند کرتے ہیں؟ پیسہ کمانے کو کہیں پر بھی بری نظر سے نہیں دیکھا جاتا لیکن اگر کوئی اس کو اپنی اولین قدر رکھے تو ہم اس کو پسند نہیں کرتے۔ لالچ کو بد صورت سمجھا جاتا ہے۔ لیکن اگر صرف خود مختاری کی ہی قدر کو سب سے اول رکھا جائے تو پھر تعیثات اور دولت حاصل کرنے کے لئے کی جانے والی محنت، لالچ اور دولت کی نمود و نمائش کو ناپسند کرنے کا کوئی جواز نہیں۔



یا پھر کبھی ایسا ہوا ہے کہ آپ کہیں اکیلے کھانا کھا رہے ہوں اور ساتھ کی میز پر بیٹھے دوستوں کی گفتگو کی فحش کلامی کان میں پڑے۔ اور آپ کے ذہن میں ہونے والی ناگواری کی لہر نے آپ کا موڈ مکدر کر دیا ہو؟ تقدیس کی ایتھس کے بغیر ان پر تنقید کا کوئی بھی جواز نہیں۔

ایتھس کا یہ ستون ہماری اخلاقی ”بلندی“ اور ”پستی“ کے خیال کو آواز دیتا ہے۔ بد صورت مادیت پرستی یا ناگوار فحش گوئی جیسے چیزوں کو جب تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے، تو اس کی بنیاد یہی ہے۔ یا پھر، صارفیت (consumerism) پر مبنی معاشرے کی کھوکھلی روح کی وجہ ہر ایک کا ذاتی خواہشات کی تکمیل کا مشن ہے۔

ہماری ایسی چیزوں کے بارے میں کی جانے والی شکایت کی وجہ ہماری اخلاقی حس کا یہ پہلو ہے۔



سرخ گولی

(مندرجہ ذیل جو نائن ہائیٹ کی تحریر ہے)

ایک بڑا گہرا خیال جو دنیا میں اور مختلف زمانوں میں ابھرا ہے، وہ یہ ہے کہ ہمارا دنیا کا experience ایک سراب ہے، جیسے کوئی خواب ہو۔ یہ خیال مختلف مذاہب اور فلسفے میں بھی نظر آئے گا اور سائنس فکشن میں عام رہا ہے۔ ولیم گبسسن نے 1984 میں ناول لکھا تھا جس میں استعمال کی گئی اصطلاح matrix تھی۔ جب اربوں کمپیوٹر جوڑ دئے جائیں اور لوگ اپنی رضامندی سے سراب کا شکار ہو جائیں۔

گبسسن کے اس خیال سے فلم The Matrix بنی۔ اس فلم کے ایک مشہور منظر میں فلم کے ہیرو، نیو، کو ایک انتخاب دیا جاتا ہے۔ یا تو سرخ گولی نگل لے جس کے بعد وہ میٹرکس سے باہر نکل آئے گا۔ اس کا سراب ختم ہو جائے گا۔ یا پھر نیلی گولی نگل لے اور پھر وہ بھول جائے گا کہ اسے کبھی ایسا انتخاب دیا گیا تھا۔ اور وہ اس خوشگوار سراب میں واپس چلا جائے گا جس میں باقی تمام لوگوں کے شعوری وجود بھی اپنا وقت گزار رہے ہیں۔ نیو سرخ گولی کا انتخاب کرتا ہے اور میٹرکس غائب ہو جاتی ہے۔

اگرچہ میرے لئے یہ اتنا ڈرامائی نہیں تھا لیکن شوڈر کی کتابیں میرے لئے سرخ گولی ہی تھیں۔ مجھے اس کے بعد نظر آنا شروع ہوا کہ ہر قوم میں کئی اخلاقی میٹرکس ساتھ رہتی ہیں۔ ہر میٹرکس خود میں ایک مکمل، مربوط اور پرکشش ورلڈ ویو دیتی ہے۔ اپنی میٹرکس کا آسانی سے دفاع کیا جاسکتا ہے اور باہر والوں کے حملے اس اخلاقی میٹرکس پر کچھ اثر نہیں کرتے۔

میری اخلاقی میٹرکس کی تعمیر میرے خاندان، قومیت اور پھر یونیورسٹی نے کی تھی۔ بائیں بازو کے پختہ خیالات کی وجہ سے میں ڈیموکریٹ پارٹی کا پکا حامی تھا۔ مخالف پارٹی کے صدر رونالڈ ریگن پر ہماری کلاس میں مذاق اور تنقیدی تبصرے ہوتے تھے۔ اس ماحول میں لبرل ہونا ”نیکی“ تھی۔ اور ہمارے نظریے کی نیکی اس قدر واضح تھی۔ ہم امن کے مارچ کرتے تھے۔ مزدوروں کے حقوق، سول رائٹس، ماحولیات کی حفاظت کے لئے کام کرتے تھے۔ ہم اچھے لوگ تھے۔

ہمارے مخالف (ری پبلکن پارٹی) جنگجو تھے، بڑے بزنس کی حمایت میں تھے، نسل پرست تھے، بنیاد پرست مذہبی تھے۔ میں اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ آخر کیوں کوئی بھی عقل و شعور والا شخص اس قدر evil پارٹی کا حامی ہو سکتا ہے۔ ہم نفسیات پڑھ رہے تھے اور نفسیاتی وجوہات کی تلاش میں رہتے تھے کہ آخر کوئی کیوں کنزرویٹو ہو سکتا ہے۔ کچھ لوگوں میں یہ ذہنی نقص کیوں آجاتا ہے جو انہیں حقیقت سے اس قدر اندھا کر دیتا ہے؟

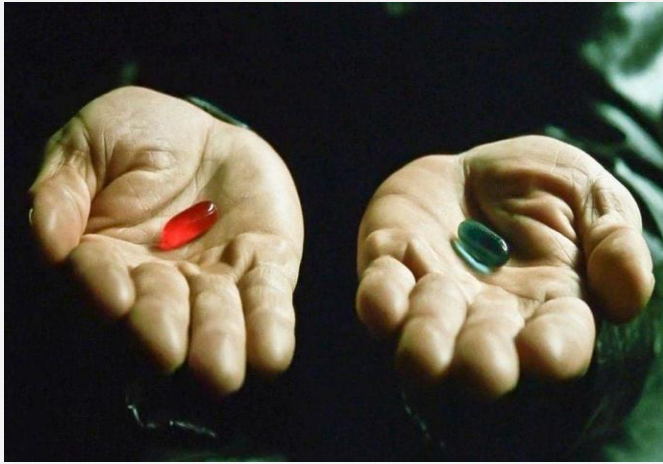
ہم لبرل پالیسیوں کی حمایت اس لئے کرتے تھے کہ ہمیں دنیا صاف نظر آتی تھی، ہم لوگوں کی مدد کرنا چاہتے تھے جبکہ ”وہ“ صرف خود غرض تھے۔ (اسی لئے ٹیکس کم کرنے کے حق میں تھے یا اقلیتوں کے حقوق کے پروگراموں میں روڑے اٹکاتے تھے)۔ ایک چیز جس کا ہم نے کبھی تصور نہیں کیا تھا، وہ یہ کہ متبادل اخلاقی دنیا میں بھی ہو سکتی ہیں جس میں بنیادی اقدار مختلف ہوں۔ اور چونکہ ہم یہ تصور نہیں کر سکے تھے، اس لئے ہم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے کہ ہمارے نظریاتی مخالف بھی اپنے اخلاقی یقین کے بارے میں اتنے ہی مخلص ہیں جتنا کہ ہم۔

اپنی اخلاقی برتری کا یہ طلسم صرف اس وقت ٹوٹا جب میں انڈیا گیا اور میں اکیلا تھا۔ اگر میں صرف ایک سیاح ہوتا تو تین ماہ میں کچھ بھی نہ بدلتا۔ دوسرے مغربی سیاحوں کی طرح واپس آکر میں اس معاشرے کے صنفی تعصب، غربت اور جبر کی کہانیاں سناتا۔ جب میں واپس آیا تو پھر مجھے سوشل کنزرویٹو نکتہ نظر سمجھ آنے لگا۔ آخر کیوں میرے مخالف ویسے نظریات رکھتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ میں ان سے اتفاق کرتا تھا لیکن اس نئی بصیرت نے مجھے نظریاتی جانبداری کی قید سے نجات دلادی۔ اس سے پہلے مخالف کی بات پر میرا طریقہ بھی وہی تھا جو کہ عام طور پر سب کا یہ ہوتا ہے۔ (یعنی پہلے اس کی بات کو مسترد کرو اور پھر سوال کرو)۔ اب میں اس بات کو سمجھ سکتا تھا کہ ”لبرل اور کنزرویٹو نظریات بنیادی طور پر ہی الگ ہیں لیکن دونوں اچھے معاشرے کے وژن ہیں۔“ اور ایک بار میرا جانبداری کا غصہ ختم ہو گیا تو پھر میرے لئے اس بات پر قائم رہنا ضروری نہیں رہا تھا کہ ”ہم ٹھیک ہیں، وہ غلط ہیں۔“ اب میں دوسری اخلاقی میٹرکس کی تفتیش کر سکتا تھا۔ یہ میرے لئے ویسا تھا جیسے کسی نے نیند سے بیدار کر دیا ہو۔

“We are multiple from the start”

شوہدر کا یہ فقرہ اخلاقی اور سیاسی نفسیات میں بہت اہم ہے۔ ہماری اٹھان کے ساتھ کئی اخلاقی پہلو متحرک ہوتے ہیں اور کئی ڈوب لپ نہیں

ہو پاتے۔ اگر آپ خود مختاری کی آیتھکس کی قدر کی ترجیح کے ساتھ بڑے ہوئے ہیں تو شاید آپ کو ان جگہوں پر امتیاز اور جبر نظر آئے



جہاں پر اس کا شکار لوگوں کو بھی اس میں کچھ بھی غلط نظر نہیں آرہا۔
لیکن سالوں بعد جب آپ کسی روایتی معاشرے کے بارے میں اچھی
کتاب پڑھیں یا سفر کریں یا بچوں کے والدین بنیں تو پھر اپنے اندر
اخلاقی الجھنیں محسوس ہونے لگتی ہیں جن کی سمجھ نہیں آتی۔

یا اس کے برعکس کسی زیادہ روایت پسند معاشرے میں پرورش پائی
ہے جہاں کمیونیٹی اور تقدیس کے آیتھکس کی ترجیح ہے تو پھر وہاں پر

بھی تذلیل یا بے حرمتی نظر آئے جہاں پر دوسروں کو کچھ بھی غلط نہیں نظر آتا۔ لیکن جب آپ کو کہیں اپنے ساتھ امتیازی سلوک کا سامنا
کرنا پڑے یا کوئی اچھی کتاب پڑھنے کو ملے یا سفر کرنا پڑے تو پھر آپ کو جبر اور برابری کے دلائل نئی روشنی میں نظر آنے لگیں گے۔

اور یہ سرج گولی نکل لینا انسانی ذہن کے نقائص دریافت کرنے کے بجائے اخلاقی ڈیزائن کی تفتیش ممکن کرتا ہے۔

سوالات و جوابات

Rizwan Ahmad

ہیرو نے سرج گولی کیوں لی اور نیلی کیوں نہیں سر

Wahara Umbakar

یہ تکلیف دہ سچ کو سننے کے تکلیف دہ انتخاب کا استعارہ ہے۔

Farhat Yasmeen

جناب! سرج گولی کو حقیقت والی گولی سے کیوں تعبیر کیا جا رہا ہے؟؟ جب کہ میری اخلاقیات (تقدیس) تو مجھے یہ بتا رہی ہیں۔۔۔ کہ

حقیقت کچھ اور ہے۔۔۔ (اور جسے ہم حقیقت سمجھتے رہے ہیں دراصل وہی سراب ہے)۔؟؟

Wahara Umbakar

سرخ گولی تکلیف دہ سچ کو سننے کے تکلیف دہ انتخاب کا استعارہ ہے۔

Farhat Yasmeen

سرخ گولی نگل لی۔۔۔۔۔ اخلاقیات کی تفتیش بھی مکمل ہوگی۔۔۔۔۔ (جس میں ستر اسی سال لگ گئے)۔۔۔ پتہ چلا سب سراب تھا۔۔۔ اور جلد ہی حقیقت میں آنکھیں کھلنے والی ہیں۔ اب؟؟

Wahara Umbakar

ایسا لازم نہیں کہ زندگی طویل ہو۔ اس کا خاتمہ آج اور کل بھی ہو سکتا ہے۔ ہم اس کو کیسے گزارنا چاہتے ہیں، یہ ہمارا انتخاب ہے۔ اس بارے میں ایک مضمون یہاں سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/3339974899438429/>

Shoaib Nazir

یہ سوال میرے ذہن میں کافی عرصے سے ہے کوئی تسلی بخش جواب نہ مل سکا۔۔۔
میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔۔۔ یہ دنیا ہی حقیقت ہے؟۔ ہم سراب میں نہیں ہیں۔
یہ دنیا illusion نہیں ہے۔۔۔
اگر جواب یہ ہے کہ یہی مطلق حقیقت ہے تو اس بات کے لیے بنیادی دلیل کیا ہوگی؟؟۔

Wahara Umbakar

ایسا کہنے یا سمجھنے کی کوئی دلیل نہیں۔
تاہم، "میرے اعمال اور انتخاب اصل میں معنی اور اثر رکھتے ہیں"۔ یہ ایک مفید خیال ہے۔



دستر خوان

کچھ سال پہلے ایک ریسٹورنٹ میں جانے کا اتفاق ہوا۔ مینو میں شہد، مٹھائیاں، شیرا جیسے سیکشن تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا یہاں پر مکمل کھانا نہیں ملتا؟ مالک نے کہا کہ یہ دنیا میں اپنی طرز کا واحد ریسٹورنٹ ہے۔ یہاں صرف میٹھی چیزیں ہوتی ہیں۔ آپ دنیا کے بتیس ممالک سے لائی گئی میٹھی چیزیں کھا سکتے ہیں۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک بائیولوجسٹ ہے جس کی مہارت ذائقے میں ہے۔ اس نے کہا کہ زبان پانچ طرح کے ذائقے چکھ سکتی ہے۔ میٹھا، نمکین، کڑوا، کھٹا اور اومامی۔ اور اس کی تحقیق نے بتایا کہ میٹھا ذائقہ دماغ میں ڈوپامین کثرت سے پیدا کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان مٹھاس کو باقی چاروں ذائقوں سے ترجیح دیتے ہیں۔ منطق یہ بتاتی ہے کہ کھانے میں فی کیلوری سب سے زیادہ لطف اٹھانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ صرف میٹھی چیزیں کھائی جائیں اور اس وجہ سے اس کے ذہن میں یہ ریسٹورنٹ کھولنے کا خیال آیا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ بزنس کیسا جا رہا ہے۔ اس نے کہا کہ بہت ہی برا۔ لیکن کم از کم اس سے بہتر ہے جس نے اگلی مارکیٹ میں کھٹی چیزوں کا ریسٹورنٹ کھولا ہے۔

نہیں، نہیں، ایسا اصل میں نہیں ہوا لیکن یہ کہانی ایک استعارہ ہے۔ اخلاقی فلسفے اور نفسیات کی بہت سی کتابیں اسی ریسٹورنٹ کی طرح ہیں۔ اخلاقیات بہت پیچیدہ اور زرخیز مضمون ہے۔ بہت سی جہتیں ہیں اور ان کے آپس میں اندرونی تضادات ہیں۔ چند پلورلسٹ ایسے ہیں جو کسی کلچر میں اور الگ کلچرز میں اس کے تنوع کی وضاحت کرتے ہیں لیکن عام طور پر لکھنے والے اس کو صرف ایک اصول کی بنیاد پر دیکھتے ہیں۔ فلاح کو زیادہ سے زیادہ کرنا (لوگوں کی مدد کی جائے اور تکلیف نہ پہنچائی جائے) یا کبھی موضوع انصاف، حقوق، آزادی ہوتے ہیں۔ لیکن اخلاقیات پیچیدہ اور وسیع ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں فلاح، انصاف، حقوق اہم نہیں یا پھر یہ کہ اس میں سب چلتا ہے یا یہ کہ ہر قسم کی اخلاقیات برابر ہیں۔ اس میں برتر یا کمتر نہیں ہو سکتا۔ لیکن تمام اخلاقیات کو کسی ایک اصول کے گراؤنڈ پر لانے کی کوشش کرنے کا مطلب ایسا معاشرہ بنا سکتا ہے جو زیادہ تر لوگوں کے لئے غیر تسلی بخش ہو اور غیر انسانی ہو کیونکہ یہ کئی دوسرے اخلاقی اصول نظر انداز کر جاتا ہے۔

تمام انسانوں کے پاس ذائقے کے پانچ ریسپٹر تو ایک ہی ہیں لیکن ہم سب کے لئے کھانوں میں ذوق جدا ہیں۔ اس سب کو بیان کرنے کے لئے ہم ارتقائی وضاحت سے شروع کر سکتے ہیں۔ میٹھے پھلوں اور چربی والے جانوروں کے بطور خوراک مفید ہونے سے۔ لیکن ہمیں ہر کلچر کی تاریخ کا جائزہ بھی لینا پڑے گا۔ ہمیں ہر فرد کے بچپن کی عادات کو بھی دیکھنا پڑے گا۔ یہ معلوم کر لینے سے کہ ہر ایک کے پاس مٹھاس کے لئے ریسپٹر ہے، یہ بالکل بھی معلوم نہیں کیا جاسکتا کہ کسے لسی پسند ہے اور کس کو کاکولا۔ یا پھر ایسا کیوں ہے کہ کوئی بھی آلیٹ پر چینی ڈال کر کیوں نہیں کھاتا۔ ذائقے کے ریسپٹر یونیورسل ہیں لیکن اس سے ایک شخص کی خورد و نوش میں ترجیحات تک آنے کے لئے بہت سا اضافی کام درکار ہے۔

اخلاقی جھنجٹ کے لئے بھی ایسا ہی ہے۔ لوگ اخلاقی ایشوز پر اتنے منقسم کیوں ہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے مشترک ارتقائی وراثت سے



شروع کیا جاسکتا ہے لیکن ہمیں ہر کلچر کی تاریخ کا جائزہ بھی لینا پڑے گا۔ اور پھر کسی فرد کے بچپن کی سوشلائزیشن کا بھی۔ صرف یہ جاننا کہ ہم سب یہ پرواہ کرتے ہیں کہ دوسروں کی مدد کی جائے اور تکلیف نہ دی جائے، اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کر سکے گا کہ کوئی شخص شکار کرنے کو بیڈ منٹن کھیلے پر ترجیح کیوں دیتا ہے یا پھر شاذ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو اپنا

تمام وقت غریبوں کی خدمت میں گزار دیتا ہے۔ اخلاقیات کے ذائقوں کے یونیورسل ریسپٹر سے لے کر ایک شخص کے خاص اخلاقی جھنجٹ تک آنے کے لئے بہت سا اضافی کام درکار ہے۔

اخلاقیات بھی ایسے دسترخوان کی طرح ہے۔ یہ کلچرل تعمیر ہے۔ اس پر ماحول اور تاریخ کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن یہ اتنی لچک دار نہیں کہ یہاں سب چلتا ہے۔ جس طرح کسی بھی علاقے کے پکوانوں میں درخت کی چھال نہیں ہوتی یا پھر ایسا نہیں کہ کڑوا ذائقہ تمام دسترخوان میں مرکزی حیثیت رکھتا ہو۔ ان میں تنوع تو ہے، لیکن ان سب کو بنیادی طور پر زبان کے پانچ ریسپٹر سے ہی لذت لینا ہے۔ اسی طرح ہمارے اخلاقی ذہن میں نیکی کے یونیورسل سوشل ریسپٹر ہیں۔ اخلاقی دسترخوان انہی کی بنیاد پر ہے۔

سوالات و جوابات

Rizwan Ahmad

سر کچھ لوگ ہر بات کا (میرے نزدیک) صرف منفی پہلو کیوں دیکھتے ہیں؟ مکمل مثبت بات میں سے وہ بعض دفعہ ایسی نیگیٹیوٹی نکال لیتے ہیں کہ میں حیران ہو جاتا ہوں۔ میں اندازہ ہوتا ہے کہ یہ وہ مختلف باتوں اور حالات کو ایک بالکل مختلف تناظر میں دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

ایسا کیوں ہے سر؟ کیا یہ کسی جذباتی ہارمون کے کثرت سے ریلیز ہونے کی وجہ سے ہے؟

Wahara Umbakar

اگر منفی پہلو نکالنا میرے نکتہ نظر کو سپورٹ کرتا ہے تو میرے لئے ایسا نکتہ نظر نکالنے کا incentive ہے۔ دوسرا پہلو یہ کہ کچھ لوگ فطری طور پر ریاسیت پسند ہوتے ہیں۔ اور یہاں پر ایک اور چیز یہ کہ رجائیت پسندی اور ریاسیت پسندی کا اچھا توازن زندگی کے لئے چاہیے۔ اگر میں منفی پہلو زیادہ غور سے دیکھ سکتا ہوں تو ان کے لئے تیاری بھی کر سکتا ہوں۔۔۔



اخلاقی ذائقے

اگر انسان کی جبلت ایک ہی ہے تو ہر کلچر میں اخلاقیات کیوں ایک سی نہیں؟ مثال کے طور پر، ”برابری“ کا تصور ہر جگہ پر ایک نہیں تو کیا اس کا مطلب یہ نکالا جاسکتا ہے کہ اس کا تعلق انسانی فطرت سے نہیں؟ ہمارے تمام رویے سیکھے ہوئے ہیں؟ نہیں، ایسا نہیں۔ اور اس کو سمجھنے کے لئے ہم ذائقوں سے مدد لے سکتے ہیں۔

ہر کلچر میں میٹھے مشروبات پائے جاتے ہیں۔ مشروب کسی مقامی پھل سے اخذ کردہ ہو سکتا ہے یا چینی اور مصنوعی فلیور سے۔ لیکن ایسا سمجھنا بے وقوفی ہوگی کہ ہمارے پاس آم کے رس، سیب کے جوس، کوکا کولا اور فائٹا کا ذائقہ محسوس کرنے کے لئے الگ الگ طریقے یا پھر ہم نے انہیں پسند کرنا محض سیکھا ہی ہے۔ مٹھاس کا ریسیپٹر سب انسانوں میں ایک ہی ہے اور ہر کلچر نے اس کو چھیڑنے کے لئے اپنے مختلف طریقے بنا لئے ہیں۔ اور اگر ایک اینتھروپولوجسٹ یہ بتائے کہ اسکیمو قبیلے میں کوئی میٹھا مشروب نہیں تو بھی اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسکیمو قبیلے کے لوگوں میں ایسا ذائقہ چکھنے کا ریسیپٹر نہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اسکیمو دسترخوان اس کا خاص فائدہ نہیں اٹھاتا۔ اور اس کی وجہ بھی صاف ظاہر ہے کہ اسکیمو کے پاس میٹھے پھل تک کی رسائی نہیں تھی۔

کلچرل اینتھروپولوجسٹ انسانی رویے کے بارے میں ارتقائی وضاحتوں کو پسند نہیں کرتے۔ اینتھروپولوجی میں نکتہ نظر یہ رہا ہے کہ انسان آلات استعمال کرنے والی دو ٹانگوں پر چلنے والے اور بڑے دماغ والی نوع ہے۔ یہاں تک پہنچنے تک تو طویل عرصہ لگا لیکن ایک بار کلچر بنانے کی اہلیت آگئی تو پھر حیاتیاتی ارتقا کا کردار ختم ہو گیا یا کم از کم غیر متعلقہ ہو گیا۔ کلچر اس قدر طاقتور ہے کہ انسانی رویے کسی بھی قدیم جبلت پر آسانی سے حاوی آجاتے ہیں۔

لیکن ایسے نکتہ نظر کے ساتھ مسئلہ ہے۔ محض کلچر کی وضاحت کافی نہیں۔ انسان اپنا ذہنی ڈیزائن رکھتے ہیں اور اس کو الگ نہیں رکھا جاسکتا۔ یہ تو درست ہے کہ صرف ہمارے ذائقوں کے ریسیپٹر ہمارے دسترخوان کی وضاحت نہیں کرتے۔ لیکن انسان کے ذائقے کی صلاحیت کو الگ کر دینا غیر مفید ہے۔ اسی طرح انسان کے اخلاقی ذائقوں کے ریسیپرز کے لئے ارتقائی نفسیات مفید طریقہ کار ہے۔

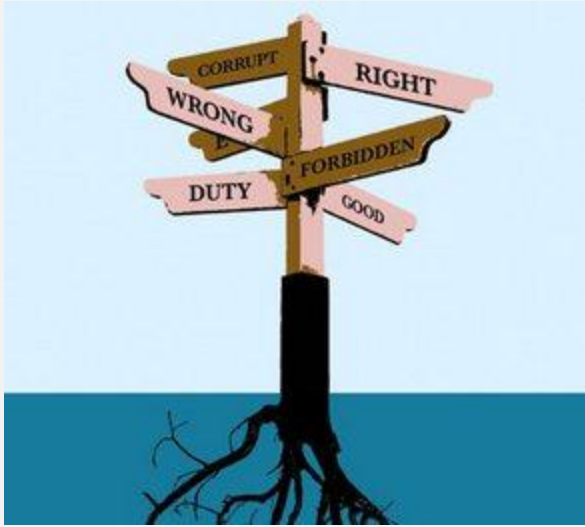
لیکن دوسری طرف، اینتھروپولوجسٹ اس حوالے سے درست ہیں کہ اخلاقیات کی ارتقائی وضاحتوں کو قبول کرنے میں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ یہ سادہ لوح اور functionalist ہیں۔ اس میں فٹافٹ یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ ہر رویے کے ارتقا کا کوئی فنکشن ہے۔ دوسرا یہ کہ کئی بار یہ ریڈکشنسٹ ہیں اور مکمل تصویر پیش کرنے سے قاصر رہتی ہیں۔

اب اس سب کا تجزیہ کرنے کے لئے دنیا بھر میں پائی جانے والی انواع و اقسام کی اخلاقی میٹرکس میں سے مشترک کو کیسے نکالا جائے؟

یہاں پر یاد دہانی: نفسیات میں ہمارا مقصد descriptive ہے۔ ہم یہ دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ ذہن اصل میں کام کیسے کرتا ہے۔ اس کا موضوع یہ بالکل بھی نہیں ہے کہ اس کو کام کرنا کیسے چاہیے۔ اس لئے دریافت کا یہ کام ریاضی، منطق یا ریزن سے نہیں ہو سکتا۔ اس کا طریقہ صرف مشاہدہ کرنا ہے اور مشاہدے کے لئے لازم ہے کہ اپنے ذہنی تعصبات کو الگ رکھ دیا جائے۔ منطق کی جگہ جس چیز کی زیادہ ضرورت ہے، وہ empathy ہے۔ اور اپنی اخلاقی میٹرکس سے باہر نکل کر دیکھنے کی۔

اس کے لئے دنیا بھر کی اقدار میں اخلاقی خوبیوں (virtues) کی فہرست بنائی۔ جنگجو کلچر میں بچوں کو سکھائی جانے والی خوبیاں زرعی یا صنعتی کلچرز سے مختلف ہیں۔ مختلف فہرستوں میں کئی چیزیں مشترک ہیں لیکن اس کے معنی ایک نہیں۔ مثال کے طور پر، مختلف مذاہب ہمدردی کی خوبی کا ذکر کرتے ہیں (اگرچہ یکساں طور پر نہیں)۔ یا پھر، ہر کلچر میں مہربانی، وفاداری اور انصاف کی قدر کی جاتی ہے تو اس سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام انسانیت میں نچلی سطح پر اخلاقیات کے کچھ مشترک ریسپٹر پائے جاتے ہیں، ویسے ہی جیسے ذائقہ چکھنے کے لئے زبان کے ریسپٹر۔

ذائقوں میں مٹھاس کا ریسپٹر جبلی ہے اور تمام انسانیت میں یونیورسل ہے۔ جبکہ ماحول اور کلچر کی وجہ سے اس کا استعمال ہر جگہ پر یکساں نہیں۔ بائیولوجیکل ڈیزائن سب انسانوں میں مشترک ہے (جس کے لئے ارتقائی وضاحت کام کرتی ہے) لیکن اس کا اظہار نہیں (جس کے لئے یہ کام نہیں کرتی)۔



کئی ارتقائی تھیورسٹ یہ کلاسیکل غلطی کرتے ہیں کہ ایک خاصیت لی اور سوال کیا۔ ”کیا میں ایک کہانی سوچ سکتا ہوں کہ اس خاصیت کی وجہ سے بقا میں یا جین آگے بڑھانے میں فائدہ ہوا ہو؟“۔ اس سوال کا جواب ہمیشہ ”ہاں“ ہوتا ہے۔ کیونکہ عقل (اور گوگل) آپ کو ہمیشہ اس جگہ پر لے جا سکتی ہے جہاں آپ جانا چاہیں۔ روڈ یارڈ کیلنگ کے مطابق ”آپ کرسی پر بیٹھ کر اچھی کہانیاں بنا سکتے ہیں کہ اونٹ کو کوہان یا ہاتھی کو سونڈ کیسے ملی۔ اچھے سائنسدان ہمیشہ اس بات کو ذہن میں رکھتے ہیں کہ اچھی وضاحت اور ٹھیک وضاحت ایک چیز نہیں۔“

ان مخالف عوامل کو ساتھ لے کر چلتے ہوئے اچھی تھیوری بنانا ایک احتیاط سے کیا جانے والا کام ہے۔ اور کیا جانے والا ایسا ایک کام Moral Foundation Theory ہے۔

سوالات و جوابات

Sardar Irfan Zulfiqar

واہ، انسانی نفسیات اور معاشرت کی پیچیدگیوں کے بنیادی عوامل تو ہم آپ کے اس سلسلے سے سیکھ ہی رہے ہیں لیکن ایک بونس کے طور پر ملنے والی شے وہ بصیرت بھرے جملے ہیں جو ہر پیراگراف میں موتیوں کی مانند پروئے ہیں اور تحریر کی چمک دمک کو مزید دو بالا کر رہے ہیں۔

Sardar Irfan Zulfiqar

میرا مشاہدہ ہے کہ ہر کلاس، کتاب، تحریر یا علمی سلسلے کی شروعات میں فریقین کی دلچسپی کا لیول بہت اونچا ہوتا ہے لیکن یہ لیول وقت گزرنے کے ساتھ رفتہ رفتہ کم ہونے لگتا ہے۔ اس کا اس کتاب یا سلسلے کے دلچسپ ہونے یا نہ ہونے سے بھی زیادہ تعلق نہیں ہے۔ آخر

ایسا کیوں ہوتا ہے؟ کیا دماغ کو نئی چیزیں متوجہ کرتی ہیں اور معمول ہمارے لیے غیر اہم ہو جاتا ہے یا اس کی کوئی اور وجہ ہے؟

Wahara Umbakar

یہ ایک funnel کی طرح کام کرتا ہے۔ جب کسی سلسلے پر قسط نمبر ہے (اور یہ بڑا عدد ہے) تو پھر نئے لوگ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں کیونکہ اس سے پچھلا پس منظر معلوم نہیں۔

جبکہ پہلے پڑھنے والوں میں سے ہمیشہ تعداد کم ہوتی رہے گی کیونکہ سو فیصد لوگ تو توجہ نہیں رکھ پائیں گے۔ اس کی وجہ وقت نہ ملنا بھی ہوتی ہے اور یکسانیت سے ہونے والی بوریٹ بھی۔

اس لئے ہمیشہ سلسلہ وار ڈرامہ یا کہانی یا سیزن میں آخر تک سامعین کی تعداد برقرار نہیں رہ پاتی۔

Shoaib Nazir

کیا ریاضی / منطق / ریزن صرف کیوں کا جواب دینے کے لیے ہی ہوتی ہے؟

خاص کر ریاضی پر عرض کیجیے گا

Wahara Umbakar

ایک شعبہ descriptive ہے جس میں یہ وضاحت کی جاتی ہے کہ ہم کیسے ہیں۔ اس سیریز میں یہی موضوع ہے۔ اور اس کا طریقہ انسان کا مشاہدہ ہے۔

ایک اور بالکل الگ موضوع normative ethics کا ہے۔ اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہونا کیا چاہیے۔ یہ بھی بہت اہم موضوع ہے کیونکہ قوانین اور معاشرتی سسٹم اسی بنیاد پر بنتے ہیں۔ یہاں پر منطق اور ریزن کا استعمال کیا جاتا ہے اور یوٹیلیٹیئرین ازم ایک مفید طریقہ کار ہے۔



بنیاد (Moral Foundation Theory)

ایک بلی نے سانپ کو کبھی نہیں دیکھا لیکن پہلی بار بھی اسے دیکھ کر اس کا ردِ عمل خوف کا ہے۔ ایسا کیوں؟ اس کی وجہ یہ کہ اس کے دماغ کے نیورل سرکٹ میں سانپ کا پتہ لگانے کا فنکشن ہے۔

کوگنیٹو ایٹھروپولوجی میں modularity کا تصور ہے۔ ماڈیول ذہن کے چھوٹے سوئچ ہیں۔ یہ کسی خاص چیز کے لئے آن ہو جاتے ہیں اور ان سے آنے والا سگنل جاندار کے رویے کو متعین کرتا ہے۔

ایک اور مثال انسان کے لئے چہرہ پہچاننے والا ماڈیول ہے جو اسی خاص مسئلے کو حل کرتا ہے۔

اسی طرح سماجی ریسپٹر بھی ایسے ہی ماڈیول ہیں جو سماجی زندگی میں خطرات سے بچنے یا مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگوں کی توجہ کسی خاص واقعے کی طرف مبذول کرتے ہیں (مثلاً، ظلم یا بے حرمتی) اور اس سے جلی ردِ عمل چھیڑتے ہیں (مثلاً، ہمدردی یا غصہ)۔

سپربر اور ہرشفیلڈ اپنے اس پیش کردہ تصور میں ایک ماڈیول کے ”اصل ٹرگر“ اور ”موجودہ ٹرگر“ میں تمیز کرتے ہیں۔ اصل ٹرگر وہ ہے جس کے لئے اس ماڈیول کا ڈیزائن ہے جبکہ موجودہ ٹرگر وہ ہے جس میں اصل دنیا میں یہ چھڑ جاتا ہے۔

مثال کے طور پر سانپ ڈیمٹیکٹ کرنے کے ماڈیول کا اصل ٹرگر تمام سانپ ہیں جبکہ ریڈ کے سانپ یا موٹی رسی بھی اس کو چھیڑ سکتے ہیں۔ نتیجے میں ہونے والا ردِ عمل (خوف زدہ ہو جانا یا چیخ مارنا) ایک ہی ہوگا۔

(ماڈیول غلطیاں کرتے ہیں اور کئی جاندار ان غلطیوں کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ کئی جانداروں کے جسم کے ڈیزائن بھی اس کی مثال ہیں۔ مثلاً، ہوور مکھی کی زرد اور سیاہ پٹیاں اسے بھڑکی طرح دکھاتی ہیں جو کچھ پرندوں میں بھڑ سے بچنے کا ردِ عمل چھیڑتا ہے اور ہوور مکھی کو ان کی خوراک بننے سے محفوظ رکھتا ہے)۔

اخلاقیات میں کلچرل تنوع کی جزوی وضاحت اس سے کی جاسکتی ہے کہ کئی کلچرز میں ماڈیول کے ٹرگر سے ہونے والے ردِ عمل بڑھ جاتے

ہیں یا گھٹ جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، حالیہ دہائیوں میں جانوروں پر ہونے والے ظلم کے بارے میں حساسیت میں اضافہ ہوا ہے۔ ایک اہم بات یہ کہ کئی اخلاقی تنازعات کی وجہ الگ اخلاقی ماڈیولز کا آپس کا مقابلہ ہے۔ مثلاً، کیا اساتذہ یا والدین کو نافرمانی کی وجہ سے بچوں کو پٹائی کی اجازت ہونی چاہیے؟ ایک ماڈیول ظلم اور جبر پر رد عمل کا ہے۔ جبکہ ایک اور قوانین کے ٹھیک نفاذ کا، خاص طور پر اساتذہ اور والدین کے احترام کے بارے میں۔ اس لئے، اگرچہ ہم سب کے پاس چند ہی کونگنیٹو ماڈیول ہیں لیکن آپس میں ٹکرائے والی اخلاقی میٹرکس سے ابھرنے والے بڑے مختلف ایکشن ان کا نتیجہ ہیں۔

کریگ جوزف اور جوناتھن ہائیٹ نے یونیورسل کونگنیٹو ماڈیول کے فہرست مرتب کی جس کے اوپر کلچر اپنی اخلاقی میٹرکس تعمیر کرتے ہیں۔ یہ مورل فاؤنڈیشن تھیوری ہے۔

سماجی ایڈاپٹیشن میں پانچ بڑے چیلنج ہیں۔ بچوں کی دیکھ بھال کرنا۔ غیر رشتہ داروں سے باہمی تعلقات بنانا۔ اتحاد بنانا تاکہ دوسروں کے بنائے اتحاد سے مقابلہ کیا جاسکے۔ رتبے کی ہائیرارکی بنانا تاکہ نظم قائم کیا جاسکے۔ گنجان آبادیوں میں ایک دوسرے کے جراثیم اور

پیراسائٹ سے اور متعدی بیماریوں سے بچنا۔

ان سے جو پانچ بنیادی ریسپٹر نکلتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

پرہیز اور ضرر

انصاف اور دھوکہ بازی

وفاداری اور بے وفائی

اتھارٹی اور فرمانبرداری

پاک اور پلیدی

	Care/Harm	Fairness/ Cheating	Loyalty/ Betrayal	Authority/ Subversion	Sanctity/ Degradation
Evolutionary Purpose	To raise children and keep them from harm	To work with others for mutual benefit	To form groups that can stick together	To create and sustain positive hierarchies	To avoid disease or other harm
Universal Triggers	When a child shows signs of pain or distress	A cheater or someone who works well with a group	An external conflict that the group has to deal with together	Someone claiming authority or submitting to another	People or animals carrying disease
Modern-Day Triggers	A cute video, an animal at a rescue shelter	Being faithful to your partner, shoplifting	Any sort of organized team	Respect in the workplace for superiors	Concepts like fascism
Typical Emotions	Empathy	Frustration, thankfulness	Pride, anger at a betrayal	Esteem, terror	Revulsion
Virtues Associated	Generosity, sympathy	Objectivity	Allegiance to a group	Acquiescence	Restraint, faith

(ایک چھٹا ریسپٹر آزادی اور ظلم کا ہے، اس کا ذکر بعد میں)

یہ وہ کونگنیٹو ماڈیول ہیں جو ہمیں وہ ذہانت بخشتے ہیں کہ ہم سماجی نوع بن سکیں۔ ساتھ لگی تصویر میں اس تھیوری کا ابتدائی ورژن ہے جس میں ہر ماڈیول کے اصل ٹرگر، موجودہ ٹرگر، اس سے منسلک جذبات اور متعلقہ اقدار کا ذکر ہے۔

سوالات و جوابات

Farhat Yasmeen

جناب! موجودہ دور میں اس بنیاد پر ایک اور ریسپیٹر بھی ہے

"ورچول ریسپیٹر"

موجودہ دور میں اخلاقی اور معاشرتی طور پر اسٹیمیولیشن کا کردار بہت بڑا ہے۔ دنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی اسٹیمیولیشن میں زندگی بسر کر رہی ہے۔ جس میں باقی "چھ ریسپیٹر" کا بار بار اور کثرت سے استعمال ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ ریسپیٹر جنہیں خاص حالات میں متحرک ہونا ہوتا ہے وہ تقریباً ہر وقت "آن" رہتے ہیں اور یوں یہ ایک معمول بن جاتے ہیں۔

یاد ہے! اس سیریل کی پہلی قسط میں آپ نے "ڈی کینیو" کے بے ساختہ اخلاقی ایکشن کا ذکر کیا تھا۔۔۔ اس طرح کے کئی بے ساختہ ایکشن (اچھے یا برے) آج ہماری زندگیوں میں عام ہیں۔

آج کے دور میں دنیا کی کثیر آبادی اپنے وقت کا بڑا حصہ (بعض جگہوں پر یہ کم بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس کے اثرات بھی مختلف) اسٹی میولیشن میں گزارتی ہے۔ اور اس طرح کے بے ساختہ ایکشن ہماری زندگی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ یعنی ہماری اخلاقی نفسیات میں مزید تنوع پیدا ہو رہا ہے۔ آپ اس سمت میں درست رہنمائی فرمائیں؟؟

Wahara Umbakar

میں نے کیا کہنا ہے اور کیا نہیں۔ کس لہجے میں بات کرنے ہے، کیا رد عمل دینا ہے۔ کن کاموں سے باز رہنا ہے۔ کس سے کیا تعلق رکھنا ہے۔ زندگی میں یہ فیصلے ہم ہر وقت لے رہے ہوتے ہیں۔ اکثر شعوری طور پر نہیں۔ کسی گہری سوچ میں غرق ہونے کے بعد نہیں۔۔۔۔ ان سب کی بنیاد ہماری اخلاقی حسیات ہیں۔



اخلاق کی مٹھاس

فرض کیجئے کہ آپ کا چار سال کا بیٹا ہے جسے ہسپتال لے جایا گیا ہے تاکہ آپریشن کر کے اس کے اپینڈکس کو نکالا جاسکے۔ آپ کو اجازت ہے کہ ایک کھڑکی سے آپریشن ہوتا دیکھ سکیں۔ آپ کے بیٹے کو بے ہوش کیا گیا ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ وہ لیٹا ہوا ہے۔ اب سرجن کا چاقو اس کے پیٹ کو کاٹ رہا ہے۔ کیا آپ کو یہ دیکھ کر راحت محسوس ہوگی؟ آخر کار، یہ چاقو اس کی جان بچائے گا۔ یا پھر آپ کو اتنی تکلیف ہوگی کہ آپ نظر دوسری طرف کر لیں گے؟

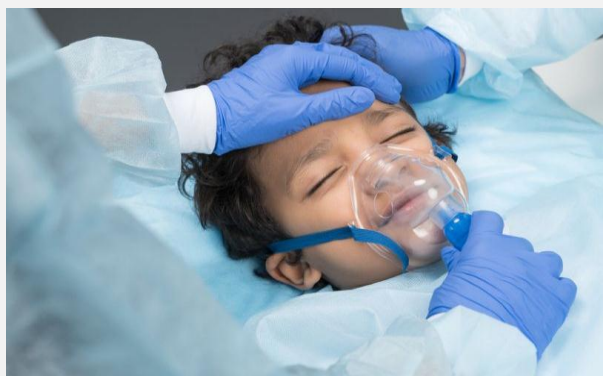
آپ کا نظر دوسری طرف کر لینا یا اس سے تکلیف محسوس کرنا (پوٹیلیٹیرین نکتہ نظر سے) ایک غیر منطقی عمل ہے۔ ایسا کرنے کی کوئی تک نہیں بنتی۔ لیکن ہمارے ذہن کے ماڈیول کے آؤٹ پٹ کی نظر سے یہ بالکل درست ہے۔ ہم کسی بھی قسم کے تشدد اور تکلیف سے جذباتی ردِ عمل دیتے ہیں۔ خاص طور پر اگر یہ بچے پر ہو۔ اور زیادہ خاص طور پر اپنے بچے پر۔ اور اگرچہ ہم شعوری طور پر جانتے ہیں کہ نہ ہی ایسا کرنے سے اسے کوئی تکلیف ہو رہی ہے اور نہ ہی یہ تشدد ہے۔ لیکن منطق کام نہیں کرتی۔

اب آپ سرجری ہوتی دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ دو نرسیں آپریشن تھیٹر میں ہیں۔ ایک نوجوان اور ایک بوڑھی۔ دونوں آپریشن پر پوری توجہ دے رہی ہیں۔ لیکن بوڑھی نرس درمیان میں کبھی کبھار آپ کے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیر رہی ہے۔ جیسے اسے تسلی دے رہی ہو۔ پیار کر رہی ہو۔ نوجوان نرس اپنے کام سے کام رکھ رہی ہے۔

فرض کیجئے کہ ہمارے پاس سو فیصد ثبوت ہے کہ گہری بے ہوشی میں آپ کا بیٹا نہ ہی سنتا ہے اور نہ ہی محسوس کرتا ہے۔ لیکن آپ کا ان نرسوں کے بارے میں کیا ردِ عمل ہوگا؟

اگر آپ سخت منطقی ہیں تو پھر کوئی ترجیح نہیں ہونی چاہیے۔ بوڑھی نرس نے کچھ بھی ایسا نہیں کیا جس سے تکلیف میں کمی آئی ہو یا سرجری کے نتیجے پر فرق پڑا ہو۔ بلکہ اگر سخت منطقی ہیں تو شاید بوڑھی نرس کے نمبر کاٹ لیں کہ وہ بغیر سوچے سمجھے ایسا کرنے سے وقت ضائع کر رہی ہے۔ اور ایسا صرف اپنے جذبات کی بنا پر ایسا کر رہی ہے۔

لیکن اگر آپ اس قدر سخت منطقی نہیں بلکہ ایک عام انسان ہیں تو پھر آپ بوڑھی نرس کو ترجیح دیں گے۔ اور ایسا کرنے میں کوئی شرمندگی کی بات نہیں۔ آپ کا اس کو پسند کرنا اور تعریف کرنا بالکل درست ہے۔ اس نرس نے دیکھ بھال کی خوبی کو اس قدر اپنا لیا ہے کہ اس وقت بھی ایسا کرتی ہے جب اس کا اثر نہ ہو۔ یہ پرواہ کرنے کی نیکی ہے۔ جو کہ انسان کی انتہائی خوبصورت شے ہے۔



یہ اچھے اخلاق کی مٹھاس ہے، جو ہم سب کو بھاتی ہے۔

پچھلی چند اقساط کو سمیٹتے ہوئے۔

۱۔ اخلاقیات کئی اعتبار سے ویسے ہیں جیسے ذائقے۔

۲۔ یوٹیلٹیرین یا ڈیونٹولوجی جیسے روایتی خیالات ”ایک ذائقے والی اخلاقیات“ ہیں۔

۳۔ جذبات کی مرکزیت والا اور کثیر جہتی طریقہ اخلاقی نفسیات کی بہتر وضاحت کرتا ہے۔

۴۔ ایک نیک ذہن کے لئے سماجی ذائقوں کے اچھے امیدواروں میں سے پرواہ، انصاف، وفاداری، اتھارٹی اور تقدیس ہیں۔

نفسیات میں تھیوری بنانا سستا کام ہے۔ کوئی بھی انہیں ایجاد کر سکتا ہے۔ لیکن ہم آگے اس وقت بڑھتے ہیں جب تھیوری کی جانچ، سپورٹ اور تصحیح ایمپیریکل مشاہدات سے کی جائے۔ اور خاص طور پر اس وقت جب ایک تھیوری مفید اور اہم ہو۔ مثلاً، وہ اس بات کی وضاحت کر سکے کہ ان کے ملک میں رہنے والی آدھی آبادی کسی اور ہی اخلاقی دنیا میں کیوں رہتی ہے؟ اور اب ہم اس سمت کو چلتے ہیں۔

سوالات و جوابات

Danish Raees

بہترین سر

سرخٹ منطقی رویہ عموماً بہت کم ہوتا ہے۔۔۔۔۔ کیا اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم کسی بھی قسم کے تشدد تکلیف یا خوشی میں جزباتی رد عمل دیتے ہیں۔۔۔۔۔ یا اس کی وجہ اور بھی ہو سکتی ہیں۔۔۔۔۔

Wahara Umbakar

یہ بات درست ہے کہ سخت منطقی رویہ انسان میں نہیں پایا جاتا۔ ایسا ضرور ہے کہ جذباتیت کی ڈگری کا فرق پایا جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف، یہ بھی عام ہے کہ بہت بار انسانوں کو منطقی مشین کے طور پر دیکھا جاتا ہے یا آئیڈیلائز کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ایک مغالطہ reason کو مقدس بنانے کا ہے۔ ایک دوسرا مغالطہ معاشی پالیسیوں میں انسان کو Homo Economicus سمجھنے کا۔ جس کے لئے اولین ترجیح اپنا ذاتی مفاد زیادہ سے زیادہ کرنے کی ہوتی ہے۔

Shoaib Nazir

کبھی کبھار سوچتا رہتا ہوں۔۔۔
آپ ہم چند لوگوں کو جو تسلسل کے ساتھ کمٹنس کرتے رہتے ہیں۔۔۔
اچھے سے پہچانتے ہوں گے؟۔
ان میں سے کوئی ایک دس سال کے لیے فیس بک سے آؤٹ رہنے کے بعد واپسی پہ کمٹ کرے تو پہچان جائیں گے؟۔

Wahara Umbakar

ایسے لوگ جن سے دس سال پہلے اچھی گفتگو رہتی تھی، کیا آج یاد ہیں؟ ہاں۔

Itz Rayan

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ اپنا لائف پارٹنر منطقی طریقے سے choose کرنا چاہیے۔ کیا ایسا کیا جاسکتا ہے؟

Wahara Umbakar

اپنے ایک پرانے آرٹیکل سے اقتباس:

"نکاح کے وقت نکاح خوان کے سوال "قبول ہے" کے جواب میں دلہن کا اقرار انفارمیشن کی ایک ہٹ ہے۔ (یہ صرف ہاں یا نہیں ہو سکتا تھا)۔ لیکن اس ایک ہٹ کے اپنے نیچے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ مستقبل سے خوبصورت امیدیں، ماضی کے کچھ خوشگوار لمحے، خوف یا

جبر، بزرگوں کی عزت کا مان یا کچھ بھی اور۔ انفارمیشن کی ایک بٹ کے نیچے جو کچھ ہے، وہ اس انفارمیشن کے نیچے دبی گہرائی ہے۔ " اس میں منطق کا بھی عمل دخل ہوتا ہے (مثلاً، کیا یہ شخص مالیاتی طور پر اتنا مستحکم ہے؟) لیکن سو فیصد نہ ہی ہو سکتا ہے اور نہ ہی ایسا رشتہ کام کرے گا۔ کامیاب شادیوں کے لئے باقی سب عوامل سے زیادہ شادی کے بعد خوشگوار تعلق برقرار رکھنے کے لئے کی جانے والی محنت ہے۔

Humaira Rashid

"یہ اچھے اخلاق کی مٹھاس ہے، جو ہم سب کو بھاتی ہے۔"

Saleem Baloch

کہتے ہیں کہ کوئی کتنا ہی بڑا ڈاکٹر کیوں نہ ہو۔ لیکن اسے اپنے قریب ترین رشتے دار مثلاً بیٹا۔ بیٹی۔ بھائی۔ بہن وغیرہ کو آپریشن۔ سرجری کرنے کے لئے Allowed نہیں ہوتا کیونکہ اس سے اسے بعد میں بہت سے نفسیاتی مسائل کا سامنا ہوتا ہے یا وہ نفسیاتی طور پر مجروح ہو جاتا ہے۔ بعد میں وہ ڈاکٹر پہلے والا ڈاکٹر نہیں رہتا اگر اس چیز پر تھوڑا بہت روشنی ڈالے تو بڑی مہربانی ہوگی۔

Wahara Umbakar

چقرب رشتہ دار پر سرجری کرنا اچھا فیصلہ نہیں۔ اس کے کئی فیکٹر ہیں۔ مثال کے طور پر ایک بہت اچھا سرجن ہے جس کا آپریشن میں کامیابی کا تناسب پچانوے فیصد ہے۔ اب اس نے اپنے بیٹے کا آپریشن کرنا ہے۔ اگر ناکام ہونے والے پانچ فیصد آپریشنز میں سے ایک اس کے بیٹے کا رہا؟ یہ تمام عمر چپکائی جانے والی قیمت ہوگی۔

یا پھر آپریشن کے درمیان کوئی مشکل فیصلہ لیا جانا ہے۔ قریب کے تعلق میں اس کو objectively کرنا آسان نہیں ہوگا۔



سوالنامہ

نیچے کچھ سوال دئے گئے ہیں۔ آپ نے یہ بتانا ہے کہ آپ کو کتنے پیسے دئے جائیں کہ آپ اس کام کو کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے۔
آپ کو کی جانے والی ادائیگی کا کسی کو پتا نہیں لگے گا اور اس کے بعد آپ کو کسی قسم کے قانونی نتائج کا سامنا نہیں کرنا ہوگا۔
آپ اپنے جواب میں ان میں سے ایک انتخاب کر سکتے ہیں۔

۱۔ مفت میں

۲۔ پانچ سو روپے

۳۔ پچاس ہزار روپے

۴۔ پانچ لاکھ روپے

۵۔ کسی بھی قیمت پر نہیں

سوال نمبر ایک:

الف: اپنے بازو میں ایک سوئی چھوئیں (سوئی جراثیم سے پاک ہے)۔-----

بے: ایک چھوٹے بچے، جس کو آپ نہیں جانتے، کے بازو میں سوئی چھوئیں (سوئی جراثیم سے پاک ہے)۔-----

سوال نمبر دو:

الف: ایک مہنگے ٹیلی ویژن کا مفت تحفہ کسی سے قبول کر لیں۔ اس کو کمپنی نے غلطی سے یہ بھیج دیا تھا۔-----

بے: ایک مہنگے ٹیلی ویژن کا مفت تحفہ کسی سے قبول کر لیں۔ اس نے یہ ایک گھر سے چوری کیا ہے۔-----

سوال نمبر تین:

الف: اپنے ملک کے بارے میں منفی تبصرہ کریں (جس کو آپ جانتے ہیں کہ درست ہے)۔ یہ تبصرہ آپ نے اپنے ملک کے ایک ریڈیو پروگرام میں گمنام کالر کے طور پر کرنا ہے۔۔۔۔۔

بے: اپنے ملک کے بارے میں منفی تبصرہ کریں (جس کو آپ جانتے ہیں کہ درست ہے)۔ یہ تبصرہ آپ نے اپنے دشمن ملک کے ایک ریڈیو پروگرام میں گمنام کالر کے طور پر کرنا ہے۔۔۔۔۔

سوال نمبر چار:

الف: اپنے دوست کو (اس کی اجازت سے) چہرے پر ایک تھپڑ سید کریں۔۔۔۔۔

بے: اپنے والد کو (ان کی اجازت سے) چہرے پر ایک تھپڑ سید کریں۔۔۔۔۔

سوال نمبر پانچ:

الف: آدھے گھنٹے کا ایک غیر معیاری سیٹج ڈرامہ دیکھیں جس میں اداکار بے وقوفانہ حرکتیں کرتے ہیں، بار بار گر جاتے ہیں اور ایسے مذاق کرتے ہیں جن پر ہنسی نہیں آتی۔۔۔۔۔

بے: آدھے گھنٹے کا ایک غیر معیاری سیٹج ڈرامہ دیکھیں جس میں اداکار زیر جاموں میں ملبوس ہیں، جانوروں والی حرکات کرتے ہیں اور مخرب اخلاق مذاق کرتے ہیں جن پر ہنسی نہیں آتی۔۔۔۔۔

اگر آپ نے اپنے جوابات لکھ (یا سوچ) لئے ہیں تو ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اپنے بازو میں سوئی چھونے کے علاوہ باقی تمام سوال ایسے ہیں جو براہ راست آپ کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ اگر آپ سخت منطقی (ہو مو اکنا میکس) ہیں تو پہلے کے سوال باقی نو میں جھجکنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی۔

لیکن ان میں سب سے اہم ایک سوال کے دو حصوں کا آپس میں موازنہ ہے۔ الف حصے اور بے حصے میں ہو مو اکنا میکس کے لئے فرق

کرنے کی کوئی بھی وجہ نہیں۔ لیکن اگر آپ نے کسی بھی سوال کے ”بے“ حصے میں ”الف“ کی نسبت زیادہ قیمت لگائی ہے تو مبارک ہو۔ آپ ایک اصل انسان ہیں، کسی دانشور کا تخیل نہیں۔ آپ اپنے محدود ذاتی مفاد سے آگے کی فکر کرتے ہیں۔ آپ کی اخلاقی بنیادیں کام کر رہی ہیں۔

”ہر بے لوث کام، ہیرو ازم یا انسانی شرافت کے پیچھے یا تو خود غرضی ہے یا بے وقوفی“۔ یہ والا نکتہ نظر کئی ماہرین سماجیات رکھتے رہے ہیں جن کی نظر میں انسان Homo economicus ہے۔ ایسی مخلوق جو اپنی زندگی کے تمام انتخابات ویسے کرتی ہے جیسے سپر مارکیٹ میں کوئی چیز خریدی جا رہی ہو کہ سب سے کم قیمت پر سب سے اچھی شے کیسے ملے گی۔ اگر آپ کی نظر میں انسانی فطرت کا تصور ایسا ہے



تو پھر رویے کے ریاضیاتی ماڈل بنانا آسان ہے کیونکہ پھر ایک ہی اصول کافی ہے۔ ذاتی مفاد۔

لوگ وہی کریں گے جس سے وہ کم قیمت پر زیادہ فائدہ اٹھا سکیں۔

یہ سوالنامہ اس مقبول نکتہ نظر کی خامیوں کو واضح کر دیتا ہے۔

یہاں پر ہر سوال میں دیا گیا جوڑا اسی نوعیت کا ہے کہ یہ اخلاقی بنیاد کے ایک حصے سے فیصلہ لاتا ہے۔ پہلا سوال پرواہ پر ہے۔ (بچے کو تکلیف پہنچانا)۔ دوسرا انصاف پر (حق تلفی سے فائدہ اٹھانا)۔ تیسرا وفاداری پر (اپنے ملک پر تنقید دوسروں کے سامنے کرنا)۔ چوتھا اتھارٹی کے بارے میں (اپنے والد کا احترام نہ رکھنا)۔ پانچواں تقدیس پر (ناگوار اور degrading اعمال میں ملوث ہونا)۔

یہ وہ بنیادیں ہیں جو ہماری اخلاقی فطرت کا حصہ ہیں۔ ان کا استعمال مختلف نوعیت سے اور مختلف درجے تک ہوتا ہے۔ اور یہ ہماری مختلف اخلاقی میٹرکس تعمیر کرتی ہیں۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

سوئی والے معاملے سوال میں، میرا سوال یہ ہے کہ سوئی چھونے کی نوعیت/مقدار کیا ہوگی؟/ باقیوں میں میرا جھکاؤ ہر سوال کے الف کی طرف ہے۔۔
میں کس کمیٹیگری میں ہوں؟؟؟۔

Wahara Umbakar

سوئی کا مطلب انجیکشن والی sterile سوئی ہے۔
دوسرے سوال کے بارے میں آرٹیکل سے اقتباس۔
"مبارک ہو۔ آپ ایک اصل انسان ہیں، کسی دانشور کا تخیل نہیں۔ آپ اپنے محدود ذاتی مفاد سے آگے کی فکر کرتے ہیں۔ آپ کی اخلاقی بنیادیں کام کر رہی ہیں۔"

Shoaib Nazir

خیر مبارک۔۔۔
تحریر پڑھتے میں سمجھا تھا یہ مبارک میرے لیے نہیں۔۔۔
ایک سوال تھا جس کے لیے کوئی متعلقہ پوسٹ نہیں مل رہی تھی۔۔۔
یہیں کر دیتا ہوں۔۔۔
وہ یہ کہ۔۔۔

مغرب کے بارے میں میرا خیال ہے کہ وہ مہذب لوگ ہیں۔۔۔
امریکیوں کو، یورپیوں کو میں اخلاقی لحاظ سے ہم سے بہتر خیال کرتا ہوں۔۔۔
ایسے مناسب لوگوں نے کیسے مڈل ایسٹ کی قریب ساری جنگوں و شورشوں میں اپنا حصہ ڈالا؟۔

کیسے یہ لوگ ڈرون اٹکس میں معصوموں کو مار سکتے ہیں۔۔؟۔۔
کیونکر؟۔

کیا امریکہ میں افغانستان میں مارے جانوں والوں، پاکستان میں ڈرون اٹکس میں مارے جانوں والوں پر شرمندگی محسوس کی جاتی ہے؟
اگر نہیں تو کیوں؟۔

اگر ہاں تو

حملے کے وقت رد عمل آیا تھا؟۔

Wahara Umbakar

مغرب میں بہت سے مہذب لوگ ہیں۔ ویسے ہی جیسے مشرق میں ہیں۔
دنیا میں سو فیصد کے قریب لوگ ایسے ہوں گے جو جنگ کو ناپسند کرتے ہیں لیکن کیا جنگ کرنا غیر مہذب فعل ہے جس سے ہمیشہ بچنا
چاہیے؟

اس میں ایک نکتہ نظر pacifism کا ہے، جس کے مطابق ہر قسم کی جنگ اور تشدد اور عسکریت immoral ہے۔ تاہم عام طور پر اس
کو عملیت پسند نکتہ نظر نہیں سمجھا جاتا۔ بہت کم لوگ اس مکتبہ فکر سے متفق ہوتے ہیں۔
اور اگر پیسیفزم کو مہذب سمجھنے کے مغالطے کو ایک طرف رکھ دیں (آئندہ اقساط میں اس کا ذکر ہوگا) تو پھر جنگ میں دونوں فریقین کا
perspective بھی دیکھ سکتے ہیں۔

Shoaib Nazir

آپ نے نے دو نقطہ ہائے نظر کا ذکر کیا۔۔

اس بارے میں کتنے نقطہ ہائے نظر ہیں میرا سوال یہ نہیں تھا۔۔

(آپ کے کمنٹ سے جو مجھے سمجھ آئی کثیر دنیا پیسیفزم کی قائل نہیں۔ تو ظاہر ہے مغرب بھی شامل ہے)۔

نکتہ یہ تھا کہ مغرب نے خاص کر یہ اقدام اٹھانے کے بعد کبھی guilt محسوس کیا؟/

آپ نے جو فرمایا کہ مغرب میں بہت سے مہذب لوگ ہیں جیسے مشرق میں۔۔

واقعی؟؟؟؟۔

JEaPota

اس سوال کے جواب کے لیے سر کے کمٹ کے آخری حصے پر غور کرنا ہو گا۔ کہ جنگ میں دونوں فریقین کے نقطہ نظر کو دیکھنا پڑے گا مغرب نے مڈل ایسٹ پر جو جنگیں مسلط کیں کیا وہ ان کی نظر میں بھی غلط تھیں۔
ہم نے پڑھا تھا کہ جب نیٹو عراق پر حملے کی تیاری کر رہا تھا تو برطانیہ میں لوگوں نے مظاہرے کیے تھے جن کا نعرہ یہ تھا کہ تیل کے لیے خون نہیں

لیکن کیا وہی لوگ عراق پر حملہ ناکر کرنے کی قیمت اس صورت میں ادا کرنے کو تیار ہوتے کہ ان کو اگلے دن تیل تین گنا مہنگا لینا پڑتا۔
مفادات جب اخلاقیات سے ٹکراتے ہیں تو شاید کچھ ایسا ہی ہوتا ہے سامنے زخ ہوتی مرغی دیکھ کر کچھ کو تکلیف ضرور ہوتی ہے مگر بریانی سب ہی پسند کرتے ہیں۔

دوسرا یہ کہ اگر یہ جنگیں ناکی جاتیں تو بقول مغرب دہشت گردی بڑھ جاتی اس دعوے کو غیر جانبداری سے جانچ کر نتیجہ لیا جاسکتا ہے کہ کیا ان کا موقف درست تھا یا غلط۔ (میری اس پر کوئی ذاتی رائے نہیں ہے)

Wahara Umbakar

فرض کیجئے کہ یوکرائن اور روس کی موجودہ جنگ میں میرا تعلق یوکرائن سے ہے (اس مثال میں کوئی بھی دو ملک لئے جاسکتے ہیں)۔ کیا روسی فوج کے حملے کے جواب میں خاموش رہ جانا اچھائی سمجھی جائے گی؟
فرض کیجئے کہ میں کمیونزم کو ایک بڑی برائی اور لوگوں کے ساتھ ظلم سمجھتا ہوں۔ (یہاں پر کوئی بھی اور نظریہ ہو سکتا ہے)۔ کیا اس کو پھیلنے سے روکنا اور اس کے لئے عملی اقدامات کرنا میرے لئے اچھائی ہوگی؟ یا گھر بیٹھ کر چپ چاپ اسے پھیلنے دیکھنا؟

فرض کیجئے کہ میرے آگے ظلم ہو رہا ہے اور میں اسے روکنے کی طاقت رکھتا ہوں۔ اور فرض کیجئے کہ میں اچھا انسان ہوں۔ کیا non-violence کی گنجائش ہے؟

عملی دنیا میں pacifism پر کشش، مگر بے کار نظریہ حیات ہے۔

عام امریکی اپنی افواج کی دنیا میں موجودگی کو کس نظر سے دیکھتا ہے؟ اس پر امریکہ میں کوئی اتفاق نہیں۔ افغانستان کی شکست کے بعد جنگ کی خواہش میں کمی آئی ہے۔ (اس سے پہلے ایسا ویتنام کی جنگ میں شکست کے بعد بھی ہوا تھا)۔

ڈرون حملے امریکہ کی نظر میں کم سے کم collateral damage کے ساتھ حذف کو نشانہ بنانے کی کوشش تھے۔ جنگی ہتھیار کے طور پر کامیاب رہے۔ جنگی حکمت عملی کے طور پر ناکام۔

JEaPota

اُس (سینسر شدہ اقتباس) پر لائنک رپلائی بھی نہیں ہونے دے رہے

Wahara Umbakar

جی۔ میں نے بھی اب اسے سنسور ہی کر دیا ہے۔

Farhat Yasmeeen

ہر بے لوث کام، ہیر و ازم یا انسانی شرافت کے پیچھے یا تو خود غرضی ہے یا بے وقوفی۔۔۔

خود غرضی کے پیچھے تو کسی نہ کسی طرح منطق کار فرما ہے۔۔۔ مگر بیوقوفی؟؟؟

جناب! بیوقوفی کرنے کی سائنسی وجوہات کیا ہو سکتی ہیں؟؟

Wahara Umbakar

فرض کیجئے کہ مجھے ایک بچہ نظر آ رہا ہے جو دریا میں ڈوب رہا ہے۔ میں کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر اس کو بچانے کے لئے دریا میں کود جاتا ہوں۔

اگر سرد منطق سے حساب لگاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ میری کامیابی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے جبکہ میں نے اس کے لئے اپنی زندگی کا بڑا خطرہ مول لیا۔ ایسا کرنا، ریاضی کے اعتبار سے، غلط فیصلہ تھا۔ بے وقوفانہ عمل تھا۔

اب میں نے اسے واقعی بچا لیا۔ اور ہیر و بن گیا۔ منطقی لحاظ سے مجھے کاندھوں پر اٹھائے ہوئے لوگ میری بے وقوفی کو celebrate کر

رہے ہیں۔

لیکن یہ بے وقوفی اس وقت ہے اگر ہم انسان کی کامیابی ذاتی مفاد کو maximize کرنے کے نظر سے دیکھیں۔

ہیرو ازم کسی بھی طرح کا ہو۔ کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ اپنے اصولوں کی خاطر اپنا نقصان کر لینا ہیرو ازم ہے۔ جنگ میں شکست سامنے نظر آنے کے باوجود وطن کے دفاع کے لئے ڈٹ جانا اور جان داؤ پر لگانا ہیرو ازم ہے۔ کامیابی کا امکان کم ہونے کے باوجود اپنا سرمایہ نئے کاروبار میں لگا دینا ہیرو ازم ہے۔

منطق ہیرو ازم کی حمایت نہیں کرتی۔ اور اسی لئے ہم ایسے کام کرنے والوں کو celebrate کرتے ہیں۔

ہم بڑی حد تک خود غرض ہیں لیکن محض خود غرضی ہمارے تمام رویوں کی وضاحت کرنے میں ناکام رہتی ہے۔ اس خیال کی زیادہ وضاحت اور پھر deconstruction آنے والی اقساط میں۔



پرواہ

”فطرت ایک نوزائیدہ بچے کو بہت پیچیدہ دماغ دیتی ہے، لیکن اس کی وائرنگ سخت نہیں، لچکدار ہے اور تبدیل ہو سکتی ہے۔“
یہ گیری مارکس کا کہنا ہے جو نیوروسائنٹسٹ ہیں۔

ایک اور استعارہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیدائش کے وقت انسان ایک کتاب کا ابتدائی مسودہ ہے جو کہ جینیات کی مدد سے لکھا گیا ہے۔ اس کا کوئی بھی باب پیدائش کے وقت مکمل نہیں۔ کچھ باب ابھی ناپختہ خاکے ہیں جن کو بچپن میں بھرے جانا ہے۔ لیکن کوئی ایک بھی باب --- خواہ زبان ہو، خوراک کی ترجیحات، جنسیات یا اخلاقیات --- ایسا نہیں کہ یہ کورا کاغذ ہے جس پر معاشرہ کچھ بھی لکھ دے۔
فطرت یہ پہلا مسودہ فراہم کر دیتی ہے۔ یہ زندگی کے تجربات سے گزرنے سے پہلے کی تنظیم ہے، جسے تبدیل ضرور کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ تبدیلی ہے جس کو ہم مختلف کلچرز اور مختلف نظریات میں دیکھتے ہیں۔

رینگنے والے کیڑوں کو سرد سمجھا جاتا ہے۔ نہ صرف سرد خون والے، بلکہ سرد دل بھی۔ ان کے انڈوں میں سے بچے نکلنے کے بعد کئی انواع کی مائیں ان کو بچانے میں بالکل دلچسپی نہیں رکھتیں۔ لیکن ممالیہ ایسے نہیں۔ ان میں ماں اور بچے کا بڑا رشتہ خاص ہوتا ہے۔ پرائمریٹ میں دوسرے ممالیہ سے زیادہ جبکہ انسان میں، جس کا بچہ پیدائش کے وقت بڑا لاچار ہوتا ہے، یہ تعلق بہت زیادہ ہے۔ اور بچے کی پرورش صرف ماں کے بس کی بات نہیں۔ اسے مدد کی ضرورت ہے۔

اس صورت میں ایسا ممکن ہی نہیں تھا کہ انسانی فطرت میں ممتا کا باب خالی رہ جاتا۔ اور ماؤں کو محض کلچرل ہدایات یا تجربات پر چھوڑ دیا جاتا۔ مائیں اگر جبلی طور پر بچے تکلیف، پریشانی یا ضروریات سے حساسیت نہیں رکھیں گے تو پھر بچے پرورش نہیں پاسکیں گے۔ ماں کی ممتا آفاقی جذبہ ہے۔

اور یہ جبلی علم صرف ماؤں کی ضرورت نہیں۔ ایک بچے کی پرورش میں کئی لوگوں کی شمولیت ہوتی ہے۔ اور اس کیلئے کسی کی ضرورت یا تکلیف پر رد عمل درکار ہے۔ جیسا کہ بچے کے رونے پر۔ اپنے بچے کی تکلیف ”پرواہ کے ماڈیول“ کا اصل ٹرگر ہے۔ اور اس کی مدد سے

بچوں کی دیکھ بھال اور پرورش کے چیلنج سے نمٹا جاتا ہے۔

اور یہ محض بنائی گئی کہانی نہیں ہے۔ یہ attachment theory ہے جس کے حق میں اچھے شواہد ہیں۔ یہ تھیوری بتاتی ہے کہ ماں اور بچہ ایک دوسرے کے رویوں کو کس طرح ریگولیٹ کرتے ہیں تاکہ بچے کو حفاظت اور آزادی کا توازن میسر آ سکے۔



کسی اصل ٹرگر سے جنم لینے والے موجودہ ٹرگر کا سیٹ بڑا ہوتا ہے۔ اس کیلئے ساتھ لگی تصویر کو دیکھ لیں۔ شاید آپ کو یہ بچہ پیارا لگا ہو۔ اگر ایسا ہے تو پھر اس کی وجہ یہ ہے کہ ذہن کا ردِ عمل بچوں کے چہروں اور بڑوں کے چہروں پر یکساں نہیں۔ یہ پہچان لینا کہ یہ بچے کا چہرہ ہے اور اس سے ہونے والا بھلا احساس خود کار ہیں۔ یہ ہمارے ذہن کو اس کی طرف جھکا دیتی ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ آپ کا بچہ نہیں لیکن پھر بھی فوری جذباتی ردِ عمل آتا ہے۔ کیونکہ پرواہ کی یہ بنیاد کا چھڑ جانا کسی بھی بچے کو دیکھ کر ہو سکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس کے ساتھ کا کھلونا بھی پیارا لگا ہوگا۔ یہ کھلونا ہے، بچے نہیں لیکن کھلونے بنانے والی کمپنی نے اس کو ڈیزائن اسی طرح کیا ہے کہ یہ ہمارے اس ماڈیول کو چھیڑیں۔

چوتھا یہ کہ بچے کا اس کھلونے سے لگاؤ ہے۔ یہ دوسروں کو اسے ضرر پہنچاتے نہیں دیکھ سکتا، کیونکہ اس کا اپنا ایڈجسٹسٹم اور پرواہ کرنے کی حس کی بنیاد نارمل ہیں۔

اور اگر ایک بچے کی تصویر آپ کے بٹن دباتی ہے تو تصور کریں کہ اگر کسی بچے (یا کسی پیارے جانور) پر آپ تشدد ہوتا دیکھیں یا اسے خطرے میں دیکھیں تو آپ کے جذبات کیسے ہوں گے؟

اس بات کی منطقی لحاظ سے تک نہیں بنتی کہ آپ کو ایک اجنبی بچے کی پرواہ کیوں ہو۔ کسی دور دراز کے ملک میں ایک بچے کو بھوکا دیکھ کر دل کیوں دکھے۔ یا کسی کو جانور کو مارنا دیکھ کر آپ کو غصہ کیوں آئے۔ لیکن ہمارے اخلاقی ڈیزائن کو اس منطق کی پرواہ نہیں۔ دور دراز کے

ملک کا اجنبی بھوکا بچہ بھی ہمارا دل دکھا دیتا ہے۔

ہمارا بائیولوجیکل ڈیزائن ہمیں یہ نہیں بتاتا کہ کوئی خاص آنسو کیوں بہتا ہے۔ صرف یہ کہ ہمارے پاس آنسو کی نالی ہے۔ اور یہ نالی کسی کی تکلیف دیکھ کر کام شروع کر دیتی ہے۔ بائیولوجی کو اس کے اصل ٹرگر کی وضاحت کرنا ہوتی ہے۔ اس کے موجودہ ٹرگر تیزی سے تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔

سماجی تحریکیں یا سیاسی پارٹیاں ہمارے اس ڈیزائن کو استعمال کرتی ہیں تاکہ ان کے ایشو ہمارے اخلاقی ماڈیول کو چھیڑیں۔ آپ کا وقت یا پیسہ یا توجہ یا ووٹ حاصل کرنے کے لئے انہیں آپ کی اخلاقی فاؤنڈیشن میں سے کم از کم کسی ایک کو متحرک کرنا ہے۔ اور پرواہ ان میں سے ایک ہے۔

اپنے حق میں رائے سازی کے لئے بنے پوسٹروں اور اشتہارات (یا سوشل میڈیا پر کی گئی پوسٹ) میں مظلوم اور معصوم بچوں کا استعمال اسی لئے کیا جاتا ہے۔

کیونکہ ہم سب پرواہ کی قدر رکھتے ہیں۔ اور اس میں خاص طور پر معصوم بچے ہماری کمزوری ہیں۔ یہ ہمارے لئے اخلاقیات کا معاملہ ہے۔

سوالات و جوابات

Farhat Yasmeeen

جناب! "پرواہ" اور "محبت" میں ٹیکنیکی کیا فرق ہے؟؟ محبت، پرواہ سے شدید جذبہ ہے یا کم تر؟؟ کیونکہ محبت بھی انسانی اخلاقیات کا اہم ترین جز ہے۔ تو اسے ہم اخلاقیات کی کون سی سیڑھی پر رکھیں گے؟؟ جبلی ہے یا معاشرتی؟؟

Wahara Umbakar

کسی آفت زدہ علاقے میں یا کسمپرسی کی حالت میں زندگی بسر کرنے والے کی مدد پر جو جذبہ ابھارتا ہے، وہ پرواہ کا ہے۔ محبت کا نہیں۔ محبت ایک الگ اور ایک بہت اہم جذبہ ہے۔ لیکن یہ اخلاقیات کا موضوع نہیں۔

Farhat Yasmeen

جناب! یہی تو معلوم کرنا ہے یہ اخلاقیات سے ہٹ کر کس شعبے کا حصہ ہے؟؟
 ایک ماں، ایک باپ، ایک استاد، ایک شوہر، ایک بیوی، ایک دوست اولاد، ایک ہم وطن زندگی میں کئی بار محبت کی گردان کرتے ہیں۔۔ تو
 یہ اخلاقیات کے علاوہ کس شعبے کا حصہ ہے؟؟

Wahara Umbakar

محبت کے لفظ کو اگر کھولا جائے تو یہ ایک شے کا نام نہیں۔ مثال کے طور پر، رومانوی محبت کا جذبہ ممتا سے بالکل الگ ہے۔ جو کہ دوستی
 سے مختلف چیز ہے۔ بیٹے کی والد سے محبت اور والد کی بیٹے سے محبت ایک جیسا جذبہ نہیں۔
 تجریدی چیزوں سے محبت (مثلاً، اپنے وطن سے یا اپنے کام سے) ایک اور ہی طرح کا جذبہ ہے۔
 اس کے ایک پہلو پر ایک پرانی پوسٹ یہاں سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/1707040139398588/>



انصاف

فرض کیجئے کہ دفتر میں آپ کا ایک ساتھی آپ کو پیشکش کرتا ہے کہ وہ ایک ہفتہ آپ کے حصے کا کام بھی کر لے گا تاکہ آپ اپنی چھٹی کو ایک ہفتہ بڑھا سکیں۔ آپ کو کیسا محسوس ہوگا؟ اگر آپ ”سخت منطقی“ ہیں تو آپ کو خوشی محسوس ہوگی آپ کو مفت کی شے مل گئی ہے۔ لیکن اگر آپ عام انسان ہیں تو پھر آپ جانتے ہیں کہ یہ ایک احسان ہے۔ اور اگر آپ یہ پیشکش قبول کرتے ہیں تو اپنے دل میں اس کے لئے ابھرنے والے احسان مندی کے جذبات سے آپ اس کا شکریہ ادا کریں گے۔ اس کی مہربانی کی تعریف کریں گے اور اگر اسے ایسی مدد کبھی ضرورت پڑی تو امکان ہے کہ آپ خود بھی ایسا ہی کریں گے۔

ارتقائی تھیورسٹ اکثر اوقات ہمارے جین کو ”خود غرض“ کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ اپنے سے بننے والے جاندار کے صرف انہی رویوں پر اثر انداز ہوتی ہیں جن کی مدد سے ان جین کی کاپیاں زیادہ سے زیادہ آگے پھیلیں۔ لیکن اخلاقیات کے منبع کی تلاش میں ملنے والی اہم ترین بصیرت یہ ہے کہ ”خود غرض“ جین سے ”بے لوٹ“ مخلوق ابھر سکتی ہے۔

لیکن اس بے لوٹ مخلوق کو اپنی سخاوت اور فراخ دلی کے بارے میں منتخب ہونا پڑتا ہے۔ اپنے رشتہ داروں سے کی جانے والی مہربانیاں تو معمہ نہیں لیکن انسان اپنے بے غرضی کے جذبے اس کو صرف اپنے قریبی رشتہ داروں تک محدود نہیں رکھتے۔ اور اس کی وجہ طویل عرصے تک ایک چیلنج تھا۔ اس معمے کو حل کرنے کا ایک خیال رابرٹ ٹریورز کا تھا جن کا reciprocal altruism پر پیپر 1971 میں شائع ہوا۔

ٹریورز کا کہنا تھا کہ ایک نوع میں بے غرضی کا جذبہ اس وقت ہوگا اگر اس کے افراد یہ یاد رکھ سکیں کہ دوسروں نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہے۔ اور جنہوں نے اچھا سلوک کیا ہے، ان کے احسان کو بدلہ چکا سکیں اور انسان ایک ایسی ہی نوع ہے۔ ٹریورز کا پیش کیا گیا خیال ”ادلے کا بدلہ“ کا تھا۔ ہم عام طور پر کسی سے پہلی بار ملیں تو اس سے اچھی طرح پیش آتے ہیں۔ لیکن بعد میں ہم اس بارے

میں منتخب ہو جاتے ہیں۔ جو ہم سے اچھا ہے، اس سے اچھے رہتے ہیں۔ جبکہ جو ہمارے بھلے ہونے سے فائدہ اٹھانا چاہے اس سے دور رہتے ہیں۔

انسانی زندگی میں باہمی تعاون کے بہت سے مواقع ہیں۔ اگر ہم ٹھیک طرح سے رہیں تو دوسروں کے ساتھ ملکر ایسے کام کر سکتے ہیں جن کا فائدہ سب کو ہو۔ ہمسائے ایک دوسرے کے گھروں کی نگہبانی کر سکتے ہیں۔ ہم سب مل جل کر کھا سکتے ہیں۔ ایک دوسرے کو برتنے کی چیزیں ادھار دے سکتے ہیں۔ ساتھی ایک دوسرے کے کام میں مدد کر سکتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملکر کام کرنے سے ہم سب ہی اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ تعاون، مہربانی اور احسان۔۔۔ ہر ایک کی زندگی بہتر بنا دیتا ہے۔

لیکن ایک مسئلہ ہے۔

فرض کیجئے کہ کسی کی حکمتِ عملی ہے کہ ”جس کو بھی مدد کی ضرورت ہو، اس کی مدد کی جائے“ تو یہ دوسروں کو فائدہ اٹھالینے کی دعوت ہے۔ جبکہ ”مدد لی جائے لیکن کی نہ جائے“ کی حکمتِ عملی کا مطلب یہ ہے کہ جلد ہی وہ وقت آجائے گا جب کوئی آپ کا ہاتھ بٹانے کو تیار نہیں ہوگا۔ ان کے مقابلے میں جبکہ ”ادلے کا بدلہ“ کی حکمتِ عملی ایک اچھا توازن دے گی۔

انصاف پسندی کی بنیادی اخلاقی قدر کا یہ اصل ٹرگر ہے۔ بڑے پیمانے پر تعاون اس وقت تک ممکن نہیں جب تک دھوکہ دہی کرنے والوں کو اس کی سزا نہ ملے اور وہ اس تعاون کا ایک طرفہ فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ بھروسے کے قابلِ اعتماد نیٹ ورک اسی طرح بن سکتے ہیں۔ ہم کسی کی طرف سے کی گئی بے غرض مدد کو پسند کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کرے یا ہماری بے غرضی کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے تو ہمارا ردِ عمل غصے اور ناگواری کا ہوتا ہے۔

ہمیں ایسا رویہ ناپسند ہے۔

انصاف کے اس ماڈیول کے موجودہ ٹرگر میں بہت سی چیزیں ہیں۔ ایک طرف سماجی انصاف اور برابری کے خیالات اسی بنیاد پر ہیں۔ طاقتور اور امیر لوگ اگر معاشرے میں اپنی طاقت اور رتبے کا فائدہ اٹھاتے ہیں تو یہ ہمیں طیش دلاتا ہے یا اگر لوگ اپنے حصے کا ٹیکس نہیں دیتے تو ہمیں اسی لئے یہ بالکل پسند نہیں آتا۔

اور دوسری طرف، اگر لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ ان کی کئی محنت سے فائدہ وہ لوگ اٹھاتے ہیں جو مفت خورے اور کاہل ہیں، تو بھی اس پر ہونے والی ناگواری اسی باعث ہے۔

FAIRNESS



ہم سب سماجی انصاف کی پرواہ کرتے ہیں۔
تاہم اس کی دو بڑی اقسام ہیں۔ بائیں بازو

کے خیالات میں اس کا مطلب برابری ہے یعنی ممکنہ حد تک ہر ایک کو معیشت میں سے برابر ملے۔ جب کہ دائیں بازو کے خیالات میں اس کا مطلب تناسب ہے یعنی لوگوں کو اتنا ملے جتنا وہ معیشت میں حصہ ڈالتے ہیں، خواہ اس کا مطلب غیر مساوی نتائج ہوں۔

معیشت اور سیاست کی یہ دیرینہ بحث اسی بنیاد پر ہے۔ اور بنیادی طور پر اخلاقیات کی بحث ہے۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

رہنمائی کیجیے گا۔۔

عام طور پر سماج میں ہمیں یہ کہ کر کہ آپ پڑھے لکھے سنجیدہ آدمی ہیں تحمل مزاجی کا مظاہرہ کریں۔۔ برداشت کا مادہ پیدا کریں۔۔۔

مثبت سوچیں۔۔۔

ہر کسی سے اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔۔۔ وغیرہ۔۔۔

درج بالا نصیحتوں کی بارش تب ہوتی ہے جب کہیں کسی معاملے پر جھگڑا ہو جائے۔۔

ہمارے سخت رویے کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔۔

میرا سوال یہ ہے کہ ایسے میں رہنمائی کی جے گا کہ ہمیں کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟۔

کیا ہم صرف یہ سوچ کر کہ میں تعلیم یافتہ آدمی ہوں مجھے ان کاموں میں نہیں پڑنا چاہیے۔۔۔

رک جانا درست ہے یا جہاں بات غلط و درست کی ہو مجھے ڈٹ جانا چاہیے۔۔

چاہے کوئی کچھ بھی سوچے؟؟؟۔ نیز

ہمارے ہاں موٹیوشنل اسپیکرز صرف مثبت سوچنے پر ہی تبلیغ کرتے رہتے ہیں (زیادہ تر) ایسے میں یہ بتائیے گا کہ کچھ لوگ جو ہوتے ہی

نوسرباز ہیں۔۔ معاشرے میں بگاڑ کی وجہ بنتے ہیں۔۔

ان کے ساتھ کیسا رویہ رکھا جائے؟؟؟۔

کیا ان کا برابر مقابلہ کیا جائے؟۔ یا نظر انداز؟۔

سوشل میڈیا پر اگر کوئی بد تہذیبی کرتا ہے تو بلاک کا آپشن ہے۔۔۔

حقیقی زندگی میں اگر بلاک کا آپشن نہ ہو تو کیا کیا جائے؟؟۔

کچھ لوگ روز منہ لگ ہی جاتے ہیں۔۔۔

یا ہمارا اور ان کا سسٹم کچھ ایسا ہوتا ہے کہ نہ چاہتے ہوئے منہ لگنا پڑتا ہے۔۔

حالانکہ ہم انھیں دل سے بلاک کر چکے ہوتے ہیں۔۔۔

ایسے میں کیا کیا جائے؟؟؟۔

خلاصہ

جابل / گنوار / بد تہذیب / بد تمیز لوگوں کے ساتھ کیسے برتاؤ ہونا چاہیے۔۔؟؟

خاص کر جب وہ سماج ہر اثر انداز ہو رہے ہوں؟۔

Wahara Umbakar

تخل مزاجی، برداشت، اچھا اخلاق، مثبت سوچ، سخت رویے سے بچنا۔۔۔ یہ کسی بھی شخص میں موجود اچھی صفات ہیں۔ اور یہ آٹومیٹک

نہیں، خود کو ان کی تربیت دینی پڑتی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ ان کی ضرورت ہی اس وقت پڑتی ہے جب ماحول بہت خوشگوار نہ ہو اور کسی سے کوئی اختلاف یا تنازعہ ہو۔

اسی طرح، کسی کی کہی بات کی مثبت تشریح لینا بھی بہت مفید مہارت ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاشرے میں برے لوگ موجود نہیں اور یہ طریقہ ہر جگہ اور موقع کے لئے کارآمد ہے۔ اگر کوئی فائدہ اٹھانا چاہے یا دھوکہ دینا چاہے یا مجھے روند دینا چاہے یا کسی سے زیادتی کرے تو اسے نظر انداز کرنا غیر اخلاقی ہے۔ اس سے حسبِ موقع نمٹنا (تدبیر یا زبانی یا جسمانی جارحیت سے) اچھا اخلاق ہے۔ یہ کسی دوسرے کو حدود میں رہنا سکھاتا ہے۔

Hassan Raza

سر آخر میں جو بات کہی ہے آپ نے اس سے دشمنی بڑھنے کا امکان زیادہ نہیں ہو جائے گا؟؟ وہ شخص جو مجھے واقعی غصہ دلانا چاہتا تھا اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جائے گا؟؟ کیا فرق رہ جائے گا اس کے اور میرے درمیان؟؟ پلیز رہنمائی کریں اگر میں غلط سمجھا ہوں آپ کے بات کو...

Wahara Umbakar

اگر آپ کے سامنے ایک شخص دوسرے سے زیادتی کر رہا ہے تو کیا غصہ آنا درست ہے یا نہ آنا؟ اگر کوئی شخص آپ کے ساتھ زیادتی کر رہا ہے تو کیا غصہ آنا درست ہے یا نہ آنا؟



وفاداری

مظفر شریف نے 1954 میں ایک تجربہ کیا۔ ان کے کیمپ میں گیارہ اور بارہ سال کی عمر کے بائیس بچے آئے جو ایک ہی پس منظر سے تعلق رکھتے تھے لیکن ایک دوسرے کو پہلے سے نہیں جانتے تھے۔ ان کو گیارہ بچوں کے دو گروپس میں ان کو تقسیم کیا گیا۔ اوکلو ہوما کے ایک سٹیٹ پارک میں ان کو الگ کیمپوں میں رکھا گیا۔

تجربے کے پہلے مرحلے میں ایک ہفتے کے لئے دونوں ٹیموں کے ممبران کا آپس میں تعلق مضبوط کرنے کی ایکٹیویٹی دونوں گروپس کو الگ تھلگ رکھ کروائی گئیں۔ اس میں اکٹھے پہاڑیوں کی چڑھائی، تیراکی جیسے کھیل تھے۔ ایک ٹیم نے اپنے نام کا انتخاب 'عقاب' اور دوسرے نے 'ناگ' کیا۔ ان ناموں کے جھنڈے اور قمیضیں انہوں نے خود تیار کیں۔

اگلے ہفتے میں دوسرا مرحلہ ان کے مقابلے کا تھا اور اس میں ایسی کھیلیں تھیں جو ایک دوسرے کو ہرانے کے لئے تھیں۔ اس میں رسہ کشی، بیس بال جیسے مقابلے تھے اور ان میں صرف جیتنے والے کے لئے انعام تھے۔ مخالفین سے مقابلے کی اس فضا میں دوران ان کا ایک دوسرے سے رویہ بد سے بدتر ہوتا گیا۔ ایک دوسرے پر آوازے کسنے سے شروع ہو کر پھر گالی گلوچ تک پہنچ گیا۔ پھر یہاں تک بات آگئی کہ عقابوں نے ناگوں کا جھنڈا جلادیا۔ اس کا بدلہ لینے کے لیے اگلے روز ناگوں نے عقابوں کا کیمپ اکھاڑ دیا، بستر الٹا دیا اور ان کی چیزیں اٹھا کر لے گئے۔ چند ہی روز میں یہ معاملہ اس قدر بڑھا کہ ان کو زبردستی الگ کرنا پڑا۔

دو روز ان کو ٹھنڈا ہونے کے بعد سب کو ایک سروے دیا گیا جس میں گروپ کے بائیس ممبران کے بارے میں رائے پوچھی گئی۔ تقریباً تمام ممبرز نے اپنے گروپ کے بچوں کے لئے اچھی اور مخالف گروپ کے بچوں کے لئے بری رائے دی۔

یہاں پر یہ یاد رکھیں کہ یہ مڈل کلاس گھرانوں کے عام بچے تھے۔ ان خاندانوں سے تھے جہاں دونوں والدین موجود تھے۔ تمام کا تعلق ایک ہی نسل اور ایک ہی مذہب ہی گروپ سے تعلق تھا۔

ہم اپنے ذہن کے اس والے حصے کو جلد پہچان سکتے ہیں۔ ہماری اقدار میں اپنے گروہ سے وفاداری کی بڑی اہمیت ہے۔

کسی وقت میں یہ خیال تھا کہ انسان ہی وہ واحد نوع ہے جو جنگ اور قتل و غارت گری کرتی ہے۔ لیکن یہ درست نہیں۔ ایسا ہمیں دوسری انواع میں عام نظر آتا ہے۔

مثال کے طور پر، چمپنزی اپنے علاقے کا دفاع کرتے ہیں۔ مخالفین کے علاقوں پر حملے کرتے ہیں۔ ہمسائیوں کے نز کو قتل کر کے ان کی زمین اور مادہ چھین لیتے ہیں۔ اور جنگ انسان میں بھی نئی نہیں۔ زراعت اور نجی ملکیت سے پہلے بھی جنگ انسان کی زندگی کا حصہ رہی ہے۔ مخالفین سے مقابلہ، دفاع اور حملوں سے بچنے کے چیلنج انسان کو ہمیشہ سے ہیں۔ ہماری کامیابی کامیاب گروہ بندی کی وجہ سے ہے، نہ کہ انفرادیت کی بنا پر۔

یہ سماجی نوع ہونے کا نتیجہ ہے۔



وفاداری اور بے وفائی کی اخلاقی بنیاد
ہمارے جبلی ڈیزائن کا حصہ ہے۔ یہ
ہمیں گروہ کا موثر ممبر بناتی ہے۔ کون
ہماری ٹیم کا حصہ ہے اور کون ٹیم سے
وفادار نہیں؟

ہم اپنی گروہ بندی کی صفت کو اتنا پسند کرتے ہیں کہ اپنی تفریح کے لئے بھی کھیلوں کی ٹیمیں بناتے ہیں جن کا مقصد ہی ٹیم کی مقابلہ بازی ہے۔

کھیلوں کی نفسیات کی بنیاد اسی پر ہے۔ اس میں ہم اپنی ٹیم کی فتح کے لئے اپنی پوری صلاحیت کو جھونک دیتے ہیں تاکہ ٹیم کے لئے ٹرائی حاصل کی جاسکے۔

ٹیم کے وفادار ممبر کے ساتھ ہی منسلک ایک اور جذبہ بے وفا سے نفرت کا ہے۔ اس کو دشمن سے زیادہ برا سمجھا جاتا ہے۔

جنگ میں دشمن کی بہادری کو سراہا جاسکتا ہے لیکن غداری کو کبھی نہیں۔ یہ ناقابلِ معافی جرم قرار پاتا ہے۔ ہماری اخلاقی اقدار میں طمع، تشدد، ہوس سے زیادہ بدتر اپنوں سے، اپنی ٹیم سے، اپنی قوم سے بے وفائی کو سمجھا جاتا ہے۔

ہم مختلف طرح کے گروہوں کے ممبر ہیں۔ خاندان، کمیٹیاں، تنظیمیں، ٹیمیں، سیاسی جماعتیں، ممالک، سوشل میڈیا کے گروپ۔۔۔ گروہی وفاداری کی اخلاقی قدر کے بغیر یہ ممکن نہ ہوتا۔

سوالات و جوابات

Rizwan Ahmad

سر کیا ہو مومبلیئس، ہومو ایرکٹس اور نینڈر تھلیے ایک دوسرے اور جدید انسان سے جنگ میں ہی ختم ہوئے کہ فریق مخالف کا نشان تک باقی نہیں چھوڑے گئے

Wahara Umbakar

دوسری انسان نمائندوں کے اختتام کے بارے میں کئی اندازے ہیں لیکن معلوم نہیں ہے کہ ان کا خاتمہ کیسے ہوا۔

Farhat Yasmeen

جناب! بے وفائی کو انسانی اخلاقی اقدار میں ناپسند کیا جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کسی کے اخلاقی اقدار میں بے وفائی کب اور کیوں داخل ہوتی ہے؟؟

Wahara Umbakar

انسان بڑی حد تک خود غرض ہے۔ جبکہ اخلاقی اقدار خود غرضی سے روکتی ہیں۔ اقدار کے منافی رویے کی خود یا تو خود غرضی ہے یا پھر کسی اور اخلاقی قدر سے ہونے والا ٹکراؤ۔

مثال کے طور پر میں مجرموں کے گروہ کا ممبر ہوں۔ ہم سب ملکر جرائم کرتے ہیں۔ ایسے گروہ سے بے وفائی کی ایک وجہ احساسِ جرم بھی ہو سکتا ہے۔۔۔۔۔

ShoaibNazir

ہم میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں۔۔ میری کوئی سیاسی جماعت نہیں۔۔ کوئی فرقہ / مسلک نہیں۔۔ کیا ایسا نیوٹرل ہونا درست ہے؟۔
یا یہ ممکن ہی نہیں۔۔ وہ ہمیں کہہ رہے ہیں کہ درحقیقت نہیں۔۔

WaharaUmbakar

اگر انسان میں سے نظریات کو ہٹا دیا جائے تو خود غرضی ہی باقی بچے گی۔ نظریات ہمیں، ایسا ضرور ہے کہ کسی خاص معاملے میں میری دلچسپی یا خاص رائے نہ ہو۔ لیکن کسی بھی معاملے میں نہ ہو؟ انسان ایسے نہیں ہوتے۔

ShoaibNazir

کیا یہ وفاداری و بے وفائی کا جذبہ ماحول سے سیکھا نہیں جاتا؟؟۔ یا جذبہ بنیادی طور ہے بس شپ کر دیا جاتا ہے۔۔
'اور وفاداری اور بے وفائی کی اخلاقی بنیاد ہمارے جبلی ڈیزائن کا حصہ ہمیں گروہ کا ممبر بناتی ہے۔ کون ہماری کون ٹیم وفادار نہیں؟'

WaharaUmbakar

گروہ سے وفاداری کی قدر یونیورسل ہے۔ اور انسان کو پر امن بنانے والی غالباً سب سے اہم قدر ہے۔



فرمانبرداری

ہائیٹ واقعہ لکھتے ہیں، ”میں ایک ٹیکسی میں تھا۔ میں نے ڈرائیور سے پوچھا کہ کیا وہ اپنی عمر امریکہ میں رہنا چاہتا ہے یا پھر واپس اردن چلا جائے گا؟ اس کا دیا گیا جواب مجھے یاد رہے گا۔ اس نے بتایا کہ وہ حال ہی میں باپ بنا ہے اور واپس اردن چلا جائے گا کیونکہ وہ کبھی ایسا نہیں چاہتا کہ اس کا بیٹا بڑا ہو کر اسے گالی دے۔ زیادہ تر امریکی بچے کبھی اپنے والدین کو ایسا نہیں کہتے لیکن کچھ براہ راست یا بالواسطہ ایسا کرتے بھی ہیں۔۔ مختلف کلچرز میں والدین، اساتذہ اور اتھارٹی کے دوسرے کرداروں کے احترام کے درجے میں بڑا فرق ہے۔“

اخلاقیات کا یہ حصہ ہر معاشرے میں ہے۔ صرف یہ کہ یکساں طور پر نہیں۔

درجہ بندی کے ایسے تعلقات اتنے گہرے ہیں کہ زبانوں پر ان کا اثر نظر آتا ہے۔ اردو میں کسی کو پکارنے کے لئے ”آپ“، ”تم“ اور ”تو“ کے لفظ کا چناؤ مخاطب کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ فرنجی میں احترام کے لئے vous اور غیر رسمی طور پر tu استعمال کیا جاتا ہے۔ امریکہ میں احترام سے مخاطب کرنے کے لئے اس کا آخری نام لیا جاتا ہے اور ساتھ لقب لگایا جاتا ہے (مثلاً، مسز سمتھ یا ڈاکٹر جونز) جبکہ غیر رسمی طور پر پہلا نام لیا جاتا ہے۔ اگر آپ کسی دکان پر جائیں اور ایک اجنبی سیلز مین آپ کو ”تم“ کہہ کر مخاطب کرے تو شاید آپ کے چہرے میں ناگواری کی لہر آجائے۔ اسی طرح اگر امریکہ میں بڑی عمر کے شخص کو پہلے نام سے پکاریں تو ایسا ردِ عمل ہوگا۔ لیکن کیوں؟

یہاں پر جو اخلاقی ماڈیول متحرک ہوتا ہے یہ احترام اور فرمانبرداری کا ہے۔

حیوانات کی دنیا میں گروہوں کی صورت میں رہنے والی انواع میں درجہ بندی والی (hierarchical) تنظیم نظر آتی ہے۔ مرغ، کتے، چمپنزی جیسے جانوروں میں نچلے درجے کے افراد پہچانے جاسکتے ہیں۔ وہ خود کو چھوٹا اور بے ضرر دکھاتے ہیں۔ اور اگر کسی کے رتبے کو نہ پہچان سکیں تو اس کا نتیجہ پٹائی کی صورت میں نکلتا ہے۔

یہ طریقہ کوئی ”اخلاقی“ بنیاد والا تو نہیں لگتا بلکہ طاقتور کی طرف سے کمزور پر ظلم کا لگتا ہے۔ لیکن اتھارٹی اور طاقت کو آپس میں گڈمڈ نہیں

کئے جانا چاہیے۔ چمپینزی میں رتبے کا تعلق طاقت اور دوسرے کو مارنے کی صلاحیت سے ہے۔ لیکن بالادست نر کئی ایسے کام کرتے ہیں جو سماجی فائدے کے ہیں۔ مثلاً ”کنٹرول کا کردار“ ادا کرنا۔ الفامیل کا کام جھگڑے نمٹانا بھی ہے اور اگر گروہ میں کوئی واضح طور پر بالادست نر نہ ہو تو نتیجہ گروہ میں ہونے والے پر تشدد تنازعات کی صورت میں نکلتا ہے۔ پرائماٹولوجسٹ ڈی وال کا کہنا ہے کہ ”رتبے پر اتفاق اور اتھارٹی کے احترام کے بغیر سماجی اصول کا احترام نہیں کیا جاتا۔“

انسان چمپینزی کی طرح پر تشدد نوع نہیں اور ان میں احترام کا مطلب صرف طاقت نہیں۔ کنٹرول کا کردار ہمیں ہر انسانی گروہ میں نظر آتا ہے۔ قدیم تہذیبوں میں اور انسانی قبائل میں بھی یہ نمایاں ہے۔ ہمیں جو قدیم قانونی لکھائی ملتی ہے، اس میں بادشاہ کے احترام پر زور ہے۔ اور بادشاہ کا کام انصاف اور نظم قائم رکھنے کا ہے۔

اٹھارہویں صدی قبل مسیح میں ہامورابی کی تختیوں میں بھی سب سے پہلے نکتے میں یہی بتایا گیا ہے۔ ”میں خدا سے ڈرنے والا ہامورابی ہوں جس کا کام زمین پر انصاف کو قائم کرنا ہے۔ برائی اور مکاری کا خاتمہ کرنا ہے تاکہ طاقتور کمزور کو نقصان نہ پہنچا سکے۔“

انسانوں میں اتھارٹی کا مقصد نظم اور انصاف کا قیام ہے۔ ظاہر ہے کہ بالادست اپنے فائدے کے لئے اپنے زیر دست کا استحصال کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ جو کر رہے ہیں، وہ بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آپ اس بات کو سمجھنا چاہتے ہیں کہ انسانی تہذیبوں نے محض چند ہزار سالوں میں پوری زمین پر کیسے قبضہ کر لیا تو ہمیں احترام اور فرمانبرداری کے کردار کو دیکھنا ہو گا۔ یہ اخلاقی نظم کی بنیاد ہے۔

کئی جگہوں پر ہائیرارکی، طاقت، استحصال اور evil کو ہم معنی لیا جاتا ہے۔ لیکن یہ تاثر غلط ہے۔

ابلیں فسک کی تھیوری چار قسم کے سماجی تعلقات کا بتاتی ہے جس میں ایک ”اتھارٹی رینٹنگ“ ہے۔

”اتھارٹی رینٹنگ میں لوگوں کا رتبہ برابر نہیں ہوتا۔ اس میں نیچے والے اپنے سے اوپر والوں کی عزت کرتے ہیں، ان کی بات مانتے ہیں

اور ان کے فیصلوں پر انحصار کرتے ہیں۔ جبکہ اوپر والوں کی ذمہ داری اپنے سے نیچے والوں کی دیکھ بھال ہے۔ اس کی ایک مثال فوج کی ہائیرارکی ہے۔ درجہ بندی کے سخت نظام کے بغیر یہ ادارہ کام نہیں کر سکتا۔

اتھارٹی رینٹنگ کی بنیاد جائز asymmetry پر ہے، جبری طاقت پر نہیں۔ لازمی نہیں کہ یہ رشتہ استحصال کا ہو۔

احترام کی یہ اخلاقی بنیاد پیچیدہ ہے۔ کیونکہ یہ ماڈیول بیک وقت اوپر اپنے superior کو اور نیچے اپنے subordinate کو دیکھتا ہے۔ ہم ان آباء کی اولاد ہیں جو اس کھیل کو کامیابی سے کھیلتے رہے ہیں اور گروہی نظم برقرار رکھ کر معاشروں کی تعمیر کرتے رہے ہیں۔

لوگ اس کا خیال رکھتے ہیں کہ کس کا مقام کہاں پر ہے۔ اور جیسے ہی اس نظم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، ہمیں فوری طور پر اس کا احساس



ہوتا ہے۔ خواہ اس سے کسی کو براہ راست کوئی ضرر نہ پہنچے۔ اگر اس کا جزوی مطلب نظم قائم رکھنا اور chaos سے بچنا ہے تو پھر ہر کسی کا مفاد اس میں ہے کہ موجودہ نظام برقرار رہے اور لوگوں کی جوابدہی اپنی پوزیشن کے حساب سے ہو۔

اس اخلاقی بنیاد پر احترام، بے عزتی، فرمانبرداری، نافرمانی، تسلیم، بغاوت جیسی چیزیں ہیں۔

اس کے موجودہ ٹرگرز میں روایت، ادارے اور ایسی اقدار ہیں جو معاشرے کو مستحکم رکھتی ہیں۔

وفاداری کی طرح ہی فرمانبرداری کی اخلاقی قدر کنزرویٹو نظریات میں لبرل نظریات کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

مارکسسٹ پر امید دکھائی دیتے ہیں کہ ایک نہ ایک دن اس دنیا میں سرمایہ دار نہ ظالم نظام کا مکمل خاتمہ ہو جائے گا۔
مساوات ہوگی۔

اور انسان پر امن رہیں گے۔۔

انسانی فطرت و اخلاقی نفسیات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ بتائیے گا کہ کیا یہ ممکن ہے؟؟؟۔

نیز

وہ انسانی ابتدائی دور کی اکثر مثال دیتے رہتے ہیں۔۔

جس سے تاثر تو یہی ملتا ہے کہ وہ سنہری دور تھا۔

یہ کس دور کی بات کر رہے ہوتے ہیں؟؟۔

Wahara Umbakar

مارکسزم کے بارے میں ای اوولسن کا اچھا فقرہ ہے۔

Good ideology, wrong species

Shoaib Nazir

آپ نے یہ جملہ پہلے بھی کسی پوسٹ پر کوٹ کیا تھا۔

پچھلے منگل کو میں اور عرفان صاحب اس جملے کو لے کر بات کر رہے تھے۔۔۔

مجھے لگا تھا آج بھی یہی جواب آئے گا

Wahara Umbakar

یہ فقرہ اصل میں مارکسزم کے بڑے مسئلے کی نشاندہی کرتا ہے۔ ای اوولسن نے اس کو چیونٹیوں کی سٹڈی میں کہا تھا۔ ان کے خیال میں یہ

نظام اس نوع کے لئے ٹھیک تھا مارکسزم کاغذ پر ایک بہترین نظام ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ انسان اپنی فطرت رکھتے ہیں۔ ہم خود غرض بھی ہیں، incentives سے متاثر ہوتے ہیں، مسابقت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ مفت خوری کو ناپسند کرتے ہیں۔ انسانی فطرت لامحدود malleable نہیں جسے "تربیت" سے بدلا جاسکے۔ ایسے کئی مسائل ہیں جن کو مارکسزم سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔

Shoaib Nazir

یہ سوالات خصوصاً ہمارا صاحب سے ہیں۔

کوئی اہل علم اپنی رائے دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

ایک ایسا شخص جو بچپن سے مذہبی رہا ہو مگر وقت کے ساتھ ساتھ سائنس و منطق کے مطالعہ کے بعد وہ خیالات و افکار میں تصادم کا شکار ہو گیا ہو تو اسے ایسے میں کیا کرنا چاہیے؟۔

سوال کو اگر بالکل ٹو دی پوائنٹ کر دیا جائے تو

کچھ یوں ہے۔۔

آج تک کے علم سے خدا کو ثابت کرنے کی کوئی بھی منطقی و سائنسی کوشش ناکام کوشش محسوس ہوتی ہے۔ تو کیا ہم سمجھیں خدا کا کوئی وجود ہے ہی نہیں؟؟؟۔

درج بالا سوال کو اگر جلد بازی یا ہٹ دھرمی کہ دیا جائے تو اس کی بالکل الٹ صورتِ حال کے لیے ہمارے پاس کون سا معروضی ذریعہ ہے؟۔۔

یعنی ہم کیسے کہہ سکتے کہ خدا ہے۔۔؟۔

خدائی وجود کی نفی یا حمایت میں ہم کوئی ایک سائیڈ کیسے اور کیونکر لے سکتے؟؟۔

اگر خدائی وجود کی سائیڈ مضبوط دلائل ہیں تو "منظبوط ترین" کون سا ہے؟۔

اگر اجازت ہو تو بالخصوص اسلام پر بھی بات کی جائے۔

مقصد یہ ہے کہ کسی بھی خاص مذہب/کلچر/ثقافت وغیرہ میں پیدا ہونے والا شخص سچائی کی تلاش کے لیے جن سوالات کا انتخاب کرتا ہے وہ اسی بنیادی نظریے پر اٹھائے گئے سوالات ہوتے ہیں۔۔

اجازت ہو تو احاطہ بڑھا دیا جائے۔۔؟

سولات کا ایک سلسلہ ہے جن کا بنیادی ماخذ ایک ہی ہے۔

"وجود خدا"۔

اگر یہ معمہ حل ہو جائے تو بقیہ سوالات یا تو خود بخود حل ہو سکتے ہیں یا کم از کم سولات کی مقدار کم ہو سکتی ہے۔

جستجو پلیٹ فارم پر یہ سولات اس لیے کیے جا رہے ہیں کہ یہ گروپ اپنی متنوع خاصیت کی وجہ سے جانا جاتا ہے۔۔

Wahara Umbakar

آخر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں ہر علاقے میں، ہر زمانے میں، ہر معاشرے میں مذہب کو مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے؟

موجودہ دور میں ایک سروے کے مطابق امریکی کسی یہودی یا مسلمان کو صدر کے طور پر قبول کرنے کو تیار ہیں لیکن کسی لامذہب کو نہیں؟

آخر ایسا کیوں ہے کہ ایک معاشرے میں لامذہب لوگ ہمیشہ سے رہے ہیں لیکن چھوٹی اقلیت میں؟

ہزاروں سال پرانے مذاہب سے اربوں لوگوں کو وابستگی ہے اور اس کے کم ہونے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا؟ جب بھی اسے زبردستی

دبایا گیا ہے (مثال کے طور پر سوویت یونین میں) تو نسلوں سے لگی پابندی اٹھ جانے کے بعد بھی یہ اسی شدت سے واپس آئے؟

ایسا کیوں ہے کہ عقلی طور پر تیار کردہ نظریات (مثال کے طور پر کمیونزم یا نیو لیبرزم) بہت جلد پٹ جاتے ہیں؟

مذاہب کے انتہائی موثر ہونے کی وجہ (افراد اور سماجی سطح پر) یہ ہے کہ اس میں موضوع اور مخاطب ذہن کا مہاوت نہیں بلکہ ہاتھی

ہے۔

Shoaib Nazir

آخری پیرے کی وضاحت درکار ہے۔۔

بقیہ پیرے پر رائے۔۔

شاید انسانی فطرت و نفسیات ایسی ہے جس میں ایک اتھارٹی بنا کر پوجا جاتا ہے۔۔۔

اس کے بغیر ممکن نہیں۔۔۔

جیسے آپ نے اسی یعنی اخلاقی نفسیات کے سلسلے میں بہت ساری انسانی جبلتوں کا ذکر کیا۔۔۔

جن کا خلاصہ بس اتنا ہی تھا کہ یہ ہم میں بس ہیں۔۔۔

جیسے پرواہ۔۔

گروہ سے وفاداری۔۔۔

گروہ بنانا وغیرہ۔۔۔

یا

شاید

ماضی کے انسان نے انسانوں کو کنٹرول کرنے کے لیے ایک انتہائی طاقتور ذات کا کانسیٹ اپلائی کیا ہو جو بے حد کامیاب رہا ہو۔۔

مذاہب میں جزا سزا کے تصور سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے۔۔۔

تاکہ بدمعاش لوگ کنٹرول میں رہیں۔۔۔

لیکن اصل سوال یہ نہیں ہے۔۔۔

اصل سوال یہ ہے کہ

کیا خدا اپنا خارجی وجود رکھتا ہے؟؟؟؟۔۔۔

ہمارے پاس کیا ایسا کوئی معروضی ذریعہ ہے جس سے ہم جانچ سکیں۔۔۔؟؟؟؟۔

آج تک انسانوں کی کثیر تعداد مانتی آئی ہے تو ثبوت بھی تو کثیر ہونے چاہیے تھے مگر کیوں نہیں؟؟۔

Wahara Umbakar

اس میں آخری پیرا گراف ہی اہم ہے۔

مثال کے طور پر، ایسی کیا وجہ ہے کہ تمام مذاہب جسمانی صفائی کو مقدس سمجھتے ہیں۔

صفائی نصف ایمان ہے۔

Cleanliness is next to Godliness

جسمانی صفائی کا بالواسطہ تعلق اخلاقی صفائی سے ہے۔

اگرچہ منطقی طور پر اس کی تک نہیں بنتی لیکن اچھے اخلاق کے لئے جس کو یہاں چھیڑا جا رہا ہے، وہ منطق یا عقل نہیں بلکہ intuition ہے۔ یہ ہمارا ذہنی ہاتھی ہے جس کے ہاتھ میں زندگی کا بڑا کنٹرول ہے۔

"کیا خدا اپنا خارجی وجود رکھتا ہے؟؟؟؟۔۔۔"

پہلے ایک وضاحت۔ خدا پر یقین رکھنا اور مذہبی ہونا لازم و ملزوم نہیں۔

اس پر صدیوں سے مباحث چلے آ رہے ہیں۔ جواب، جواب الجواب، جواب الجواب کے طویل سلسلے ہیں۔ جب مذہبی مبلغین، جیسا کہ رچرڈ ڈاکنز یا ان کے مخالف ڈیوڈ ہارٹ، اس بارے میں لکھتے ہیں تو بنیادی طور پر مقصد اپنے عقائد کا عقلی دفاع ہے۔ اگر وجود سے مراد ویسا وجود ہے جیسا کسی شخص کا یا کسی فلکیاتی جسم کا۔۔۔ تو نہیں ایسا وجود نہیں ہے۔

"ہمارے پاس کیا ایسا کوئی معروضی ذریعہ ہے جس سے ہم جانچ سکیں۔۔۔؟؟؟؟؟"

اگر ثابت یا غیر ثابت کرنے کا معروضی طریقہ ہوتا تو یہ بحث کب کی ہمیشہ کے لیے سمٹ نہ گئی ہوتی؟

"آج تک انسانوں کی کثیر تعداد مانتی آئی ہے تو ثبوت بھی تو کثیر ہونے چاہیے تھے مگر کیوں نہیں؟؟۔"

زمانہ طالب علمی میں فلسفے کی ایک کلاس میں یہ سوال اسائنمنٹ کے طور پر دیا گیا تھا۔ کہ "فرض کر لیجئے کہ آپ خدا کی جگہ پر ہیں اور اپنے ہونے کا ایک ایسا ثبوت تمام انسانوں کو دینا چاہتے ہیں جس کو جھٹلایا نہ جاسکے، تو وہ ثبوت کیا ہوگا؟"

اس کا جواب دینے کے لئے ایک مہینہ دیا گیا تھا۔ اس پر غور کرنا بہت دلچسپ ایکسرسائز تھی

Sardar Irfan Zulfiqar

مذہب مؤثر تو ہے لیکن سوال مؤثر ہونے سے زیادہ گہرا ہے، یعنی اس کی سچائی کا۔ اپنی مخصوص حساسیت و انفرادی نوعیت کے باعث اس موضوع پر شاید سوالات و جوابات کا یہ سلسلہ زیادہ مؤثر نہ ہو اس لیے کوئی بصیرت بھری بات جس سے یقین کی دنیا میں داخل ہوا جا

سکے اور بے یقینی اور لاحاصلی کے فکری ہیجان سے نجات مل سکے بتادیں۔

Wahara Umbakar

"کوئی بصیرت بھری بات جس سے یقین کی دنیا میں داخل ہوا جاسکے اور بے یقینی اور لاحاصلی کے فکری ہیجان سے نجات مل سکے بتا دیں۔" میری رائے میں بے یقینی کے فکری ہیجان کے بغیر یقین کی دنیا کمزور رہ جاتی ہے۔

"مطمئن زندگی" کے عنوان سے لکھی کتاب اس موضوع پر تھی۔

Shoaib Nazir

"تمام مذاہب جسمانی صفائی کو مقدس سمجھتے ہیں۔"

یہاں جب آپ نے تمام مذاہب لفظ استعمال کیا تو مذہبی آفاقی سچائی کا معاملہ مزید مشکوک ہو گیا۔ اس لیے کہ مذہب کی بھی دو اقسام کے ہیں۔۔

ایک سامی مذاہب اور دوم وہ جو جو انسانی بنیادوں پہ بنے اور ارتقا کرتے گئے۔۔

اول وحی/الہام کا دعویٰ کرتے ہیں دوم ایسا دعویٰ نہیں کرتے اور اس بنیادی اصول سے ہٹ کر ہیں۔۔

آپ کے بیان کردہ اصول کو اگر تمام مذاہب پر فٹ کروں تو ایک ہی صورت جسٹیفائی کرتی ہے وہ ہے انسانی فطرت/نفسیات یا کوئی بھی مترادف اصطلاح لے لیں بنیاد ہے۔۔

درست؟؟؟؟ تو کیا کیا جائے۔۔۔ سب مذاہب برحق ہیں؟؟؟

خدا کے وجود کا تصور سب میں کیسا تو نہیں۔۔ نیز ہر ایک اپنے آپ کو ہی برحق مانتا ہے تو کس پہ اعتبار کیا جائے؟؟؟

"خدا پر یقین رکھنا اور مذہبی ہونا لازم و ملزوم نہیں۔"

درست۔۔

یہاں روایتی مذہبی شخص بننے کی طرف کوئی دلائل مطلوب نہیں

یہاں اس بنیادی قضیے کو سلجھانا ہے تو ظاہر ہے یہ خدا کا تصور جہاں تک میری معلومات ہیں عموماً مذہب ہی دے رہا۔۔

اگر کہیں اس سے باہر کوئی اپنے تئیں تعریفات گھڑ کر زندگی گزار رہا ہو تو وہ ہمارا موضوع نہیں۔۔۔

وہ اگر کہیں کوئی ہے بھی تو معمولی تعداد ہوگی۔۔۔

یوں سمجھیے ہماری بحث کا مرکزی دائرہ وہ تصور جو مذہب دیتا ہے وہ ہے یا اگر آپ اس سے دو قدم آگے آکر سمجھنا چاہیں تو بھی ہم اگلی کلاس لینے کے لیے حاضر ہیں۔

موضوع اگرچہ وجود خدا ضرور ہے مگر اس وجود کی طاقت و دلیل کی تلاش ہے تاکہ کم از کم اپنے عقیدے پر اپنا آپ تو مطمئن ہو۔۔۔

"اگر وجود سے مراد ایسا وجود ہے جیسا کسی شخص کا یا کسی فلکیاتی جسم کا۔۔۔ تو نہیں ایسا وجود نہیں ہے۔"

تو کیا خدا کا وجود صرف دماغ تک محدود ہے۔۔۔؟؟؟

یامیں نے غلط مطلب لیا؟۔

اگر آپ کسی شخص یا فلکیاتی جسم جیسا وجود نہیں سمجھتے تو پھر کیسا ہے؟۔

آپ کی اسائنمنٹ بظاہر تو آسان نظر آتی ہے مگر آپ کا اگر ایک مہینہ دیا گیا تھا تو میں فی الحال چپ رہوں گا۔۔

اور اس سے بڑی بات اگر یہ دلچسپ تھی تو مزید غور کروں گا۔۔۔

Wahara Umbakar

"تو کیا خدا کا وجود صرف دماغ تک محدود ہے۔۔۔؟؟؟"

کیا انسانی ذہن سے باہر کچھ بھی وجود رکھتا ہے؟ یہ ایک بہت پرانا سوال ہے جس کا ہمارے پاس کوئی اچھا جواب نہیں۔ تاہم، انسان کے نکتہ نظر سے ہر شے کا وجود اس کے ذہن تک ہے۔ (یہاں دماغ کا لفظ قصداً استعمال نہیں کیا)۔

JEaPota

میں بھی جب وہ سوال پڑھا تو مجھے مکمل یقین تھا کہ سراسر اچھتے میں کبھی بھی ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔ اب آپ نے یہاں انہیں گھیر لیا تو انہیں کافی احتیاط سے بچ بچا کر کے نکلنا پڑا ہے۔ کہتے ہیں کہ جواب نادینا بھی ایک جواب ہوتا ہے۔ یہ کہنا غلط نا ہو گا کہ ایسے لوگوں کا ان سوالوں کے جواب نادینا میرے لیے ایک بڑا سوال رہا ہے۔ اور آخر کار یہی معلوم ہوا ہے کہ وہی سوال، اس سوال کا جواب ہے۔

کیونکہ ایسے لوگ ان معاملات میں بڑھ چڑھ کر پیش نہیں ہوتے بلکہ ہر ممکن حد تک درمیانی رستہ اختیار کرتے ہیں۔

اس لیے "درمیانی رستہ" ہی بہترین ہو سکتا ہے۔

پستی

سن 2001 میں ایک جرمن کمپیوٹر ٹیکنیشن ارمن میوس کی طرف سے انٹرنیٹ پر ایک عجیب اشتہار دیا گیا۔ ”مجھے 21 سے 30 سالہ شخص درکار ہے جس کا مضبوط جسم ہو۔ میں اسے ذبح کر کے کھانا چاہتا ہوں۔“

سینکڑوں لوگوں نے اس کا جواب دیا۔ برنڈ برانڈیس ایک 43 سالہ کمپیوٹر انجینئر اور وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ معلوم ہونے پر کہ یہ مذاق نہیں، اصل ہے، اپنا ذہن تبدیل نہیں کیا۔

وارنگ: اگر آپ کمزور دل ہیں تو اگلا پیرا گراف مت پڑھیں اور اسے چھوڑ کر اس سے اگلے پر چلے جائیں۔ اگلا پیرا گراف آپ کی طبیعت خراب کر سکتا ہے۔

نومارچ کو دونوں نے ملکر ویڈیو بنائی تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس کے بعد جو کچھ بھی ہوگا، وہ برانڈیس کی رضامندی سے کیا جا رہا ہے۔ اس میں کوئی زبردستی نہیں۔ برانڈیس کو نیند کی گولیاں اور الکوحل دی گئی۔ سب سے پہلے برانڈیس کی فرمائش پر اس کا عضو تناسل کاٹا گیا۔ اس وقت وہ ہوش میں تھا۔ میوس نے اس کو ایک کڑا ہی میں سر کے اور ادراک کے ساتھ فرائی کیا۔ برانڈیس نے خود بھی اس کا ایک حصہ چکھا۔ اور پھر ٹب میں جا کر بیٹھ گیا جہاں پر اس کا خون بہتا رہا۔ کئی گھنٹوں بعد برانڈیس ابھی زندہ تھا۔ میوس نے اسے بوسہ دیا اور پھر ذبح کر دیا۔ لاش کو ہک پر لٹکایا اور کھال اتاری۔ گوشت کو فریزر میں سٹور کر دیا۔ اگلے دس مہینوں میں اس کو تھوڑا تھوڑا کھاتا رہا۔ میوس کو بالآخر پکڑ لیا گیا۔ گرفتار کر کے مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن چونکہ برانڈیس کی اس میں شرکت مکمل طور پر رضاکارانہ تھی تو میوس کو جو سزا ملی، وہ قتلِ عمد کی نہیں تھی بلکہ manslaughter کی تھی۔

اگر آپ کی اخلاقی میٹرکس شخصی آزادی تک محدود ہے یا اس پر خود مختاری کا غلبہ ہے تو اس بات کا امکان ہے کہ یہ کیس آپ کی زبان گنگ کر دے۔ آپ کو یہ سخت ذہنی کوفت دے گا۔ اور اس میں ہونے والا پرتشدد واقعہ آپ کی پرواہ کی اخلاقی بنیاد کو بھی چھیڑے گا۔ لیکن اس کے بعد؟ اس میں شامل دونوں افراد کی مکمل مرضی سے ہوا۔ کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی گئی۔ اس میں کوئی ”مظلوم“ نہیں تھا۔ دو تنہا اشخاص تھے جن کا کوئی والی وارث بھی نہیں تھا۔ یہ سب ان دونوں کی آزاد مرضی سے کیا گیا تھا۔

برائنڈس نے اپنی موت کے لئے ایک غیر معمولی طور پر کراہت آمیز طریقہ چنا تھا۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ محض کراہت آمیز ہونا کسی کو غلط کہنے کے لئے کافی نہیں۔

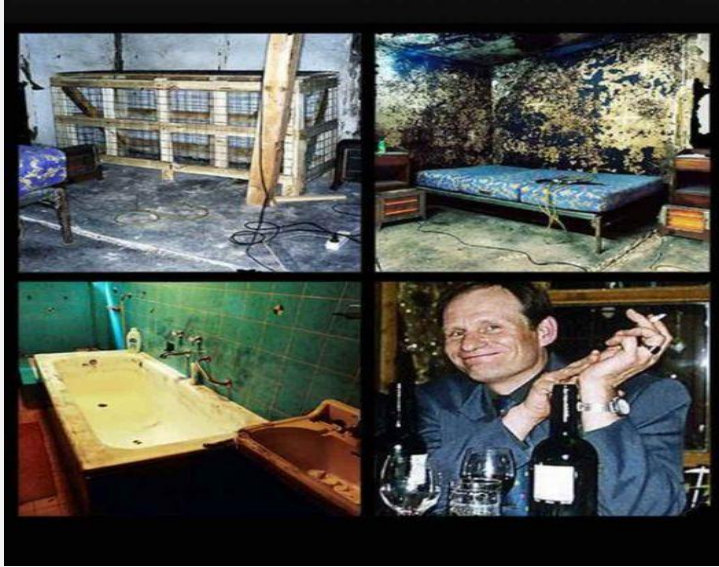
زیادہ تر لوگ یہ کہیں گے کہ یہاں پر جو ہوا، اس میں کچھ ایسا تھا جو کہ انتہائی درجے تک غلط تھا۔ یہ ایک گھناؤنا ترین کام تھا اور اس بارے میں کوئی سخت قانون ہونا چاہیے جو بالغ لوگوں کو بھی ایسی رضامندی سے ہونے والی حرکات سے روکے۔

اب تصور کریں کہ میوس اپنی قید کاٹ کر رہا ہو جائے اور گھر واپس آجائے۔ ماہرین نفسیات کی ایک ٹیم اس کا نفسیاتی تجزیہ کر کے یہ طے کرے کہ میوس کسی بھی شخص کے لئے خطرہ نہیں (تا وقتیکہ کوئی خود فرمائش نہ کرے کہ اسے کھالیا جائے)۔ اب اگر وہ آپ کے محلے میں رہتا ہو تو آپ کو کیسا محسوس ہو گا؟ اور اگر وہ شہر چھوڑ جائے تو کیا آپ سکون کا سانس لیں گے؟ اور اس کا گھر جہاں پر یہ وحشت ناک حرکت ہوئی تھی؟ کیا آپ وہاں پر ایک ہفتہ رہنے کو تیار ہوں گے اگر اس کے عوض آپ کو پیسے بھی دئے جائیں؟ کیا آپ کو ایسا لگے گا کہ اس گھر کو ڈھادینا چاہیے تاکہ اس جرم کا داغ مٹ سکے؟

یہ ”داغ“، اس کی آلودگی، اور اس کا ”پاک“ کر دئے جانا۔۔۔ یہ سب یوٹیلٹیرین نکتہ نظر سے غیر منطقی ہے۔ لیکن شوڈر کی تقدیس کی ایتھلس اس کی اچھی وضاحت کرتی ہے۔

یہاں پر ہوا کیا تھا؟

میوس اور برائنڈس نے ملکر برائنڈس کے جسم کو گوشت کے ٹکڑے کی سی حیثیت دی تھی۔ اور اس میں اضافی طور پر بے حیائی کا تزکہ لگایا تھا۔ یہ خوفناک حد تک غیر انسانی تھا۔ تقدیس کی عمودی ڈائمنشن میں یہ پست ترین حرکت تھی۔ صرف عفریت ہی ایسا کرنے کا تصور کر



سکتے ہیں۔ اگر کوئی انفرادیت کے اخلاقی dogma کا قیدی نہیں
تو اس کے لئے اس بات کو سمجھنا بالکل مشکل نہیں۔
لیکن اب سوال یہ کہ ہمیں اتنی پرواہ کیوں ہے کہ دوسرے لوگ
اپنے جسم کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟

اس کو سمجھنے کے لئے ہم اخلاقیات کے بڑے اہم ستون کی
طرف جاتے ہیں۔ یہ تقدیس کا علاقہ ہے۔

سوالات و جوابات

Sardar Irfan Zulfiqar

ارمن نے ایسا کیسے کر لیا؟ کیا وہ دماغی و نفسیاتی اعتبار سے مکمل صحت مند انسان تھا؟

Wahara Umbakar

اس کے پیچھے بنیادی طور پر جنسی لذت لینے کا ایک fetish تھا۔ (اس سے متعلق کچھ فقرے لکھ کر کاٹ دئے تھے)۔ جرمنی میں ایسے
مزید واقعات بھی ہوئے ہیں۔ اسی سال ایک جرمن پولیس افسر کو ایک سابق سکول ٹیچر اور اپنے lover کو رضا کارانہ طور پر ذبح کر کے
کھانے پر سزا ہوئی ہے۔ میوس کے بارے میں

<http://news.bbc.co.uk/1/hi/world/europe/3230774.stm>

ItzRayan

کچھ سال پہلے پاکستان میں مردہ خوری کے بہت سے واقعات دیکھنے کو ملتے تھے۔ یہاں تک کہ قبریں کھودنے پر قانون سازی کرنی پڑی۔

Wahara Umbakar

جی بالکل۔ اور سخت منطقی انداز سے دیکھا جائے تو قبر سے مردہ نکال کر اس کو کھا لینے میں تو کسی انسانی جان کا ضیاع نہیں ہوا، کسی کو تکلیف

نہیں پہنچی، تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ ایسا کرنے والے کو سزا کس جرم میں دی جائے گی؟ لیکن انسانی معاشرے اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ گھناؤنا اور فبیح فعل ہے۔

Humair Yousuf

انسانی آدم خوری، حیرت انگیز طور پر ساری اقوام (کچھ وحشی قبائل کو چھوڑ کر) حیرت انگیز طور پر یکساں ایک ٹیبو Taboo کی سی حیثیت رکھتی ہیں۔ زمانہ قدیم میں بہت سارے قدیم معاشروں میں جہاں انسانی جسم کی حرمت کے بارے میں روایات اور واقعات بھی ملتے ہیں، وہیں بعض معاشروں میں ایسے قصوں کے بارے میں بھی پتہ چلتا ہے کہ وہاں انسانی اجسام کے بعض اعضاء کو کھایا بھی جاتا تھا، جیسے چائنا کے ایک قدیم بادشاہ کی ضیافت میں ایک قدیم کتاب میں لکھا تھا کہ بعض قدیوں کو مار کر انکے اعضاء اور گوشت کی ایک ڈش بنا کر بادشاہوں کی اس سے ضیافت کی جاتی تھی۔ تقریباً ہر ثقافت و مذہب میں انسانی آدم خوری کو ممنوع کیا گیا ہے، لیکن افریقہ اور جنوبی امریکہ کے بعض قدیم قبائل میں آدم خوری پر ایسی کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی یہ چیز وہاں ایک ٹیبو مانی جاتی ہے۔

Humair Yousuf

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانی آدم خوری کیوں ایک انتہائی ممنوع چیز مانی جاتی ہے، تو اس کا جواب بڑی تعداد میں مذاہب کے احکامات کی طرف سے ملتا ہے جہاں آدمی کو آدمی کی جان کے بارے میں احتیاطی جذبات رکھنے کو مل جاتے ہیں۔ آدم خوری جدید تاریخ میں تیزی سے ممنوع بن گئی ہے، کیونکہ چند بڑے اور مرکزی دھارے کے مذاہب نے عام طور پر اس عمل کو جھنجھوڑ دیا ہے، اسے وحشیانہ قرار دیا ہے اور اسے تقریباً معدومیت کی طرف گامزن کر دیا ہے۔ جبکہ بیک وقت نوآبادیاتی استحصال کے جواز کے طور پر آدم خور کے الزام کو استعمال کیا جا رہا ہے۔ اور اسکو جدید طرز معاشرت میں ایک سنگین گناہ اور جرم کے طور پر لیا گیا۔ مذاہب میں انسانی جسم چونکہ روح کی ایک پیداوار سمجھا جاتا ہے، اور مذاہب میں روح کو جسم سے بالاتر سمجھا جاتا ہے، اس لیے روح کی تقدیس کے طور پر انسانی آدم خوری کو ممنوع قرار دیا جاتا ہوگا۔

MAthar Ashfaq

سرا ایک مذہبی شخص کی نفسیات کے مطابق جو میں سوچتا ہوں کہ مذہب انسان کے لئے ایک دائرے کا پابند بنایا ہے اور پھر اس دائرے کے اندر ہر فیلڈ کا اپنا اپنا دائرہ ہے جیسے اخلاقیات کا دائرہ ہے اور ایک مذہبی شخص کو پابند کیا جاتا ہے کہ وہ اس دائرے کے تقدس کا خیال

لیکن اگر کوئی لادین غیر مذہبی ایسا کرتا ہے تو وہ تو کرے گا ہی کیونکہ قانون کی گرفت کے خوف کے علاوہ اسکے پاس کوئی اخلاقی دائرہ ہی نہیں۔۔۔۔ مجھے اسکا مشاہدہ اس وقت ہوا جب ایک ملحدہ سے اخلاقیات پر بحث ہوئی اور میں نے یہی سوال اس سے دوہرایا تو اسکا کہنا تھا کہ ہاں اگر انسانی گوشت عام میسر ہوتا تو میں ریڈوائن کے ساتھ کھانا پسند کروں گی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تو کیا اس پر تحقیق نہیں ہونی چاہئے کہ مذہبی زیادہ سفاک غیر اخلاقی ہے یا لادین؟؟؟

فرض کیجئے کہ ایک شخص میں قوتِ شامہ نہیں اور وہ کوئی بھی بو نہیں سونگھ سکتا۔ یہ ناممکن ہے کہ اسے بتایا جاسکے کہ بو کیا ہے۔ یہ احساس ہوتا کیسا ہے۔ اس کو بیان نہیں کیا جاسکتا، صرف محسوس کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح، اگر کسی شخص میں disgust کا احساس نہیں ہے تو یہ بھی ویسا ہی معاملہ ہے۔ اسے بتایا نہیں جاسکتا۔ (اور جس میں یہ احساس نہ ہو، اس کے لئے holy کا تصور سمجھنا بھی دشوار ہوتا ہے)۔

اگر مجھے پختہ یقین ہو کہ میں ہی ہوں جو خدا کی مرضی کو سمجھ چکا ہوں تو پھر بڑا مسئلہ ہے۔ اور اس کی مثال آسانی سے دیکھی جاسکتی ہے۔ کسی کو قتل کر دیا جانا ایک سفاک عمل ہے۔ شاید ہی کوئی اس سے اختلاف رکھے۔ غلطی سے کسی کی جان لے لینا (مثلاً، ایکسیڈنٹ میں) بھی قابلِ سزا پاتا ہے۔ حالتِ امن میں بھی معاشرے کئی بار لوگوں کو جان کے حق سے محروم کرتے ہیں (مثلاً، قتلِ عمد کی سزا پر) لیکن اس کا جشن نہیں مناتے۔

یا پھر، اپنے بدترین دشمن کا انتقال ہو جائے، تب بھی کوئی اس پر خوش نہیں ہوتا۔

کیونکہ ہم سب کم سے کم اس اصول پر اتفاق رکھتے ہیں کہ انسانی جان کی بڑی تکریم ہے۔
 اور یہ وجہ ہے کہ اجتماعی اعمال میں lynching سے زیادہ گھناؤنا سفاک ترین فعل شاید ہی کچھ اور ہو۔
 جس طرح اس پوسٹ میں ایک انفرادی فعل کا ذکر ہے جس کا صرف پڑھنا ہی طبیعت پر گراں گزرتا ہے۔ lynching کے ساتھ بھی
 یہی ہے۔

ایسے کئی disgusting واقعات ہوتے رہے ہیں جس میں یہ فعل کرنے والوں کے لئے کسی کی جان لئے جانا باعثِ لذت تھا۔ نہ صرف
 یہ کہ ان کا ایمان انہیں یہ کام کرنے سے روکنے سے قاصر رہا بلکہ یہ کیا ہی اس کے نام پر گیا۔
 ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں جنہیں اس پر کراہت نہیں ہوتی۔ اگرچہ ایک عام آدمی کے ذہن کے لئے یہ ریڈوائن کے ساتھ انسانی گوشت
 کھانے سے کم گھناؤنا کام نہیں۔

اس سے اگلی قسط میں لیون کا س کے مضمون سے اقتباس لکھا ہے۔
 "کراہت کا احساس ایک قابلِ قدر انتباہ ہے۔ یہ ایک وارننگ ہے کہ ہم حد سے بڑھ رہے ہیں۔ کراہت شاید ہماری انسانیت کے مرکز کی
 آخری آواز رہ گئی ہے۔ کھوکھلی ہیں وہ روہیں جو لرزنا بھول گئی ہیں۔"

Farrukh Manzoor

یہ واقعہ کس ملک کا ہے؟ کیا کوئی انگریزی حوالہ مل سکتا ہے؟

Wahara Umbakar

جرمنی کا ہے۔ (اور جرمنی میں ہی ایسا ہونے والا واحد واقعہ نہیں ہے)

<http://news.bbc.co.uk/1/hi/world/europe/3230774.stm>

Urzish Saher

مذہبی ذہن پلیز دور رہیں!

Wahara Umbakar

"مذہبی ذہن پلیز دور رہیں!" آئندہ اس قدر تعصب سے بھرا ہوا کمٹ میری پوسٹ پر نظر نہ آئے۔

Irfan Wahab Khan

مذہبی ذہن پلیز دور رہیں

اس میں تعصب کہاں سے نظر آ رہا ہے درحقیقت یہ کمٹ آپ کی طرف سے ہونا چاہیے تھا یہ کوئی اسلامی گروپ نہیں ہے اور نا ہی گروپ کا ممبر بننے کے لیے مسلمان ہونا شرط ہے ویسے بھی دنیا میں مسلمانوں کی تعداد ایک چوتھائی سے بھی کم ہے لہذا کوئی بھی کمٹ عقلی، منطقی، نفسیاتی اور سائنسی بنیاد پر ہونا چاہیے ناکہ مذہبی بنیادوں پر

Wahara Umbakar

"اس میں تعصب کہاں سے نظر آ رہا ہے" اگر آپ کو اس میں تعصب نظر نہیں آ رہا تو آپ کی اور میری عینک کا نمبر ایک نہیں۔ میں لوگوں کو اخلاقیات نہیں سکھا سکتا۔ امید ہے کہ آئندہ ایسے کمٹ سے احتراز کریں گے۔ آپ کے آئندہ کئے جانے والے تعاون کا بہت شکریہ۔

Urzish Saher

جب یہ لوگ اپنے تعصب میں مجھے بغیر کسی دلیل کے غلط کہہ رہے ہیں تو وہ اچکوبرا کیوں محسوس نہیں ہو رہا؟؟ جیسا تعصب انکا میرے لیے ہے ویسا ہی رسپونس میرا ہے! میں ٹھیک بات پر معذرت خواہ نہیں ہو سکتی

Wahara Umbakar

مجھے آپ کی معذرت سے کوئی دلچسپی نہیں۔ صرف اتنی درخواست کی ہے کہ نفرت بھرے کمٹ میری پوسٹ سے دور رکھیں۔ اگر کسی سے جھگڑا کرنا ہے تو ضرور کریں، اپنا غصہ نکالنے کے لئے انسانوں کے پورے گروہوں کی تذلیل کر دینا غیر اخلاقی فعل ہے اور یہ victimless بھی نہیں۔ مجھے اچھا نہیں لگے گا اگر آپ کو یا کسی کو میوٹ کرنا پڑ جائے۔ آپ کے تعاون کا بہت شکریہ۔

Urzish Saher

نفرت بھرے کمٹس میری پوسٹس سے دور رکھیں اور مزہبی ذہن میرے سپلائی سے دور رہیں ایک جیسے جملے ہیں!! نہیں؟؟ کیا

میرے اور آپ کے لیے رولز اور ریگولیشنز مختلف ہیں؟ یقیناً اس کا جواب ہاں میں ہوگا!!

Wahara Umbakar

بالکل نہیں۔

"نفرت بھرے کمٹنس میری پوسٹس سے دور رکھیں"

یہ فقرہ صرف اور صرف آپ کے لئے ہے۔ کیونکہ offense آپ نے کیا ہے۔

"مزہی ذہن میرے سپلائی سے دور رہیں"

اس فقرے میں دنیا کی پچانوے فیصد آبادی کو ٹارگٹ کیا گیا ہے۔

"جان ڈو" جھوٹ بول رہا ہے۔

"سفید چڑی" والے جھوٹے ہیں۔

ایک جیسے فقرے نہیں۔

Rizwan Ali

Koi b ghosht khor jandar ho wo ham Jins ka ghost kbhi nhi kahy ga

For example

I'm sab ki misal AP dekh skty hen ye kbi b ham jins ko nhi khaty

Wahara Umbakar

یہ بات درست نہیں کہ جانور اپنی نوع کا گوشت نہیں کھاتے۔ cannibalism جانوروں میں پایا جاتا ہے۔

<https://www.discoverwildlife.com/.../cannibal-animals/...>

JEaPota

میں آخری سطر تک اس فقرے کے انتظار میں رہا کہ "اور یہ سب مصنوعی واقعہ تھا حقیقت میں ایسا کچھ نہیں ہوا۔"

Wahara Umbakar

نہ صرف یہ واقعہ ہوا بلکہ ایسے مزید واقعات بھی ہوئے ہیں۔

اس پوسٹ کے کمنٹس میں بھی ایسے دوست نظر آئیں گے جو اس میں کچھ غلط نہیں دیکھتے۔

اور اس میں کوئی تعجب نہیں۔ جو کراہت کے جذبے کو نہیں سمجھ پاتے، وہ تقدس کے جذبے کو بھی۔ کیونکہ یہ دونوں ایک ہی عمودی سمت کے مخالف سروں پر ہیں۔

ساتھ لگی خبر 2022 میں برلن میں ہونے والے ایسے ہی واقعے کی۔

<https://www.bbc.com/news/world-europe-59913006>

Michael Leo

اس میں کچھ غلط نہیں ہوا

Wahara Umbakar

ارمن میوس کو بھی کسی وقت میں آپ سے اتفاق تھا۔ (اب نہیں رہا)۔

Farhat Yasmeen

جناب! مضمون میں بیان کیا گیا واقعہ کیا جو ناٹھن ہائیٹ کی کتاب کا حصہ ہے؟؟ مردوں اور عورتوں میں اس طرح کے جنون کا کیا تناسب ہے؟؟ کیونکہ آدم خوری کسی نہ کسی طرح انسانی تاریخ کا حصہ رہی ہے۔ اور انسانی نفسیات کے پانچ ریسپیٹر میں سے ایک کا حصہ ہے۔۔۔ کیا یہ بھی جلی طور پر ہماری نفسیات کا حصہ ہے؟؟

Wahara Umbakar

جی۔ واقعے میں کچھ معمولی تخفیف کی ہے جو اس دوران میں ہونے والے جنسی عمل کی ہے (یہ لکھنا میرے لئے ممکن نہیں تھا)۔
آدم خوری کی رسم کئی جگہ پر رہی ہے۔ مندرجہ ذیل لنک میں اس کی ایک مثال ہے جو فورے قبائل کی ہے۔ ان کے لئے مرجانے والے کو کھا کر اپنے جسم کا جزو بنالینا مرجانے والے سے محبت کا عمل تھا۔

<https://www.facebook.com/groups/ScienceKiDuniya/posts/1351080131727186>

Farhat Yasmeen

جناب! میں نے تین سوال پوچھے ہیں؟؟

Wahara Umbakar

خواتین میں loners کا تناسب کم ہے اس لئے ایسے افعال بھی کم ہوں گے۔ تناسب کا علم نہیں۔

Bilal Ahmad Qureshi

ایسا ہی قدرے مختلف وقوعہ بھکر کے علاقے کا ہے جہاں ایک فیملی کے افراد لاشوں کا گوشت پکاتے اور کھاتے رہے۔ اور بعد میں پکڑے گئے۔ لیکن مرکزی کردار جس نے ان کو اس عمل پر لگایا وہ نہیں پکڑا گیا۔

https://www.bbc.com/.../2013/08/130803_pakistan_cannibal_sz

Wahara Umbakar

اسی پر ایک پہلے کیا گیا منٹ

"سخت منطقی انداز سے دیکھا جائے تو قبر سے مردہ نکال کر اس کو کھا لینے میں تو کسی انسانی جان کا ضیاع نہیں ہوا، کسی کو تکلیف نہیں پہنچی، تو اس میں مضائقہ کیا ہے۔ ایسا کرنے والے کو سزا کس جرم میں دی جائے گی؟

لیکن انسانی معاشرے اس پر اتفاق رکھتے ہیں کہ یہ گھناؤنا اور قبیح فعل ہے۔"

Sofia Kamran

After reading first paragraph as I read warning it made me more suspenseful.

Wahara Umbakar

The attraction of the forbidden is a powerful force

Kashifkj Kashe

اس میں کچھ نیا نہیں ہے ہزاروں سالوں سے دیوتاؤں کے آگے خود کو کٹ مرنے کے لئے انسان نے بلا معاوضہ پیش کیا ہے یہاں پر سوال پیدا یہ ہوتا ہے کہ کیا جانور بھی ایسا کرتے ہیں

Wahara Umbakar

بہت فرق ہے۔

لوگ اپنی جانیں مختلف مقاصد کے لئے قربان کرتے ہیں۔ دیوتاؤں کے آگے کٹ مرنا ہو یا قومیت کے نام پر یا نظریے کی جنگ میں۔۔۔ انکو فوجی فعل نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ایسا کرنے والوں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

اپنی base: جبلتوں کی تسکین کے لئے انسانی جان کی تقدیس پامال کرنا۔۔۔ یہ اس واقعے کا گھناونا پن تھا اور یہ واقعہ بیان کرنے کا بنیادی نکتہ۔

Arshad Ikhtiar

یورپین کل بھی جانور تھے اور آج بھی ہیں۔ جہاں خودکشی کسی کو قتل کرنے کی کوئی سزا نہیں۔

Wahara Umbakar

آپ کے نظریے کے مطابق کوریا، امریکہ، برازیل یا زمبابوے کے لوگ پولینڈ، ناروے، بوسنیا کے لوگوں سے برتر ہیں؟

Anwar Mukhtar

اس طرح کا واقعہ پاکستان میں بھی ہوا تھا کہ ایک بیوی نے اپنے شوہر کو قتل کر کے اس کا گوشت ہانڈی میں پکا کر کھایا تھا اس کے علاوہ ایک ٹی وی ڈرامے میں بھی اس طرح کا فعل دکھایا گیا تھا

Wahara Umbakar

دونوں میں بہت فرق ہے۔ یہی پوسٹ کا نکتہ تھا۔

کسی کے قتل کو غلط کہنے کے لئے اتھکس کا ماڈیول care/harm والا ہے۔ نقصان یا تکلیف پہنچانے کو غلط کہنے میں کوئی مسئلہ نہیں۔ یہاں پر کسی نے بھی کسی دوسرے کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کیا تھا۔

Abubakar Saeed

سر بہت ادب اور احترام کے ساتھ ایک سوال ہے کہ ایسی کونسی بات ہے جو اس پورے واقعے کو غلط ٹھہراتی ہے، اور اسے غیر اخلاقی قرار دیتی ہے۔ شاید آپ نے اس کا جواب دے دیا ہو گا لیکن مجھے سمجھ نہیں آئی، سر آسان الفاظ میں سمجھا دیجئے

Wahara Umbakar

کوئی بھی نہیں۔ اور پوری سیریز میں ایسا ہی ہے۔ صحیح اور غلط کا فیصلہ کر دینا اس سیریز کا موضوع ہی نہیں۔

Ihtisham Khan

مجھے اس واقعہ سے کوئی کراہت محسوس نہیں ہوتی اور نہ کسی دوسرے 'ریشٹل' انسان کو ہونا چاہیے لیکن زیادہ تر لوگوں کو اس واقعہ سے کراہت اور اس قسم کی حرکات سے نفرت ہوگی کیونکہ انسانوں کی اکثریت جذباتی بنیادوں پر اپنے فیصلے کرتے ہیں۔ یہاں پر دو بالغ لوگ اپنی رضامندی سے یہ کام کر رہے ہیں (کسی تیسرے کو نقصان پہنچائے بغیر)

Wahara Umbakar

آپ کی یہ بات درست ہے کہ زیادہ تر لوگوں کو اس میں شدید کراہت اور نفرت محسوس ہوگی، تاہم سو فیصد آبادی کو نہیں۔ ہر ایک ذہن یکساں نہیں ہوتا۔

Bashir Khan Safi

اور اگر آپ کو برا نہ لگے تو مہربانی کر کے اس پوسٹ کو ڈیلیٹ کریں کیونکہ آپ کے وارننگ کے بعد بھی لوگ سارا پوسٹ پڑھتے ہیں اور پوسٹ میں سخت الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں جو انسانی سوچ کو مزید تشویش میں ڈالنے پر مجبور کر دے تے ہیں

Wahara Umbakar

سوچ میں ڈالنا ہی تحریر کا مقصد ہے۔

Bashir Khan Safi

شاید یہ پہلے کمیٹ کا جواب نہیں ہے

Wahara Umbakar

کچھ لوگ ایسا ذہن اور ایسے شوق رکھتے ہیں جو ہمارے جیسے عام شخص کے لئے ناقابلِ تصور ہیں۔ بس، یہ بھی ایسا ہی واقعہ تھا۔

Noor Khan

یہ جو آدم خور ہوتے کیا یہ لوگ بھی اخلاقی دیوالیہ کا شکار ہوتے ہیں؟

Wahara Umbakar

اس پوسٹ کا بنیادی نکتہ آدم خوری نہیں ہے۔ یہ consensual فعل سے ہونے والی کراہت کا ہے۔

Aamir Rashid

Qissay kahaniua han, real may assa Kuch nahe Howa ho ga, app loog tu serious he ho
gay

Wahara Umbakar

یہ 2001 میں ہونے والے اصل واقعے کا ذکر ہے۔

Rai Raza Haider

اخلاقی نفسیات میں کتنی اضافیت ہے، اس کے دائرے کی وسعت کا گماں قارئین اس پوسٹ پر کمنٹس سے لگا سکتے ہیں۔ (خلاصہ فرمائیں)

> کچھ لوگوں کے نزدیک یہ نہایت خوفناک، متعفن اور غیر انسانی فعل ہے۔

> چند ایک کیلئے یہ بس اتنا برا ہے کہ وہ اپنے لیے پسند نہیں کرتے

> کچھ صاحبان تو تشیع و دشنام پہ اتر آئے، کچھ نے تو فاضل مصنف قبلہ و ہارا صاحب ہی کو شریک جرم قرار دے دیا۔

> چند ایک کے نزدیک یہ پوسٹ ندرت انگیز تھی، انہیں اگلی ایسی ہی جدت بھری رقم طرازی کا انتظار ہے۔

قصہ کو تاہ؛ ہم جتنا سمجھ رہے تھے، مضمون اس سے زیادہ متنوع ہے۔

سو ملتیں ہوں کہ "اخلاقی نفسیات" کو پڑھتے ہوئے اخلاقیات کا پیرہن اوڑھے رکھیے کیونکہ یہ ہنوز از خود undefined شے ہے۔

Wahara Umbakar

اور توقع کے عین مطابق اس پوری سیریز میں سب سے زیادہ توجہ اس والی پوسٹ کو ملی ہے۔

Saleem Baloch

وہارا صاحب اس پوسٹ کو نہیں بلکہ میں آپ کے ہر پوسٹ کو توجہ سے پڑھتا ہوں۔ لیکن یہ ایک ایسا پوسٹ ہے جسے یہاں پہ پوسٹ

ہونے کے بجائے ڈارک ویب میں ہونا چاہیے تھا۔ جہاں پہ گند سے گند تر حرکات و پوسٹیں شائع ہوتی ہیں۔ مجھ ناچیز کے خیال میں اس پوسٹ کو یہاں پہ شتر کرنا ایک ایسی حرکت ہے جیسے کوئی ٹیبل لگا ہوا ہو اس کے اوپر طرح طرح کے کھانے گرم گرم رکھے ہوئے ہوں۔ اور ٹیبل کے آس پاس سارے بھوکے لوگ اسی انتظار میں ہوں کہ کب کھانا شروع ہو جائے۔ تاکہ ان کا بھوک ختم ہو۔ لیکن اچانک کسی نے ان سب کے کھانوں پر کھیچھڑ پھینک دی ہو۔ تو اس سے آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ کھیچھڑ پھینکنے والے شخص کے لئے وہی بھوکے لوگ کیا سے کیا سوچیں گے یا اس کیساتھ کیا کر لیں گے۔ اب مزے دار کھانوں پر کھیچھڑ پھینکنا کتنی بری بات ہے۔ چاہیے وہ مرضی سے نہیں بلکہ مسٹیک کی وجہ سے ہو۔

امید ہے کہ آپ سمجھ گئے ہوں گے یعنی آپ کے اس پوسٹ کا یہاں پہ ہونا اس کھیچھڑ سے کم نہیں۔

Wahara Umbakar

یہ خبر بڑے میڈیا چینلوں اور اخبارات میں آتی رہی تھی۔ ایک مشہور واقعہ ہے۔ اگر باقاعدگی سے سیریز پڑھ رہے ہیں تو اگلی دو اقساط بھی skip کر دیجئے گا۔

Shoaib Nazir

منطقی طور پر تو اس میں کچھ برا نہیں دکھا مگر واقعہ پڑھتے ہوئے ابکائی سی آنے لگی برداشت کر کے آخر کار پڑھ ہی لیا۔

جیسے اوپر ایک صاحب نے کہا کہ اس کہانی میں بکرے کو تصور کروں تو اتنی ابکائی نہیں آتی۔۔۔ لیکن انسان؟؟۔

بہت عجیب لگ رہا۔

کیا یہ شخص نفسیاتی مریض تھا؟؟۔

جواب تو آپ شاید ہاں میں ہی دیں مگر

نفسیاتی مریض نہ ہونے کی صورت میں بھی یہ واقعہ ممکن ہو سکتا تھا؟؟۔

ایک کہانی فرض کرتے ہیں۔

دو بچوں کو پیدائش کے فوراً بعد کسی دور دراز گلیکسی کے کسی ایسے سیارے پر چھوڑ آتے ہیں جہاں زندگی کے لیے ماحول بالکل زمین جیسا ہے۔۔

نوٹ:-

ہم فرض کر لیتے ہیں اس سیارے پر پہنچنا بھی ممکن ہے۔۔

وہاں زندگی بھی ممکن ہے۔۔

اب وہاں دونوں بچے پل بڑھ کر بڑھے ہوتے ہیں۔۔

یہ دونوں لڑکا لڑکی تھے۔۔۔

اپنی نسل آگے بڑھاتے ہیں۔۔۔

ایک وقت میں ان کی آبادی ایک کروڑ ہو جاتی ہے پھر ایک وقت میں آٹھ ارب۔۔۔

کیا ان کی اخلاقی نفسیات بھی اپنے زمینی اجداد یعنی ہم جیسی ہی ہوں گی؟؟؟

Wahara Umbakar

انسانوں کی اخلاقی نفسیات انسانوں جیسی ہی ہوں گی۔

الگ براعظموں پر لوگ گئے اور ان کے آپس میں رابطے نہیں رہے۔ چھوٹے گروہوں سے آبادیاں بنیں، آبادیوں سے تہذیبیں۔

بادشاہتیں آئیں، جنگیں ہوئیں۔۔۔ میسوامریکہ کی سلطنت، سوگھائی سلطنت، ایسٹرن آئی لینڈ، آسٹریلوی ایب اور بچل۔۔۔۔۔ بغیر کسی

رابطے کے باوجود ان سب کی اخلاقیات ایک ہی جیسی رہی ہیں۔

ہاں، ماحول کچھ فرق ضرور ڈالتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے طرز بود و باش کا فرق آتا ہے۔ کیا لوگ تنہا اور خود کفیل ہیں یا پھر انہیں

ہمسایوں سے خطرہ ہے؟ کیا قدرتی آفات آتی رہتی ہیں؟ کیا ملکر کام کئے بغیر انفرادی طور پر زمین پر کام کیا جاسکتا ہے یا منظم ہوئے بغیر

گزارا نہیں؟ ایسے سوالات معاشرت پر اثر انداز ہوتے ہیں۔



کراہت

ہمیں اپنی تمام عمر دو مخالف محرکات کا سامنا رہتا ہے جس کا توازن رکھنا ہے۔ نئے کی کشش (neophilia) اور نئے کا خوف (neophobia)۔ اور ہر کسی کے لئے ان دونوں محرکات کا زور یکساں نہیں۔

لبرل نیوفیلیا میں زیادہ سکور کرتے ہیں۔ نئے کی طرف یہ کشش نئے لوگوں، خیالات، موسیقی، خوراک سبھی کے بارے میں ہے۔ جبکہ کنزرویٹو آزمائے ہوئے کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ یہ سرحدوں، حدود اور روایات کے بارے میں بھی ہے۔

نیوفیلیا اور نیوفوبیا کا یہ مخصوص دیکھنے کے لئے ہم خوراک کو دیکھ سکتے ہیں۔ زیادہ تر حیوان پیدائشی طور پر جانتے ہیں کہ انہوں نے کیا کھانا ہے۔ ایک koala bear کے حسیاتی نظام کا پروگرام اسے یوکلپٹس کے پتے کھانے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جبکہ انسان کو یہ بات سیکھنی ہے کہ کیا کھایا جائے۔ ہماری خوراک کا مینو وسیع ہے۔ ہم omnivore ہیں۔ اور ایسا ہونا ایک موقع بھی ہے اور ایک مسئلہ بھی۔ اس سے ہونا والا بڑا فائدہ یہ ہے کہ خوراک کے بارے میں ہم لچکدار ہیں۔ ہم ہم جو نوع ہیں۔ نئی جگہ اور نئے براعظم میں چلے جاتے ہیں اور یہ اعتماد ہوتا ہے کہ کھانے کو کچھ مل جائے گا۔ لیکن اس کا ایک نقصان ہے۔ یہ نئی خوراک زہریلی بھی ہو سکتی ہے۔ بیمار کر سکتی ہے۔ آزمائے ہونے کے ساتھ رہنے کا فائدہ بھی ہے۔ کیسے نیا ڈھونڈا جائے اور ساتھ ہی محفوظ رہا جائے۔ یہ اس بارے میں توازن کا مخصوص ہے۔

کراہت کا جذبہ اس میں راہنمائی کرتا ہے۔ اور صرف خوراک میں ہی نہیں۔ ہم ایک دوسرے سے بیماری پکڑ سکتے ہیں۔ جراثیم کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ ایسی چیزوں سے کراہت جو ہمیں نقصان پہنچا سکیں۔ ایسا رویہ ہماری امیون سسٹم کا ایک حصہ ہے۔ دوسرے میں بیماری اور انفیکشن کو دیکھ کر اس سے دور رہنا ہماری حفاظت کرتا ہے۔ کھانے والی چیز کو دھونا، گندگی سے بچنا ہمارے جسمانی دفاع کے لئے سب سے

کارگر طریقہ ہے۔

ناگوار بو، منظر اور دوسرے احساس ہمیں خطرناک اشیا اور لوگوں سے بچاتے ہیں۔ لاش، فضلہ، پھوڑے۔۔۔ خطرناک جرائم سے بچنا بدیہی مائیکروبائیولوجی ہے۔

صفائی، پاکی، تقدس کی اخلاقی بنیاد کے اصل ٹرگر یہاں سے ہیں لیکن اس کے موجودہ ٹرگر غیر معمولی طور پر وسیع ہیں۔ اور مختلف زمانوں اور کلچرز میں ان میں تنوع رہا ہے۔

مختلف کلچرز اپنے سے باہر والے لوگوں سے رویے کے حوالے سے مختلف ہیں۔ اور اس بارے میں شواہد موجود ہیں کہ جن جگہوں اور وقتوں میں بیماریوں کا خطرہ کم ہے، وہاں پر باہر سے آنے والوں کے لئے رویہ زیادہ کھلے دل والا رہا ہے۔ وبائیں اور نئی بیماریاں عام طور پر باہر سے آنے والے لاتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ نئے خیالات، سامان اور ٹیکنالوجی بھی۔ معاشروں کو بھی ویسے ہی مخمضے کا سامنا ہے۔ یہ xenophilia اور xenophobia کا توازن ہے۔

اتھارٹی کی اخلاقی بنیاد کی طرح تقدیس کی بنیاد ابتدا میں کمزور لگتی ہے۔ کیا یہ صرف بیماریوں سے بچانے کے لئے ہے؟ کیا اس کی وجہ سے ہونے والا ردِ عمل تعصب پیدا نہیں کرتا؟ اور اب، جبکہ ہمارے پاس اینٹی بائیوٹک ہیں، ہمیں اس بنیاد کو مسترد نہیں کر دینا چاہیے؟ بالکل بھی نہیں۔

یہ بنیاد کچھ اشیا کو ”نہ چھونے والا“ بناتی ہے۔ ان کی بری خاصیت کی وجہ سے (یہ شے اتنی گندی اور آلودہ ہے کہ اس سے دور رہا جائے)۔ یا ان کی اچھی خاصیت کی وجہ سے (یہ شے اس قدر مقدس ہے کہ اس کی بے حرمتی نہیں کی جاسکتی)۔

اگر ہمارے پاس ناگواری کا احساس نہ ہو تو غالباً ہمارے پاس مقدس کا احساس بھی نہیں ہو گا۔ ذہن کی عمودی ڈائمنشن میں مکروہ اور مقدس مخالف سروں پر ہیں۔

اگر میری طرح آپ بھی یہ سمجھتے ہیں کہ علم انسان کا سب سے بڑا غیر حل شدہ اور پراسرار معمہ یہ ہے کہ آخر یہ کیسے ممکن ہوا کہ انسان بڑے پیمانے پر تہذیبیں بنانے کے قابل ہوئے؛ تو پھر آپ کو تقدس کی نفسیات میں خاص دلچسپی لینا ہوگی۔



آخر یہ کیا وجہ ہے کہ لوگ مقدس اشیاء (جھنڈے، مذہبی علامات)، جگہوں (عبادت گاہ، آپ کی قوم کی پیدائش سے تعلق رکھنے والا جنگ کا میدان)، لوگوں (مذہبی و نظریاتی راہنما، قومی ہیرو) اور اصولوں (آزادی، برابری، بھائی چارہ) کو کسی بھی دوسری چیز سے بڑھ کر قدر دیتے ہیں؟

اس کی شروعات جو بھی ہوں، تقدیس کی نفسیات افراد کو اخلاقی کمیونٹی میں باندھتی ہیں۔ اور یہ وجہ ہے کہ کسی بھی

کمیونٹی میں جب کوئی اس کمیونٹی کے مقدس ستون کی بے حرمتی کرے تو اس پر ہونے والا ردِ عمل جلد، جذباتی، اجتماعی اور سخت ہوتا ہے۔

اس پس منظر کے ساتھ ہم جرمنی میں رضاکارانہ طور پر ہونے والی آدم خوری کے واقعے کی تجزیے کی طرف چلتے ہیں۔

سوالات و جوابات

ShazimFarooq

Kia Allergy bhi karahat ka aik hissa hai or karahat ka taluk kia endocrine k hormones sy hai, or bad habits good habits main jb change hoti hain to iska karahat, hissiyat, hormones or nature k sath kya taluk hota hai or ismain sb senses mix kiun ho jati hain or kia achi diet acha environment or achi exercise sy he karahat sy bacha ja sakta hai.

Wahara Umbakar

ہمیں جن چیزوں سے الرجی ہوتی ہے، ان سے کراہت نہیں۔ کراہت جیسے جذبات بہت ہی طویل عرصے کے ایویوشنری عمل کا نتیجہ ہیں۔ الرجی کا تعلق کسی شخص سے ہے۔

مثلاً، پھولوں کے پولن سے الرجی یا مونگ پھلی سے الرجی ہو تو اس میں کراہت کا جذبہ نہیں آتا۔

Muhammad Hamza Masood

سر! اس پوسٹ کو پچھلی پوسٹ سے جوڑ کر اور بنا جوڑے یعنی دونوں طرح سے سمجھنے میں کچھ مشکل پیش آرہی ہے، لہذا اپنی سمجھ کے لیے چند سوالات پوچھ رہا ہوں۔ امید ہے آپ حسب معمول راہنمائی کریں گے۔

سر! کیا نئے کی کشش اور خوف کے محرکات مکروہ اور تقدس ہیں یا ہمارا ارتقاء ہے کہ بقاء کے لیے خطرناک سے ناگواری/کراہت کا احساس ہوتا ہے اور کیا مکروہ کا یہی احساس نئے سے خوف پیدا کرتا ہے؟ دراصل یہاں میرا ذہن صحیح طور پر کڑیاں نہیں جوڑ پا رہا۔

Wahara Umbakar

نئے کی کشش اور نئے کا خوف۔۔۔۔۔ یہ دونوں ضروری محرکات ہیں۔

کچھ لوگوں کے ذہنوں کا جھکاؤ ایک طرف زیادہ ہے جبکہ کچھ کا دوسری طرف زیادہ۔ جن کا جھکاؤ نئے کے خوف کی طرف زیادہ ہے۔ یہ تقسیم سیاست اور نظریات میں بھی نظر آتی ہے۔

کراہت کا ایک مقصد ضرر سے بچنا ہے۔ اور نئے کے خوف کا تعلق بھی اس سے ہے۔ (اور اسی کی دوسری سمت میں تقدیس آتی ہے)، کچھ لوگوں میں یہ جذبہ دوسرے لوگوں سے زیادہ کام کرتا ہے۔

یہ وجہ ہے کہ کنزرویٹو خیالات میں روایت پسندی کا عنصر نمایاں ہے اور تبدیلی قبول کرنے میں آسانی نہیں۔

اور صحتمند معاشرے میں دونوں کا توازن درکار ہے۔



مقدس

“Repugnance may be the only voice left that speaks up to defend the central core of our humanity. Shallow are the souls that have forgotten how to shudder.”

-Leon Kass

جرمنی میں میوس نے اشتہار دیا کہ انہیں ایک صحتمند شخص چاہیے تاکہ وہ اسے کھا سکے۔ اس اشتہار کے جواب میں برانڈس نے حامی بھری۔ میوس نے برانڈس کو ذبح کیا، گوشت فریزر میں رکھ کر کھاتا رہا۔ یہ کام باہمی رضامندی سے کیا گیا۔ (اس کی تفصیل پچھلی اقساط میں)۔ ان دونوں نے کسی بھی تیسرے کو کسی بھی طرح گزند نہیں پہنچائی۔ لیکن ہمیں یہ کہنے میں جھجک نہیں ہوتی کہ اخلاقیات کے معیار پر یہ پست ترین حرکت تھی۔ ایسا کیوں؟ اور میوس کو دی جانے والی سزا دراصل کس جرم میں تھی؟

میوس اور برانڈس نے کسی تیسرے شخص کو براہ راست گزند نہیں پہنچائی لیکن معاشرے کے کئی بنیادی اصولوں کو پامال کیا تھا۔ یہ ہمارا مشترکہ یقین ہے کہ انسانی جان کی قدر بہت زیادہ ہے۔ اور انسانی جسم محض چلتا پھرتا گوشت نہیں ہے۔ یہ بھی ہمارا یقین ہے کہ مرجانے کے بعد بھی جسم کی حرمت ختم نہیں ہو جاتی۔ جسم و جاں کا رشتہ منقطع ہو جانے کے بعد بھی اس کے حقوق باقی رہتے ہیں۔ (کسی بھی کلچر میں اس پر اختلاف نہیں)۔ کسی کی جان بچانے کے لئے یا تحقیق کے لئے اعضاء کا عطیہ کرنا ہم سب اخلاقی طور پر ایک اعلیٰ عمل سمجھتے ہیں۔ فرق مقصد کا ہے۔ کسی انسانی جان (ابھی یا مستقبل میں) کو بچا لینے کے لئے ایسا کرنا پسند کیا جاتا ہے کیونکہ ہماری نظر میں انسانی جان کی تقدیس بہت بلند ہے۔

لیکن میوس اور برانڈس کے کیس میں اس مقدس چیز کی پامالی کسی ضرورت کے تحت نہیں کی گئی۔ کسی بڑے مقصد کی خاطر نہیں کی گئی۔ صرف ایک ناقابل فہم تفریح کے لئے کی گئی تھی۔

جرمن معاشرے میں کسی نے بھی میوس کے دفاع میں اور اس کے خود مختاری کے حق کی حمایت میں آواز نہیں اٹھائی۔ میوس کو دی گئی

سزا اس وجہ سے تھی کہ اس نے اپنی نفسانی خواہش کی تسکین کے لئے معاشرے کے مقدسات کو پامال کیا تھا۔ اپنی حرکت سے اسے آلودہ کیا تھا۔

باہمی رضامندی سے کئے جانے والے اس عمل کے خلاف قانون بنانے میں کسی اور کو تکلیف پہنچانے کا اصول ہماری کوئی راہنمائی نہیں کرتا کیونکہ یہ محدود سوچ اخلاقی کمیونیٹی تشکیل دینے اصول ناکافی ہے۔ ہم یہ احساس رکھتے ہیں کہ کچھ چیزیں، اعمال اور لوگ خالص ہیں، پاک ہیں اور بلند ہیں۔ جبکہ کچھ ناپاک ہیں، آلودہ ہیں اور پست ہیں۔

ہمیں تقدیس کی بنیاد پر سیاسی نظریات کی تقسیم واضح نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر، کنزرویٹو اور خاص طور پر مذہبی کنزرویٹو جسم کو عبادت گاہ کے طور پر دیکھتے ہیں جو روح کا مسکن ہے۔ یہ کھیل کا میدان نہیں۔ جبکہ اس کے مخالف جبری بمنتہام جیسے مفکر ہیں جن کے مطابق ہمارا مقصد لذتوں کو زیادہ سے زیادہ کرنا ہے اور تکالیف کو کم سے کم۔ اگر آپ کی اخلاقیات محض فرد اور اس کے شعوری تجربات پر فوس کرتی ہیں، تبھی آپ کے لئے جبری بمنتہام سے اتفاق رکھنا ممکن ہو گا۔ (ساتھ لگی تصویر اس تنازعے پر بنائیک پوسٹر ہے جو اس تفریق کو نمایاں کرتا ہے)۔

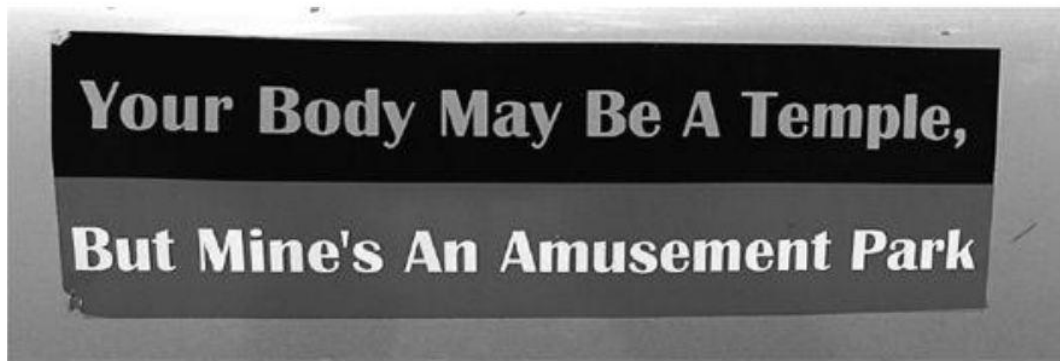


FIGURE 7.8. Two different views of the Sanctity/degradation

تقدیس کی اخلاقی بنیاد کنزرویٹو زیادہ استعمال کرتے ہیں لیکن انہی سے خاص نہیں۔ ماحولیات کی تحریک کے پس منظر میں اخلاقی جذبات ہیں۔ ماحول کے تحفظ کا خیال کرنے والے بہت سے لوگ صنعت کاری، سرمایہ کاری اور دھواں اڑاتی گاڑیوں کو صرف فزیکل آلودگی

نہیں سمجھتے۔ یہ زیادہ بڑی علامت ہے۔ اسے فطرت کی اور انسان کی اصل نیچر کی بے حرمتی کے طور پر دیکھا جاتا ہے جسے صنعتی سرمایہ کاری آلودہ کر رہی ہے۔ یا پھر مادیت پرستی کی اندھا دھند دوڑ پر تنقید کی وجہ ہماری یہی بنیادی قدر ہے۔

بہت سے اہم اخلاقی تنازعات کی وجہ سمجھنے کے لئے اس اخلاقی بنیاد کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔

جینیاتی انجینئرنگ کے ایک تنازعے پر اپنی رائے دیتے ہوئے سائنسدان اور دانشور ڈاکٹر لیون کاس نے اس پر اظہارِ افسوس کیا کہ کیسے ٹیکنالوجی اخلاقی حدود کو پامال کر رہی ہے اور سب سے پریشانی کی بات یہ ہے کہ یہ اس خطرناک سراب کو مضبوط کر رہی ہے کہ انسان جو چاہے کر سکتا ہے۔

اپنے مضمون ”کراہت کی دانائی“ میں کاس لکھتے ہیں کہ کراہت کا احساس ایک قابلِ قدر انتباہ ہے۔ یہ ایک وارننگ ہے کہ ہم حد سے بڑھ رہے ہیں۔ خواہ ہم اس کی وجہ ہم خود نہ بتا سکیں اور اس کا جواز نہ بنا سکیں۔

”کراہت انسان کے حد سے بڑھنے کے خلاف ہمارے اندر ہونے والی بغاوت ہے۔ یہ ہمیں خبردار کرتی ہے کہ ہم کسی ایسی جگہ جا رہے ہیں جہاں نہیں جانا چاہیے۔ آج کے دور میں جب ہر شے کی اجازت ہے، جب انسانی فطرت کا احترام مفقود ہو چکا ہے، ہمارے جسموں کو محض ہماری آزاد مرضی کے آلات سمجھا جاتا ہے۔۔۔۔۔ کراہت شاید ہماری انسانیت کے مرکز کی آخری آواز رہ گئی ہے۔ کھوکھلی ہیں وہ روئیں جو لرزنا بھول گئی ہیں۔“

سوالات و جوابات

Farhat Yasmeeen

جناب! اخلاقیات میں بہت سے اخلاق بدیہی ہیں۔۔۔۔۔ یہ ”بدیہی“ کیا ہے؟؟

Wahara Umbakar

”وہ مجھے اپنی پتا بتا رہا تھا اور مجھے اس کی بات کا یقین نہیں تھا۔“ یہاں پر ”یقین نہ ہونا“ کسی جواز اور توجیہ کے بغیر ہے۔

"مجھے اس گھر میں جاتے ہوئے خوف محسوس ہوا۔" یہاں خوف کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

عقلی ریزنگ کے بغیر ہم بہت سی چیزیں کرتے ہیں، یہ intuitive ہیں۔

Farhat Yasmeen

جناب سوال ابھی اسی دائرے میں گھوم رہا ہے۔۔۔ بغیر کسی عقلی ریزنگ کے ہم جو چیز کرتے ہیں جو محسوس کرتے ہیں۔۔۔ وہ کہاں سے ہماری ذات کا حصہ بنیں؟؟

Wahara Umbakar

اس سلسلے کی پہلے پوسٹ سے اقتباس۔

"پیدائش کے وقت انسان ایک کتاب کا ابتدائی مسودہ ہے جو کہ جینیات کی مدد سے لکھا گیا ہے۔ اس کا کوئی بھی باب پیدائش کے وقت مکمل نہیں۔ کچھ باب ابھی ناپختہ خاکے ہیں جن کو بچپن میں بھرے جانا ہے۔ لیکن کوئی ایک بھی باب۔۔۔ خواہ زبان ہو، خوراک کی ترجیحات، جنسیات یا اخلاقیات۔۔۔ ایسا نہیں کہ یہ کورا کاغذ ہے جس پر معاشرہ کچھ بھی لکھ دے۔

فطرت یہ پہلا مسودہ فراہم کر دیتی ہے۔ یہ زندگی کے تجربات سے گزرنے سے پہلے کی تنظیم ہے، جسے تبدیل ضرور کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ تبدیلی ہے جس کو ہم مختلف کلچرز اور مختلف نظریات میں دیکھتے ہیں۔"

دماغ (اور باقی اعضاء) کی تنظیم کیسے ہونی ہے؟ ہمارے ڈیزائن کا یہ بلیو پرنٹ جینیات میں ہے۔ یہ ابتدائی مسودہ ہے جو ہمارے رویے کا ایک بڑا حصہ متعین کرتا ہے یا اس پر اثر انداز ہوتا ہے۔

Farhat Yasmeen

یہ فطرت کون ہے جو ہمیں ابتدائی مسودہ فراہم کرتی ہے؟؟

اور فطرت کا احترام کیوں ضروری ہے۔۔۔؟؟

Wahara Umbakar

"میری فطرت میں جلد بازی اور غصے کی تیزی ہے۔" جہاں تک میرا خیال ہے، مجھے اپنی فطرت کا احترام کرنا یا اس کا پابند نہیں ہونا چاہیے بلکہ شعوری طور پر کوشش کرنی چاہیے کہ غصے کی تیزی پر قابو پاسکوں اور خود میں تحمل مزاجی لاسکوں۔

Farhat Yasmeen

جناب! ہمیں کائنات سے لے کر کوانٹم لیول پر فطرت کے اصول نظر آتے ہیں مگر "یہ فطرت کیا ہے؟؟"

کائنات اور فطرت میں کیا فرق ہے؟؟

انسان کا فطرت سے کیا لینا دینا؟؟

Wahara Umbakar

فطرت کا مفہوم وسیع ہے لیکن اس کا عام مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ کچھ بھی ایسا جس میں انسانی کاریگری شامل نہ ہو۔
مثال کے طور پر، واشنگ مشین فطری شے نہیں مصنوعی تخلیق ہے۔

انسان کے معاملے میں ایسے خصائص جو اس کے جینیاتی ڈیزائن کا حصہ ہیں۔۔۔ فطری کہلاتے ہیں۔

مثال کے طور پر کہا جاتا ہے کہ متجسس ہونا انسانی فطرت ہے یا اولاد سے پیار والدین کی فطرت میں ہے۔



برابری

حیوانات کی دنیا میں تمام پرائیمیٹ جبلی طور پر درجہ بندی (hierarchy) والے گروہوں میں رہتے ہیں اور اگر ان کی معاشرت کو سٹڈی کیا جائے تو انسانی معیار کے حساب سے یہ بڑا جابرانہ نظام ہے۔ انسانی گروہ ایسے کام نہیں کرتے۔ بلکہ قدیم خانہ بدوش گروہوں میں برابری کا نظام رہا ہے۔ کوئی سردار نہیں ہوتا تھا اور وسائل برابر تقسیم کئے جاتے تھے۔ دسیوں ہزار سال تک ہمارے آباء ایسے ہی رہتے رہے۔

انسانوں میں درجہ بندی کا نظام اس وقت عام ہوا جب زراعت کی آمد ہوئی، جانور سدھائے گئے اور آبادیاں بنیں۔ اس سے گروہوں کے حجم بڑے ہوئے اور نجی ملکیت زیادہ سے زیادہ ہوتی گئی۔ اس نے برابری کو ختم کر دیا۔ بہترین زمین اور لوگوں کی پیداوار کا ایک حصہ چیف، لیڈر یا اشرافیہ کے پاس جانے لگا۔ اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا فطری طور پر ہمارا ذہن برابری کی طرف مائل ہے یا پھر درجہ بندی کی طرف؟

اس سوال پر تحقیق کرنے والے کرسٹوفر بوہم تھے۔ انہوں نے قبائلی معاشروں کو بھی سٹڈی کیا اور چیمپنزی گروہوں کو بھی۔ وہ اپنی کتاب ”جنگل کا طبقاتی نظام“ میں نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ انسانی جبلت درجہ بندی کے نظام کی ہے لیکن ہماری تاریخ میں کس وقت ایک اہم اور بڑی ”سیاسی تبدیلی“ آئی تھی۔ اس نے یہ ممکن کیا کہ انسان طاقت سے غالب آنے کی کوشش کرنے والے کو لگام ڈالیں یا سزا دے سکیں۔ اس نے یہ ممکن کیا کہ برابری کی بنیاد پر گروہ بن سکیں۔

چیمپنزی میں طاقتور نر (alphamale) لیڈر نہیں ہوتے۔ یہ گروہ کے ”بدمعاش“ ہوتے ہیں جو اپنی من مانی کرتے ہیں۔ یہ تنازعات حل کروا سکتے ہیں۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے زیر نگیں رہنے والے ملکر ان کو ہٹا دیں اور مار دیں۔ اس لئے الفا نر کو اپنی حدود سے واقفیت معلوم ہونی چاہیے اور اتنی سیاسی مہارت ہونے چاہیے کہ اپنے کچھ ساتھی بنا سکے اور بغاوت روک سکے۔

انسان میں محض جسمانی طاقت لڑائی طے نہیں کرتی۔ ہم ہتھیاروں سے لڑتے ہیں۔ شکار کے لئے نیزوں اور چاقو کا استعمال لاکھوں سال پرانا ہے۔ آثارِ قدیمہ کے ریکارڈ اوزاروں اور ہتھیاروں کی باقیات سے بھرے پڑے ہیں۔ اور ہتھیار کسی bully کو بھی روک دیتے ہیں۔

انسان ایک اور انوکھی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہ زبان ہے جس سے رابطہ کیا جاتا ہے۔ اور ہر انسانی معاشرے میں زبان کا استعمال اخلاقی معاملات کے بارے میں گپ شپ کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس سے اپنے حق میں لوگوں کا اکٹھا کرنا اور کسی ایسے شخص کو شرم دلانا، تنہا کر دینا یا دھمکی دینا ممکن کرتا ہے جس کا رویہ گروہ کے لئے قابلِ قبول نہ ہو۔

بوہم کا دعویٰ ہے کہ زبان کی آمد کے بعد صحیح طور پر اخلاقی کمیونیٹی بننے کی آمد ہوئی۔ اس میں لوگ آپس میں گفتگو کے ذریعے ایسے رویے کی شناخت کر لیتے ہیں جو ناپسندیدہ ہو۔ اس میں طاقتور مردوں کی طرف سے جارحانہ اور تسلط قائم کرنے والا رویہ بھی ہے۔ اور جب کسی وقت میں کسی کو سدھارنے کے لئے زبان کافی نہ ہو تو پھر ہتھیار تو ہیں ہی۔

ایسا نہیں کہ انسانی فطرت یکایک برابری کی سمت چلی گئی۔ جب ممکن ہوتا ہے تو لوگ دوسروں کو مغلوب کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن ہتھیاروں اور زبان کے اشتراک نے جسمانی مضبوطی والے الفاظ کا غلبہ توڑ دیا۔

اس سے نکلنے والا نتیجہ تعاون سے بننے والی سیاسی مساوات کا نازک نظام تھا۔ ایسی مخلوق کے لئے، جو جبلی طور پر درجہ بندی کے نظام کی طرف مائل ہے۔

یہ ایک بہت اچھی مثال ہے جو بتاتی ہے کہ ”جبلت“ ذہن کا صرف پہلا خاکہ ہے۔ اور نکلنے والا آخری ایڈیشن اس سے بہت مختلف ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ ایک بڑا اور عام مغالطہ ہے کہ قدیم طرز زندگی کو دیکھا جائے اور کہا جائے کہ ”دیکھو، یہ انسان کی اصل فطرت ہے“۔ خانہ بدوش قبائل میں رہنے والے کا رویہ اور کسی بڑے شہر میں رہنے والے کا رویہ۔۔۔ یہ دونوں ہی انسانی فطرت کا مختلف ماحول میں نتیجہ ہیں۔



سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

یہ جو قدیم خانہ بدوشوں میں برابری کا نظام رہا یہ کتنا عرصہ پرانی بات ہے۔۔؟؟۔
مارکسٹ کے حوالے سے جو سوال پوچھا تھا وہ اسی دور کی بات کر رہا تھا۔
نوٹ:- تحریر کے اگلے حصے کی سمجھ آگئی ہے۔ بس معلومات کے لیے سمجھنا ہے۔

Wahara Umbakar

گروہ سے ریاست تک ایک سیدھی لکیر کا سفر نہیں۔
جب چھوٹا گروہ (band) ہو جس میں سب ایک دوسرے کو جانتے ہوں تو رسمی قوانین کا تصور نہیں۔ خانہ بدوش ہوں تو زمین کی ملکیت کا تصور نہیں ہوتا۔ اس کو پڑھنے کے لئے یہاں سے۔

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/1783515808417687/>



آزادی

بوہم صحرائے کالاہاری کے کنگ قبیلے کا ایک واقعہ بتاتے ہیں۔

”توی نام کے ایک شخص نے تین لوگوں کو قتل کر دیا تھا۔ اس کے خلاف قبیلے کے لوگ اکٹھے ہوئی۔ کھلے عام دن میں لوگوں نے اس پر حملہ کیا اور اسے شدید زخمی کر دیا۔ جب وہ میدان میں پڑا تھا تو مردوں نے اس پر تیر برسائے۔ اور جب وہ مرجکا تھا تو باقی سب نے، جس میں خواتین بھی شامل تھیں، آکر اس کے جسم میں چاقو کھبوائے۔ یہ علامتی نشانی تھی کہ ہم سب اس کی موت کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔“

کسی غنڈے یا طاقتور کے خلاف ملکر اسے سزا دینا انسانوں کے معاشروں کو پر امن رکھنے کے لئے اہم طریقہ کار رہا ہے اور یہ صرف کسی مجرم تک محدود نہیں۔

طاقت کے ذریعے تسلط اور غلبہ جمانے والوں کے خلاف بغاوت انسانی سرشت اور اس کی اخلاقیات کا بنیادی حصہ ہے۔ یہ انسانی تاریخ میں ہونے والے بڑی سیاسی تبدیلی تھی۔

مساوات کی طرف ہونے والی سیاسی تبدیلی اخلاقی میٹرکس کی ڈولپمنٹ کے لئے ایک لمبی جست تھی۔ اس سے لوگ بڑی آبادیوں میں رہ سکتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ہی رسوم و روایات کا دبیز جال، غیر رسمی بندشیں اور کبھی کبھار کی پر تشدد سزا بھی ہے۔

جو افراد اس نئی دنیا میں کامیابی سے رہ سکتے ہیں اور اپنی اچھی شہرت برقرار رکھ سکتے ہیں، ان کا انعام انہیں ملنے والا بھروسہ، تعاون اور دوسروں کی (سیاسی) حمایت ہے۔ اور جو افراد گروپ کے رسوم و رواج کا احترام نہیں کرتے یا پھر بد معاشی دکھاتے ہیں، ان کو بے دخل کے یا قتل کر کے ان کے جین گروپ سے نکال دئے جاتے ہیں۔ جین اور کلچرل رسوم ساتھ ساتھ ہی آگے بڑھتے رہے ہیں۔

اس کا نتیجہ جو عمل ہے، بوہم اس کو ”self-domestication“ کہتے ہیں۔ جس طرح جانور پالنے والے جارحانہ جانوروں کو مار دیتے

ہیں اور مطلوب خاصیت والے جانوروں کی نسل آگے بڑھاتے ہیں، ویسے ہی انسانی نے (غیر ارادی طور پر) اپنے ساتھ کیا۔ ہم بہت پر امن نوع ہیں کیونکہ ہم نے خود کو سدھالیا ہے۔

آزادی کی اخلاقی بنیاد تسلط جمانے اور مغلوب کرنے پر ہونے والی ناپسندیدگی ہے۔ اور اس کے اصل ٹرگر میں کسی بھی طرح کا جبر ہے۔ جارحانہ یا کنٹرول کرنے والا رویہ اس کو چھیڑتا ہے اور اخلاقی غصے کا باعث بنتا ہے۔ (جب ایسا ہو کہ کوئی اتھارٹی آپ کو کسی چیز سے روکے



اور اس کے روکنے کی وجہ سے آپ وہ جان کر کرنا چاہیں، یہ وہ ردِ عمل ہے)۔ کسی کے تمکناہ رویے کے خلاف غصہ اور اس کا شکار ہونے والوں کا اتحاد بنانا ہمارے لئے باہمی تعاون کے بڑے گروہ بنانا ممکن کرتا ہے۔

آزادی کی اس اخلاقی بنیادی قدر کا اتھارٹی کی قدر سے اختلاف ہے۔ اور یہ کئی سیاسی تنازعات اور نظریات میں نظر آتا ہے۔ لیکن خلاصہ یہ کہ، ہم اس چیز کو پہچانتے ہیں کہ اتھارٹی کی کچھ اقسام ایک تناظر میں جائز ہیں۔ اور معاشرے میں نظم و ضبط اس کے بغیر نہیں آسکتا۔ لیکن ہم ایسے لوگوں سے ذرا ہوشیار رہتے ہیں جو لیڈر ہونے کا دعویٰ کریں جب تک کہ وہ ہمارا اعتماد نہ حاصل کر لیں۔ ہم چوکس رہتے ہیں کہ وہ ایسی حدود نہ پار کر لیں جو جبر اور استبداد کے دائرے میں آئیں۔

آزادی کی یہ اخلاقی بنیاد ہر جگہ پر انقلابیوں اور آزادی کے لئے لڑنے والوں کی اخلاقی میٹرکس کو سپورٹ کرتی ہے۔



انقلاب

ساتھ لگی تصویر میں ریاستِ ورجینیا کا جھنڈا ہے۔ اس میں ایک مقتول کے سینے پر ایک قاتل پیر رکھے فاتحانہ انداز میں کھڑا ہے۔ ایک

جھنڈے پر قتل کا جشن؟ اس کے لئے ہم دو ہزار سال پہلے کے ایک منظر کو دیکھتے ہیں۔



رومی بادشاہ جولیس سیزر، جن کے نام پر جولائی کا مہینہ ہے، اُس روز سینٹ کے ہال میں داخل ہوئے۔ صدا لگی، سب کھڑے ہوئے۔ اس سے پہلے کہ سیزر اپنے تخت پر بیٹھے، ایک سینیٹر سمبر اپنی عرضداشت لے کر بڑھے کہ ان کے بھائی

کی سزا معاف کر دی جائے۔ حسبِ توقع سیزر نے انکار کر دیا اور یہی پلان تھا۔ وہ بار بار درخواست کرتے رہے اور سیزر کا انکار جاری رہا۔ اس دوران ساٹھ دوسرے سینیٹر بھی سمبر کی حمایت میں سیزر کے گرد گھیرا ڈال چکے تھے۔ سیزر نے بحث ختم کرنے کی کوشش کی۔ سمبر نے سیزر کے شانے پر ہاتھ رکھا اور ان کا لباس کھینچ لیا۔ حیران سیزر کو کوئی اندازہ نہ تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ ایک دوسرے سینیٹر، کاسکا، نے ان کی گردن پر خنجر سے وار کیا۔ سیزر کی آنکھوں میں غصے سے زیادہ کنفیوژن تھی۔ ان سینیٹرز نے اپنے چہرے کے قلمدان کھول لئے۔ ان کے ہاتھ میں ساٹھ قلم نہیں، ساٹھ خنجر تھے۔

شروع کی مزاحمت کے بعد سنگِ مرمر کا فرش سرخ ہونے لگا۔ تئیں وار، جن میں سے بائیس معمولی تھے لیکن دل پر کیا گیا ایک وار مہلک تھا۔ کچھ یادداشتوں کے مطابق نیچے گرنے سے پہلے انہوں نے اپنے لباس کو سنبھالا اور ان کی نظر اپنے پسندیدہ ترین شاگرد کے سرخ خنجر پر پڑی۔ اپنی قوتِ مجتمع کر کے انہوں نے کہا، ”بروٹس، تم بھی؟“ اور فرش پر گر کر ایک آخری آہ لیتے ہوئے جان دے دی۔

جولیس سیزر کے اس واقعے میں ہم الگ اخلاقی بنیادوں کی کشمکش دیکھ سکتے ہیں۔ سیزر کی توقع اتھارٹی کی قدر کے احترام کی تھی۔ لیکن بائی سینٹر کے لئے یہ ”alpha male“ اب ناقابل قبول تھا۔ ان کے لئے اس سے آزادی کی قدر زیادہ اہم تھی۔ سیزر کی جان کی حرمت سے زیادہ۔ حیرت زدہ جولیس سیزر نے جب آخر میں بروٹس کو دیکھ کر

ettu, Brutus?

کہا (بروٹس، تم بھی؟) تو وہ اپنے شاگرد سے وفاداری کی قدر کی اپیل تھی۔ بروٹس نے جواب دیا۔

Sic semper tyrannis

”ظالموں کے ساتھ ہمیشہ یہی“

جولیس سیزر کی آخری آہ آزادی کی قدر کے ہاتھوں اتھارٹی اور وفاداری اور جان کی حرمت کی قدر کو دی گئی مات کا نتیجہ تھی۔

ورجینیا نے برطانیہ سے آزادی کا اعلان 1776 میں کیا اور اپنے لئے اس جھنڈے کا انتخاب کیا۔ اس میں بنی تصویر میں جولیس سیزر کے قتل کا علامتی جشن ہے۔ جب تک آپ آزادی کی قدر کو نہیں سمجھتے، آپ اس جھنڈے کو نہیں سمجھ سکتے۔ مردہ بادشاہ کے سینے پر رکھے ہوئے پیر کے نیچے بروٹس کے الفاظ لکھے ہیں۔ ”ظالموں کے ساتھ ہمیشہ یہی“

بڑی برائیوں کے پیچھے بھی یہی اخلاقی قدر کارفرما نظر آتی ہے کیونکہ انقلابی کے لئے قتل ہمیشہ برائی نہیں۔ اس اخلاقی بنیاد کے اصل ٹرگر تو جابروں کے خلاف ہیں لیکن موجودہ ٹرگرز میں ہر وہ شے ہے جس سے یہ کسی کو محسوس ہو کہ اس کی آزادی متاثر ہو رہی ہے۔

اوکلاہوما میں ٹموٹھی مک وے نے ایک عمارت میں دھماکہ کر کے 168 لوگوں کو مار دیا۔ ٹموٹھی مک وے کی قمیض پر بھی یہی نعرہ لکھا تھا۔

Sic semper tyrannis

سیاست میں لبرل اور کنزرویٹو، دونوں کے لئے یہ اہم قدر ہے۔ جبر سے نفرت ہر ایک میں پائی جاتی ہے۔ اس کا اظہار ایک طرح سے نہیں۔ مثال کے طور پر، کنزرویٹو کسی بھی دوسرے ملک یا ادارے کی اپنی ملک میں دخل اندازی کو سخت ناپسند کرتے ہیں۔ کسی بھی عالمی معاہدے کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ یہ ان کی آزادی میں خلل ڈالتا ہے۔

جبکہ لبرل اقدار میں اپنے ملک میں اسٹیبلشمنٹ اور بالادست طبقات ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ ان میں طاقتور سے نجات اور ”خلقِ خدا کے راج“ کی خواہش زیادہ نمایاں ہے۔

اسی نوٹ پر اس حصے کا اختتام فیض کی نظم۔ اگرچہ یہ نظم ایک خاص وقت اور خاص تناظر میں کہی گئی تھی لیکن یہ سدا بہار ہے۔ بہت سے مختلف مواقع پر اسے استعمال کیا جاسکتا ہے اور یہ پر اثر اس لئے ہے کہ ہم اس کی اخلاقی بنیاد پہچان سکتے ہیں۔ یہ بنیاد ہم سب میں مشترک ہے۔

ہم دیکھیں گے

لازم ہے کہ ہم بھی دیکھیں گے

وہ دن کہ جس کا وعدہ ہے

جو لوحِ ازل میں لکھا ہے

جب ظلم و ستم کے کوہِ گراں

روئی کی طرح اڑ جائیں گے

ہم محکوموں کے پاؤں تلے

جب دھرتی دھڑ دھڑ دھڑ کے گی

اور اہل حکم کے سراپہ پر

جب بجلی کڑکڑ کرے گی

جب ارضِ خدا کے کعبے سے

سب بت اٹھوائے جائیں گے

ہم اہل صفا مردود حرم

مسند پہ بٹھائے جائیں گے

سب تاج اچھالے جائیں گے

سب تخت گرائے جائیں گے

بس نام رہے گا اللہ کا

جو غائب بھی ہے حاضر بھی

جو منظر بھی ہے ناظر بھی

سوالات و جوابات

ItzRayan

آزادی اور وفاداری جیسی اخلاقی قدریں نیچرلی ہم میں پائی جاتی ہیں مگر ہم ان میں سے کس اخلاقی قدر کو زیادہ ترجیح دیں گے یہ ہماری پرورش اور ماحول پر منحصر کرتا ہے۔

کیا ایسا ہی ہے درست کیجئے گا؟

Wahara Umbakar

ہر ایک کی جینیات یکساں نہیں۔ کسی میں کوئی چیز دوسروں سے کم یا زیادہ ہوتی ہے۔ اور رویے میں جینیات کا بڑا کردار ہے۔ پرورش اور ماحول کا اثر ہوتا ہے۔ (اس سے کم جتنا کہ عام خیال ہے)۔

اور تیسری چیز کسی شخص کے زندگی کے اتفاقات اور انتخاب ہیں جو اسے کسی راستے پر لے کر جاتے ہیں۔

رویے کے بارے میں ہر سوال کا یہی جواب ہوگا۔ جینیات، ماحول، قسمت، انتخاب۔ یہ کسی شخص کی تعمیر کرتے ہیں۔

 "بالکل ایک ہی جینوم سے اتنے مختلف جاندار کیسے؟

کئی دہائیوں سے زیادہ ہونے والی سٹڈیز میں سائیکولوجسٹ اور جینیٹسٹ اس پر کام کر رہے ہیں لیکن کوئی ٹھوس، کوئی منظم فیکٹر۔۔۔ کچھ بھی ایسا، جس کی پیمائش کی جائے، ہاتھ نہیں آیا۔ پچھلے بیس سال میں کی جانے والی 43 سٹڈیز سے ایک طاقتور اور متواتر جواب ابھر کر سامنے آرہا ہے۔۔۔

وہ حادثہ، وہ چوٹ، وہ بیماری۔ ٹرین جو چھوٹ گئی، چابی جو گم گئی، وہ بات جو کان میں پڑ گئی، وہ سوچ جو ٹھہر گئی، مکمل نہ ہو سکی۔ مالیکیول کی فلکچویشن سے جین کی فلکچویشن سے فارم کی تبدیلی۔ موٹر کاٹے سائیکل سے لڑکھڑا پڑے، نہر میں جا گرے، ان پر نگاہ پڑ گئی، محبت میں گرفتار ہو گئے۔ جو ہو گیا، جو نہ ہوا۔ فطرت کا گہرا ترین اصول۔۔۔ رینڈم نس۔۔۔ امکان۔ کیا یہ طیش دلا دینے والا جواب ہے؟ شاید۔ کیا دہائیوں کی غور و فکر کے بعد کیا ہم اس نتیجے پر پہنچ رہے ہیں کہ قسمت۔۔۔ بس قسمت ہی ہے؟ یا پھر شاید، یہی خوبصورت ترین جواب ہے۔"

یہ اقتباس اس پوسٹ سے

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/2203592449743352/>

Farhat Yasmeen

جناب! اتھارٹی کی تقدیس۔۔۔ اور باغیوں کی آزادی۔۔۔ اس ترازو میں بانٹ کون سے استعمال ہونگے۔۔۔ انصاف کے؟؟؟
 اور یہ بانٹ اخلاقیات سے اخذ کیے جائیں گے۔۔۔۔۔ جو کہ ہر دور میں، ہر علاقے میں، ہر شخص کے علیحدہ علیحدہ ہیں؟؟

Wahara Umbakar

ہماری الگ اخلاقی بنیادیں ہمیں الگ سمت میں کھینچتی ہیں۔
 ان سوالات کے الگ جوابات ہی ہمارے تنازعات ہیں۔

Farhat Yasmeen

میں جو ناخن ہائیٹ کی کتاب کے حوالے سے سوال اٹھا رہی ہو۔۔۔ جسے آپ نے اپنا موضوع تحریر بنایا ہے؟؟

Wahara Umbakar

یہاں پر الگ ذہنی ماڈیولز کا ذکر کیا گیا ہے جو اخلاقیات کے لئے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔
یہ ماڈیول ایک دوسرے سے ہم آہنگ نہیں۔ (ہر ایک سے ایک جواب نہیں آتا)۔ ہر فرد کا ذہنی ڈیزائن اس حوالے سے یکساں نہیں۔
(کسی کے لئے کسی چیز کی اہمیت دوسرے شخص کے مقابلے میں زیادہ ہے)۔
اس کا نتیجہ کئی بار فرد کے لئے ذہنی کشمکش میں بھی نکل سکتا ہے۔ اور سماجی کشمکش میں تو نکلتا ہی ہے۔
اس کو طے کیسے کیا جائے؟ یہ اس سیریز کا موضوع نہیں۔

شفقت عابد کلرچی

مرشد من سلامت رہیں۔ کیا یہ قسط آپ کے جاری سلسلہ میں اضافی ہے؟

Wahara Umbakar

سلسلے کا حصہ ہے۔

Shahid Hussain

سرجولیس سیزر کے قتل کو انقلابی ظلم سے نجات کے سلوگن کے طور پر استعمال کرتے ہیں
بلکل اسی طرح انبیاء کرام کے قتل کو بھی اس زمانے کے لوگ جائز قرار دیتے تھے (اپنی آزادی کے خلاف سمجھتے ہوئے)
آئیں صحیح کا تعین کس طرح ہوگا؟

Wahara Umbakar

قبیلہ الف اور قبیلہ جیم کے درمیان ایک جنگ جاری ہے۔
صحیح اور غلط کا تعین کیسے ہوگا؟

Shahid Hussain

سر رپلائی کا بہت بہت شکریہ
لیکن سر میں سمجھ نہیں پایا برائے مہربانی وضاحت فرمائیں

Wahara Umbakar

اس کا مطلب یہ کہ جب دو گروہوں کا تنازعہ ہو تو اپنی نظر میں دونوں ٹھیک ہوتے ہیں۔
مثال کے طور پر ایران اور عراق کی جنگ میں یا لیبیا اور چاڈ کی جنگ میں یا چلی کی خانہ جنگی میں کون صحیح تھا؟ اس کا تعین کیسے کیا جائے؟
ایسا کیا تو جاسکتا ہو گا لیکن مجھے اس کا علم نہیں کہ یہ کیسے ہو گا۔

Farhat Yasmeen

جناب! اتھارٹی کی تقدیس۔۔۔ اور باغیوں کی آزادی۔۔۔ اس ترازو میں بانٹ کون سے استعمال ہونگے۔۔۔ انصاف کے؟؟؟
اور یہ بانٹ اخلاقیات سے اخذ کیے جائیں گے۔۔۔۔۔ جو کہ ہر دور میں، ہر علاقے میں، ہر شخص کے علیحدہ علیحدہ ہیں؟؟

Wahara Umbakar

اپنے اندر کی الگ آوازوں پر پہلے لکھی گئی ایک پوسٹ سے اقتباس
"کیا آپ نے اپنے کبھی خود اپنے ذہن پر اور اس میں چلتے خیالات پر گہرائی میں غور کیا؟ خاص طور پر خیالات کے تضاد پر؟ اور ہر کوئی
اتنے تضادات کا شکار کیوں ہے؟ انسانی رویوں کی وضاحت صرف ایک تھیوری سے کرنا غلط نتائج کیوں دیتا ہے؟ ارسطو نے ایک وقت
میں انسان کو معقول جاندار کہا تھا لیکن ہم اتنے نامعقول کیوں ہیں؟ اور دوسرے ہم سے بھی کہیں زیادہ نامعقول کیوں ہیں؟ اس لئے کہ
ذہن ایک یونٹ نہیں۔ اس میں خیالات کی ایک پارلیمنٹ ہے۔"

<https://www.facebook.com/groups/ScienceKiDuniya/posts/1160292037472664/>

Shafaq Aazamy

جناب!! اس تصویر کی داستان کیا ہے؟؟:

Wahara Umbakar

اس تصویر میں ایک مقامی خاتون برطانوی کو بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔

یہ تصویر الزبتھ کے دور کا آرٹ ہے۔ الزبتھ کے عہد میں آزادی اظہار کی اجازت کم تھی اور حب الوطنی کو
ابھارنا آرٹسٹ کا فرض سمجھا جاتا تھا۔ یہاں پر یہی دکھایا گیا ہے کہ امریکہ کے مقامی جنگجو برطانیوں پر



"ظلم" کر رہے ہیں۔ اس قدر کہ وہاں کے باضمیر لوگ بھی ان کے خلاف ڈٹ گئے ہیں۔

Shafaq Aazamy

جناب!! اس تصویر کی داستان کیا ہے؟؟:



Wahara Umbakar

یہ تصویر پیٹرک ہنری کی ہے جس میں انہیں برطانوی سٹیمپ ایکٹ کی مخالفت کرتے دکھایا گیا ہے۔ اس ایکٹ میں امریکہ میں تمام سرکاری دستاویزات پر ٹکٹ چسپاں کرنا لازم تھا۔ اور یہ ٹکٹ وہ ٹیکس تھا جس کا مقصد برطانیہ کا اپنی فوج کو امریکہ میں رکھنے کا خرچ اٹھانا تھا۔ پیٹرک ہنری اس کے مخالف تھے۔



سزا

انصاف (fairness) کو سمجھنے میں وقت لگتا ہے۔ اخلاقیات کی روایتی سٹڈی اس میں زیادہ مدد نہیں کرتی۔ روایتی خیالات میں انسان خود غرض ہے اور انصاف ایک قسم کی روشن خیال خود غرضی ہے۔ اس میں مقبول تھیوری ٹریورز کی رہی ہے جو جوابی ایثار (reciprocal altruism) کی ہے۔ ٹریورز کہتے ہیں کہ انصاف کے لئے جینیات کا ارتقا اس لئے ہوا کہ جن لوگوں کے جین انصاف پسندی کے تھے، وہ مقابلے کی دوڑ میں دوسروں سے آگے نکل گئے۔ اس طریقے سے سے کامیاب گروپ بن سکتے تھے کیونکہ یہ بہترین حکمت عملی ہے۔ اور انصاف پسندی کا اخلاقی جذبہ صرف اس لئے ہے کہ ادلے کے بدلے کی طرف مائل کرے۔

لیکن اکیسویں صدی میں ارتقائی تھیوریسٹ اس بات کو جان چکے ہیں کہ ”جوابی ایثار“ انسان کے علاوہ کسی اور نوع میں مشکل سے ہی ملتا ہے۔ اس کا مشہور دعویٰ ویسپائر چگاڈر کا کیا جاتا تھا جو چوسا ہوا خون دوسری چگاڈروں سے شکر کرتی تھیں۔ اور ان سے جنہوں نے پہلے ایسا احسان ان کے ساتھ کیا ہو۔ لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ محض رشتہ داروں تک محدود تھا۔ (ایوولیوشنری بائیولوجی میں یہ kin selection تھی)۔ چمپینزی اور کاپوچن بندر میں ایسا کئے جانے کے کچھ لیکن بڑے مبہم شواہد ملتے ہیں۔ ادلے کے بدلے کے لئے صرف اعلیٰ سماجی ذہانت ہی کافی نہیں ہے۔ اس کے لئے گپ شپ، سزا اور اخلاقی کمیونیٹی کا بننا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے زبان اور ہتھیار بھی درکار ہیں تاکہ bully کو ختم کیا جاسکے اور مشترک اخلاقی میٹرکس بن سکیں۔

ادلے کے بدلے کی تھیوری ایک اور بات کی وضاحت میں ناکام رہتی ہے۔ لوگ گروہی سرگرمیوں میں ایک دوسرے سے تعاون کیوں کرتے ہیں؟

ایسا اس صورت میں تو کام کر سکتا ہے جہاں پر دو لوگ ہوں لیکن گروہوں کی صورت میں کسی کے مفاد میں نہیں کہ بدلہ وہ شخص خود لے۔ لیکن ہم ایسا کرتے ہیں۔ سزا دیتے ہیں۔ اور سزا دینا بڑے پیمانے پر تعاون کی ایک کلیدی وجہ ہے۔

اس حوالے سے ایک مشہور تجربہ ارنسٹ فیرنے سوئزرلینڈ میں کیا۔ بارہ راونڈ کی ایک گیم کھیلنی تھی۔ اس میں آپ اور آپ کے تین ساتھیوں کو ہر راونڈ میں بیس ٹوکن ملنے تھے۔ (ہر ٹوکن تقریباً بیس روپے کا تھا)۔ آپ کے پاس انتخاب تھا کہ یا تو ٹوکن رکھ لیں یا پھر انہیں گروپ کے مشترک ڈبے میں جمع کروادیں۔ اور ہر راونڈ کے آخر میں تجربہ کرنے والے اس مشترک ڈبے کو 1.6 سے ضرب دے کر گروپ میں تقسیم کر دیں گے۔ اگر ہر کوئی اپنے تمام ٹوکن ڈبے میں جمع کروادے تو 80 سے بڑھ کر یہ 128 ہو جائیں گے اور ہر ایک کو 32 ٹوکن مل جائیں گے (جن کے عوض بعد میں اصل پیسے دئے جائیں گے)۔ گروپ کا مفاد اس میں ہے کہ ہر کوئی تمام ٹوکن ڈبے میں ڈال دے۔ لیکن ایک فرد کا مفاد اس میں ہے کہ وہ کچھ بھی نہ ڈالے۔ اگر باقی سب اپنے تمام ٹوکن ڈال دیں تو پھر ڈبے میں 60 ٹوکن ہوں گے جو ضرب کھا کر 96 ہو جائیں گے اور ہر ایک میں برابر تقسیم ہونے سے یہ 24 ٹوکن ہر کسی کو ملیں گے۔ ایسا کرنے والے شخص کے پاس اس راونڈ کے آخر میں کل 44 ٹوکن ہو جائیں گے۔

ہر شخص کو کمپیوٹر کے آگے بٹھایا گیا۔ کسی کو یہ معلوم نہیں تھا کہ گیم کھیلنے والے باقی لوگ کون ہیں۔ لیکن یہ پتا تھا کہ چاروں میں سے کس نے کتنا حصہ ڈبے میں ڈالا ہے۔

اور ہر راونڈ کے بعد فیر اور گاسٹر نے گروپ ممبران کو تبدیل کر دیتے تھے۔ ہر بار نئے پارٹنرز کے ساتھ کھیلنا تھا۔ اس صورت میں بھروسہ بنانے کا موقع نہیں تھا اور نہ ہی بدلہ لینے کا (یعنی کہ اپنا حصہ نہ دے کر)۔

یہاں پر ”سخت“ منطقیشخص کے لئے انتخاب واضح ہے۔ ہمیشہ حصہ صفر ڈالا جائے۔ لیکن شرکاء ایسا نہیں کرتے تھے۔ اوسطاً دس ٹوکن پہلے راونڈ میں ڈالے جاتے تھے۔

جس طرح گیم آگے بڑھتی رہی، لوگوں کو کچھ پارٹنرز کی خود غرضی بھگتنی پڑی اور یہ حصہ کم ہوتا گیا۔ چھٹے راونڈ تک یہ چھ ٹوکن تک رہ گیا۔

ایسے تجربات میں نتائج ایسے ہی رہتے ہیں۔ یہاں پر کچھ سرپر از نہیں تھی لیکن جس وجہ سے یہ سٹی شاندار ہے، وہ اس سے اگلا راونڈ

ہے۔ چھٹے راؤنڈ میں تجربہ کرنے والوں نے ایک نیا اصول متعارف کروایا۔ آپ کو یہ علم ہو جائے گا کہ ہر پارٹنر نے کتنا حصہ ڈالا۔ اب آپ کے پاس ایک آپشن ہے۔ آپ دوسرے کھلاڑیوں کو ”سزا“ دے سکتے ہیں۔ اپنے ایک ٹوکن سے دستبردار ہو سکتے ہیں جس کے بدلے میں اس خاص شخص کو تین ٹوکن چھوڑ دینے پڑیں گے۔

یہاں پر بھی ”سخت منطقی“ شخص کے لئے انتخاب واضح ہے۔ کبھی بھی کسی کو سزا نہیں دینی چاہئے۔ سزا کی قیمت تو خود ہی دینی پڑے گی۔ اور جس کو سزا دی جا رہی ہے، اس کے ساتھ دوبارہ کھیلنا بھی نہیں کہ بدلا لینے سے آئندہ کا تعاون ملے یا اپنے سخت مزاج ہونے کی سزا سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ لیکن حیرت انگیز طور پر 84 فیصد لوگوں نے کم از کم ایک مرتبہ سزا دینے کا انتخاب کیا۔ اور اس سے بھی اہم نتیجہ یہ کہ سزا دینے کے بعد تعاون بہت بڑھ گیا۔ بارہویں راؤنڈ تک اوسط حصہ بڑھ کر پندرہ ٹوکن تک پہنچ چکا تھا۔

بُرے رویے کو سزا دینے سے اچھا رویہ بڑھتا ہے اور سب کو فائدہ دیتا ہے۔ اور جب سزا کا خوف ختم ہو جائے تو لوگ خود غرضی دکھاتے ہیں۔

لیکن ایسا کیوں کہ زیادہ تر کھلاڑیوں نے سزا دینے کے لئے قیمت ادا کرنے کا انتخاب کیا؟ ہمیں یہ بہت ناپسند ہے کہ لوگ صرف لیں جبکہ دیں کچھ بھی نہیں۔ ہم دھوکے بازوں اور موقع پرستوں سے کوئی ہمدردی نہیں رکھتے۔ اور اگر ان کے ساتھ برا ہو تو یہ ہمیں خوشی کا احساس دیتا ہے اور ایسا کرنے کے لئے ہم اپنا حصہ بھی ڈالتے ہیں۔

ایسا سمجھ لینا آسان ہے کہ مساوات کی اخلاقی قدر کی بنیاد ”جوابی ایثار“ پر ہے لیکن یہ درست نہیں۔ مساوات کی بنیاد کسی کے تسلط اور غلبے کے خاتمے کی قدر پر ہے۔

یہ دھونس جمانے والے بد معاش کو دھول چٹا دینے کا خوشگوار احساس ہے۔

جب لوگ کسی چیز میں اکٹھا کام کرتے ہیں تو عام طور پر ان کی خواہش یہ رہتی ہے کہ سب سے زیادہ محنت کرنے والے کو اس میں سب

سے زیادہ فائدہ ہو۔ جب لوگ پیسے یا انعام تقسیم کرتے ہیں تو سب میں برابر تقسیم کرنا صرف ایک خاص کیس ہے جب سب نے برابر

حصہ ڈالا ہو۔ جب کچھ نے زیادہ حصہ ڈالا

ہو، یا پھر خاص طور پر کچھ ایسے ممبران

ہوں جن کا کوئی بھی حصہ نہیں ہو تو

لوگ ایسا کبھی نہیں چاہتے کہ ہونے والا

فائدہ برابر تقسیم ہو۔



انصاف کی یہ قدر ہمارے اخلاقی غصے

کی حمایت کرتی ہے جب کوئی ہمارے

ساتھ فراڈ کرے اور اس کا تعلق صرف

ہمارے اپنے ساتھ ہونے والے دھوکے سے نہیں۔ یہ کسی کے ساتھ بھی ناانصافی پر آنے والا غصہ ہے۔



نامکمل تصویر

ابھی تک اس سیریز میں انسانی فطرت کی تصویر کچھ قنوطیت والی ہے۔ وجدان پہلے آتا ہے اور جواز بعد میں۔ جہاں موقع ملے، ہم جھوٹ بولتے ہیں، دھوکہ دیتے ہیں اور اخلاقیات سے صرف نظر کرتے ہیں۔ اور پھر اپنی سادگی کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے کاموں کا جواز بنا لیتے ہیں۔ کچھ بھی کر لینے کے بعد ہم اپنی نظر میں اچھے ہیں اور اپنی راست بازی کے قائل رہتے ہیں۔

ہم اخلاقی نفسیات کا ایک بڑا حصہ ”روشن خیال ذاتی مفاد“ کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔ جین خود غرض ہیں۔ ان سے بننے والے جاندار مختلف ذہنی ماڈیول رکھتے ہیں اور ان کا ایثار حکمت عملی کے تحت ہوتا ہے جس پر ہر وقت بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ ہم رشتہ داروں سے زیادہ بہتر سلوک کرتے ہیں اور دوسروں سے اچھا سلوک کرنے کی وجہ جوابی ایثار ہے۔ اور اس میں زبان اور گفتگو کا اضافی عنصر ہماری سادگی کو manage کرنے کے لئے ہے۔ اخلاقیات کے ارتقا پر لکھی تقریباً ہر کتاب کچھ ایسا ہی بتاتی ہے۔

لیکن یہ تصویر نامکمل ہے۔

ہاں، یہ درست ہے کہ لوگ بہت بار خود غرض ہوتے ہیں۔ ہمارے اخلاقی یا سیاسی رویے کے ایک بڑے حصہ کو چھپی ہوئی مفاد پرستی کے طور پر دیکھا جاسکتا ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بات بھی اتنی ہی درست ہے کہ ہم گروہ پسند (groupish) ہیں۔ ہم کلب، گروپ، تنظیمیں، ٹیمیں بناتے ہیں۔ ہم گروہی شناخت اپناتے ہیں اور اجنبیوں کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر پر جوش طریقے سے کام کرتے ہیں تاکہ اپنا مشترک مقصد حاصل کیا جاسکے۔ ہمارا ذہن ٹیم ورک کے لیے بنا ہے۔ اخلاقیات، سیاست یا مذہب کو اس وقت تک نہیں سمجھا جاسکتا جب تک ہم انسان کے گروہی رویے کو نہ سمجھ لیں۔ کنزرویٹو اخلاقیات ہوں یا سوشلسٹ۔ ہماری سماجیات میں گروہی رویہ ایک بنیادی کردار رکھتا ہے۔

جب ہم کہتے ہیں کہ انسانی فطرت خود غرضی کی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس کئی ایسے ذہنی کمیزم ہیں جن کی وجہ سے ہم

دوسروں کے مقابلے میں اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ اور جب ہم کہتے ہیں کہ انسان گروہ پسند بھی ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ



ہمارے کئی ذہنی مکینزم ہیں جن کی وجہ سے ہم دوسروں کے مقابلے میں اپنے گروہی مفاد کو ترجیح دیتے ہیں۔ ہم نیکی کے مینار تو نہیں ہیں، لیکن ہم اپنی ٹیوں کے اچھے کھلاڑی ہیں۔

یہ دونوں الگ مکینزم انسانی فطرت کو دو بڑی مختلف سمتوں میں دھکیلنے ہیں۔ یہ ہمارے اندر خود غرضی اور بے لوثی کا ایک عجیب امتزاج ہے۔ جس کو ہم تھوڑے سے غور و فکر سے خود اچھی طرح سے اپنے اندر بھی پہچان لیتے ہیں۔



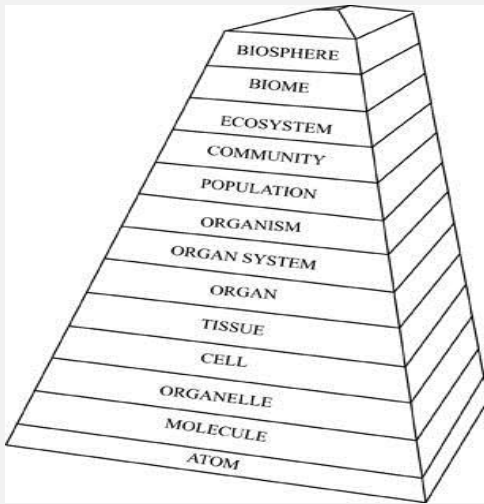
تنظیم کی تہیں

زندگی درجہ بہ درجہ تنظیم ہے۔ جین کروموزوم میں ہیں۔ کروموزوم خلیے میں ہیں۔ خلیے جاندار میں ہیں۔ جاندار خاندان یا معاشرے یا دوسرے گروہوں میں ہے۔ اس تنظیم کے ہر حصے میں مقابلہ ہے۔ اخلاقیات کی سٹڈی ان میں دو سطحیں اہم ہیں۔ فرد اور گروہ۔ جب گروپ مقابلہ کرتے ہیں تو زیادہ منظم اور آپس میں متحد گروپ عام طور پر جیت جاتے ہیں۔ لیکن ایک گروپ کے اندر خود غرض مفت خورے آگے نکل جاتے ہیں۔ یہ گروپ سے فائدہ اٹھاتے ہیں جبکہ اس میں خود حصہ کم ڈالتے ہیں۔ بہادر فوج جیت جاتی ہے لیکن اس بہادر فوج میں پیچھے چھپ جانے والے بزدل زندہ رہتے ہیں، واپس گھر آتے ہیں اور اپنی نسل آگے بڑھاتے ہیں۔ یہاں جینیات میں ملٹی لیول سلیکشن کا بڑا مضبوط پریشر ہر سطح پر ہے۔ اپنی جان پر کھیل کر قربانی دینے والی خاصیت اپنی ٹیم کو جتوا سکتی ہے لیکن فرد کو نہیں۔ اس کا مطلب فرد کی سطح پر سلیکشن پریشر ہے۔ اور یہ وجہ ہے کہ ایسی خاصیت محض چند ہی انواع میں ملتی ہے۔ ایسا صرف اسی وقت ممکن ہے جب ایک گروپ کے اندر اندر مقابلے کا تقریباً خاتمہ ہو گیا ہو اور تمام سلیکشن صرف گروہوں کی آپس میں ہو۔ شہد کی مکھیاں، چیونٹیاں اور دیمک ایسے team player ہیں۔ ایک گروہ میں سب ہمیشہ کے لئے اکٹھے اور متحد۔ خواہ اس کا مطلب اپنی آبادی کے لئے جان دینا ہی کیوں نہ ہو۔ (انسان بھی خود کش حملہ آور بن سکتے ہیں لیکن اس کے لئے بہت سی تربیت، پریشر اور نفسیاتی کھلواڑ درکار ہے۔ یہ ہمارے لئے آسان نہیں)۔

ایک بار گروہوں میں آپس میں اکٹھے رہنا آجائے اور دوسرے گروہوں سے مقابلہ ہونے لگے تو پھر گروپ سلیکشن کام دکھاتی ہے۔ چناؤ تنظیم کی اگلی سطح پر چلا جاتا ہے۔ متحد گروہوں کو خود غرض انفرادیت پسندوں کے اکٹھے پر برتری حاصل ہوتی ہے۔

گروہی رویے کا پہلا محرک تو یہ ہے کہ تنہا رہ جانے والے کے زندہ رہنے اور اپنی نسل آگے بڑھانے کے امکان روشن نہیں۔ دوسرا محرک ادلے کا بدلہ ہے۔ جو لوگ دوسروں کی مدد کرتے ہیں، امکان ہے کہ ضرورت کے وقت انہیں مدد ملے گی۔

لیکن ان سب سے زیادہ اہم ”سماجی اقدار“ اور اخلاقیات کی ڈویلپمنٹ ہے۔ اپنے ساتھیوں سے تعریف اور خود پر ہونے والی الزام تراشی کے بارے میں متفکر ہونے کا جنون۔



جن میں شرم نہ ہو، تعریف حاصل کرنے کی لگن نہ ہو، حیا نہ ہو، تضحیک کا خوف نہ ہو۔۔۔ ایسوں کے لئے سماجی روابط، دوست اور ازدواجی ساتھی ملنے کا امکان مسدود ہو جاتا ہے۔

اور پھر، اگر ہمارے فرائض اور اصول مقدس ہو جائیں تو پھر یہ اخلاقیات کی تکمیل کرنے والا قدم ہے۔ اب موثر گروہ اور معاشرہ بن سکتا ہے۔

جب ہم ان سب کو اکٹھا دیکھیں تو پھر گروہوں میں مفت خوری پرکشش نہیں رہتی۔ ایسی فوج میں جہاں پر غیرت کو تقدیس حاصل ہو۔ وفاداری اور حب الوطنی جیسی اقدار اس میں رچی بسی ہوں۔ ایس فوج میں جنگ کی صورت میں پیچھے رہ جانے والے بزدل واپس جا کر اگلی نسل پیدا نہیں کر سکیں گے۔ یا تو ان کی اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں پٹائی ہوگی یا پھر انہیں پیٹھ میں گولی مار دی جائے گی۔ بچ بھی جانے پر غدار یا بھگوڑے کی گروہ میں کوئی وقعت نہیں ہوگی۔ ان کے جین آگے نہیں بڑھ پائیں گے۔

افواج ہوں یا موثر گروہ، ان کے پاس خود غرضی کچلنے کے کئی طریقے ہوتے ہیں۔ اور جب بھی کوئی گروہ خود غرضی سے نمٹنے کا طریقہ تلاش کر لیتا ہے، طاقتوں کا توازن کئی سطح پر اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ فرد کی سطح کی سلیکشن کی اہمیت کم ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، وفاداری اور تقدیس کی اگر جینیاتی بنیاد ہے تو گروہی مقابلہ بازی کے ماحول میں ایسے جین اگلی نسل میں زیادہ نمایاں ہو جائیں گے۔ جن گروہوں میں ایسی خاصیتیں عام ہوں گی، وہ ایسے گروہوں کی جگہ لے لیں گے جہاں پر یہ عام نہیں، خواہ اس خاصیت کے لئے فرد کو کچھ قیمت بھی دینا پڑے۔

بہت عرصے تک سائنس میں جانوروں کے رویے میں اخلاقیات کے بارے میں عجیب خیالات حاوی رہے۔ مثال کے طور، "ایک جانور اتنی زیادہ گھاس نہیں چرتا کہ اس کی کمی نہ ہو جائے" یا "ایک خاص حد سے زیادہ بچے پیدا نہیں کرتا تاکہ خوراک کی کمی نہ ہو"۔ اس سے بھی بلند و بانگ دعوے کئے گئے۔ "جانور اپنی نوع کا خیال کرتے ہیں"۔ یہاں تک کہ "جانور ایکوسٹم کی حفاظت کرتے ہیں"۔ یہ دعوے سادہ لوحی پر مبنی تھے۔ جو ایسی حکمت عملی اپنائے گا، اپنے پیچھے کم اولاد چھوڑ سکے گا اور جلد ہی زیادہ خود غرض جانور اس کی جگہ

لے لیں گے۔ مفت خوری کے مسئلے کا حل ان خیالات میں نہیں تھا۔ ایسی سادہ لوح سوچ عام رہی۔ اس کو چیلنج کرنے والی پہلی کتاب Adaptations and Natural Selection تھی جو 1966 میں شائع ہوئی۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

جانور اتنی ہی خوراک کھاتے ہیں جتنی ضرورت ہو (عام طور پر ایسا ہی سمجھا جاتا ہے) مگر انسان overeating کیوں کرتا ہے یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کو اس کی قیمت چکانی پڑے گی۔

Wahara Umbakar

جانور بھی overeating کرتے ہیں۔ اس حوالے سے کوئی فرق نہیں۔۔۔

Shoaib Nazir

سوچتا ہوں آپ کسی سیاسی پارٹی کو اسپورٹ کرتے ہوں گے یا بالکل نیوٹرل ہوں گے؟ - یہ خیال کچھ دن پہلے آیا تھا

Wahara Umbakar

امریکی سیاست میں زیادہ معاملات میں ری پبلکن پارٹی کو۔ برطانوی سیاست میں کنزرویٹو پارٹی کو۔ بنگلادیش میں بنگلادیش نیشنل پارٹی کو۔ سری لنکا میں نیوڈیموکریٹک فرنٹ کو۔ لیکن ترجیح وقت کے ساتھ بدلتی رہی ہے اور رہے گی۔۔۔۔

Shazim Farooq

Log narcissst kiun bnty hain.

Wahara Umbakar

مختلف لوگ مختلف قسم کی شخصیت رکھتے ہیں۔



خود غرض جین؟

ایک نوجوان بائیولوجسٹ جارج ولیمز 1955 میں دیمک کے ماہر کالیکٹر سن رہے تھے۔ لیکچر دینے والے کا دعویٰ تھا کہ دیمک کی طرح ہی کئی جانور ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور مددگار ہوتے ہیں۔ بڑھاپا اور موت وہ طریقے ہیں جن سے نیچر نوجوان اور زیادہ فٹ ممبران کے لئے جگہ بناتی ہے۔ لیکن ولیمز جینیات اور ارتقا کا اچھا علم رکھتے تھے۔ انہیں خوبصورت لگنے والے بے بنیاد دعوے پسند نہیں تھے۔ انہیں علم تھا کہ جانور اس لئے نہیں مرتے کہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکیں۔ وہ بائیولوجی کو ایسی کمزور سوچ سے نجات دلانا چاہتے تھے۔ دیمک کا باہم تعاون ایک خاص کیس ہے جس میں دیمک کی کالونی میں تمام بہنیں ہوتی ہیں۔

ان کی لکھی کتاب 1966 میں شائع ہوئی۔ ان کی نظر میں نیچرل سلیکشن ایک ڈیزائن کا عمل تھا۔ اور اسے بیان کرنے کے لئے ڈیزائن کی زبان ہی کا آمد تھی۔ مثال کے طور پر، پروں کو صرف ایسے حیاتیاتی کمینزم کے طور پر سمجھا جاسکتا ہے جن کا ڈیزائن اڑنے کے لئے ہے۔ کسی ایک سطح پر ہونے والے ایڈاپٹیشن کا ہمیشہ مطلب اسی سطح پر ہونے والا سلیکشن کا یا ڈیزائن کا عمل ہے۔ اور انہوں نے پڑھنے والوں کو خبردار کیا کہ بالالیول (مثلاً گروہ) کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے جب نچلے لیول (مثلاً فرد) سے کسی خاصیت کی مکمل وضاحت ہو سکے۔

ان کی دی گئی مثال ”ہرن کی رفتار“ کی تھی۔ جب ہرن ایک ریوڑ میں بھاگتے ہیں تو ہمیں ان کا تیز رفتار بھاگتا ہوا ریوڑ نظر آتا ہے۔ ایسا کہہ دینا پرکشش لگتا ہے کہ ”پچھلے کئی ملین سال میں جو ریوڑ زیادہ تیز تھے، وہ سست رفتار ریوڑوں کے مقابلے میں شکار ہونے سے بچ گئے۔“ لیکن ولیمز نے یہاں پر نشاندہی کی کہ ہرن ایک ”فرد“ کے طور پر شکاری سے بھاگنے سے ڈیزائن ہوا ہے۔ سلیکشن کا عمل فرد کی سطح پر ہے، نہ کہ گروپ کی سطح پر۔ سست رفتار ہرن کھایا جاتا ہے جبکہ اسی ریوڑ کا تیز رفتار بچ جاتا ہے۔ ہمیں ہرن کی رفتار کی وضاحت کرنے کے لئے گروپ تک جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ہرنوں کا تیز رفتار ریوڑ صرف تیز رفتار ہرنوں کا ریوڑ ہے۔

ولیمز کی مثال یہ دکھاتی تھی کہ گروہی سطح پر تجزیہ کرنے کے لئے ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے۔ رویوں کے ایسے کمینزم جن کا مقصد یا

فنکشن فرد کی نہیں بلکہ گروہ کی حفاظت ہو۔ صرف انہی کے لئے گروپ سلیکشن کے ڈیزائن تک جانے کی تک بنتی ہے۔

اگر ہرن عقلمند اور باشعور ہوتے، ایسی حکمت عملی بناتے جس میں سب سے تیز رفتار ہرن شکاری کو اپنے پیچھے لگا کر باقی گروپ سے الگ کر دیتے تو پھر ہمارے پاس ایسے شواہد ہوتے جس کے لئے گروپ سلیکشن کی وضاحت کی طرف جانا پڑتا۔

ولیمز نے اپنی کتاب میں کہا کہ گروپ سلیکشن ممکن تو ہے لیکن ان کی تمام کتاب اس تھیس پر تھی کہ جانداروں میں گروپ کی سطح کا ڈیزائن موجود نہیں ہے۔ حیوانات سے انہوں نے مثالیں لے کر واضح کیا کہ ایک نوآموز سائنسدان کو جو چیز ایثار یا قربانی لگتی ہے (جیسا کہ دیمک کے ماہر کو)، یا تو وہ بالآخر خود غرضی ہے یا پھر رشتہ داری کا چناؤ (kinselection) جس میں مہنگے اعمال اپنے سے قریب ترین جین کی حفاظت کر کے جین کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ دیمک میں۔

اور پھر رچرڈ ڈاکٹر نے مشہور کتاب Selfish Gene کے نام سے 1976 میں لکھی، جس میں یہی موضوع اور دلائل زیادہ عام فہم طریقے سے بتائے گئے تھے۔ 1970 کی دہائی کے آخر تک یہ اتفاق رائے پیدا ہو چکا تھا کہ اگر کوئی بھی ایسی بات کرتا ہے کہ کوئی رویہ ”گروہ کی بھلائی“ کے لئے ہے تو وہ کم عقل ہے اور اس کی رائے کو نظر انداز کر دینا چاہیے۔



اکیسویں صدی کی ابتدا تک یہ خیالات سائنس میں غالب رہے، جن کی سماجی وجوہات بھی تھیں۔ خود غرض جین کے یہ خیالات بہت سی چیزوں کے بارے میں اچھی بصیرت دیتے تھے۔ لیکن ان کے ساتھ ہی ایک کمزوری بھی تھی۔

جب ولیمز نے ہرنوں کی رفتار کی مثال دی تھی تو یہی مثال اس کو

واضح کر دیتی ہے کہ انسانی گروہ ہرنوں کے گروہوں کی طرح کام نہیں کرتے۔ اگر ایک معاشرے میں لوگ خود کو تعاون کرنے والے گروہوں میں منظم کرتے ہیں جہاں محنت کی تقسیم طے کر لی جائے، تو پھر ایسی صلاحیت کی وضاحت خود غرض جین نہیں کرتے۔ یہ گروہی سطح کا ڈیزائن ہے۔ اس کی توجیہ کسی بھی طرح فرد کی سطح پر نہیں کی جاسکتی۔



گروہی چناؤ

مندرجہ ذیل جو نا تھن ہائیٹ اپنا ذاتی واقعہ بتاتے ہیں۔

”گیارہ ستمبر 2001 کے واقعے کے بعد میرا دل بڑی شدت سے ایک کام کرنے کو کیا، جس کو میں دوستوں کے آگے تسلیم کرنے میں شرمندہ تھا۔ میں اپنی گاڑی پر اپنے ملک کا جھنڈا لگانا چاہتا تھا۔

یہ خواہش اچانک ہی کہیں سے آئی تھی۔ اس کا کوئی بھی تعلق کسی ایسی چیز سے نہیں تھا جس کی وجہ مجھے سمجھ آتی ہے۔ یہ میرے دماغ کی کسی تہہ میں چھپا ہوا الارم تھا۔ مجھے اس الارم کے ہونے کا کوئی علم نہیں تھا۔ لیکن اس وقت میں مجھے اپنے ملک سے تعلق کا احساس چھا گیا۔ میں کچھ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے جا کر خون کا عطیہ دیا۔ اجنبیوں سے مہربانی بڑھ گئی۔ اور اس وقت میں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ میں ایک ٹیم کا ممبر ہوں اور جھنڈا اس کی علامت تھا۔

لیکن میں تو ایک پروفیسر ہوں اور پروفیسر ایسے کام نہیں کرتے۔ جھنڈے لہرانا اور قومیت پسندی کے مظاہرے قدامت پسندوں کے کام ہیں۔ پروفیسر عالمی انسانی برادری کے قائل ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں پر تنقید کرتے ہیں جن کی نظر میں ان کا ملک دنیا میں کوئی خاص حیثیت رکھتا ہے۔

میرے لئے یہ ایک نئی دریافت تھی کہ میں محب وطن تھا۔

ساڑھے تین روز کی ذہنی کشمکش کے بعد (اور ایسا میرے ساتھ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا)، مجھے ایک حل مل گیا۔ میں نے اپنی گاڑی کے پچھلے شیشے کے ایک کونے میں اپنے ملک کا جھنڈا لگا لیا اور دوسرے میں اقوام متحدہ کا۔ تاکہ میں اپنے ملک کی محبت کا اعلان بھی کروں اور اپنے عالمی شہری ہونے کا بھرم بھی رہ جائے۔“

سترکی دہائی کو ”فرد کی دہائی“ کہا جاتا ہے۔ انفرادیت پسندی کا عروج اس وقت میں آیا۔ سماجی سائنس میں ہونے والی تبدیلیاں بھی اسی کے ساتھ ہی۔ مثال کے طور پر، سماجی نفسیات میں fairness کے لئے کی جانی والی وضاحت (equity theory) چار بنیادوں پر تھی۔

اور ان میں سے پہلا یہ تھا کہ انسان Homo economicus ہے۔ (یعنی اپنا ذاتی مفاد زیادہ سے زیادہ کرنا چاہتا ہے) اس کے ایک مصنف کے مطابق، ”کسی بہت جھگڑالو سائنسدان کے لئے بھی ہماری اس پہلے تجویز کو چیلنج کرنا بڑا مشکل ہوگا۔ بہت سے الگ شعبوں کی تھیوریاں اس مفروضے پر ہے کہ انسان خود غرض ہے۔“ بظاہر تعاون، ایثار اور سادہ انصاف کے اعمال کی وضاحت بالآخر اپنے مفاد کی حفاظت کے طور پر ہی کرنا پڑے گی۔

ظاہر ہے کہ اصل زندگی ایسی چیزوں سے بھری پڑی ہے جہاں پر اس تجویز کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ لوگ ایسے ریسٹورنٹ میں بھی ٹپ چھوڑ کر جاتے ہیں جہاں انہوں نے کبھی دوبارہ نہیں آنا۔ کئی بار دریا میں چھلانگ لگا دیتے ہیں تاکہ ایسے بچے کو ڈوبنے سے بچایا جاسکے جن سے ان کا کوئی واسطہ نہیں۔ نامعلوم رہ کر خیرات دیتے ہیں۔ کیا اس کی وضاحت کی جاسکتی ہے؟

”کوئی مسئلہ نہیں“۔ قنوطیوں کی طرف سے جواب تھا۔ یہ صرف ہمارے قدیم ذہنی نظاموں کی ہونے والی غلط فہم فائرنگ ہے۔ یہ سسٹم اس وقت ڈیزائن ہوئے تھے جب لوگ چھوٹے گروہوں میں رہتے تھے جہاں ہر کوئی رشتہ دار تھا۔ اب جبکہ ہم بڑے معاشروں میں اجنبیوں کے ساتھ رہتے ہیں، یہ قدیم خود غرض سسٹم ہم سے ان اجنبیوں کی مدد بھی کروا بیٹھتے ہیں جن سے کچھ بھی واپس ملنے کا امکان نہیں۔ ہماری ”اخلاقی صفات“ ہمارے ڈیزائن کا حصہ نہیں بلکہ ایک ضمنی پیداوار ہے۔

ولیمز کے مطابق ”اخلاقیات ایک حادثاتی صفت ہے۔ حیاتیاتی پر اس اندھے اور بے وقوف ہوتے ہیں۔ ان سے ایسی صفت نکلا ان کی غلطی کی نشاندہی ہے۔“ ڈاکٹر بھی ایسے ہی خیال کا اظہار کرتے ہیں۔ ”ہم خود غرض پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے سخاوت اور ایثار سکھانا چاہیے۔“

لیکن یہ نقطہ نظر ٹھیک نہیں۔

جس طرح زرافہ اپنی گردن کی لمبائی کی وجہ سے منفرد ہے۔ ویسے جانداروں کی دنیا میں انسان ایثار کے زرافے ہیں۔ فطرت میں یکتا اور منفرد، جو کہ وقت پڑھنے پر بے لوث ہو سکتے ہیں اور شہد کی مکھیوں جیسی ٹیم سپرٹ کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ اگر اخلاقیات میں آپ کا آئیڈیل کوئی ایسا شخص ہے جس کی زندگی کا مقصد ہی اجنبیوں کی مدد کرنا ہے تو ایسے لوگ تو نایاب ہیں۔ لیکن اگر

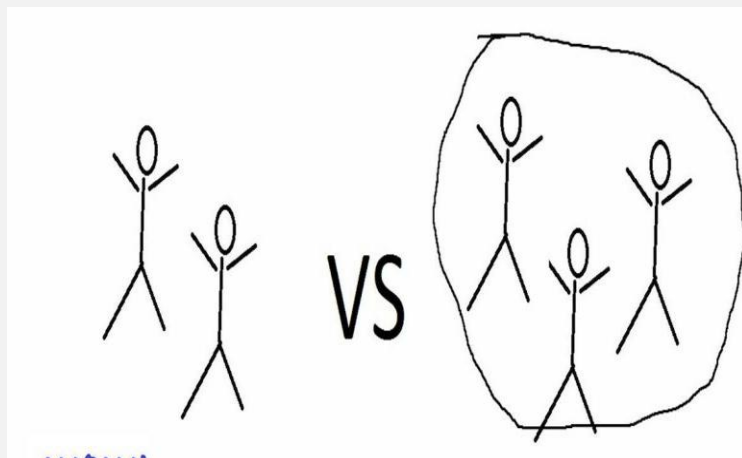
آپ لوگوں کے گروہی رویے پر توجہ رکھیں۔۔۔ ایسے لوگ جو مشترک مقاصد اور اقدار رکھتے ہیں، ایک دوسرے سے واقفیت رکھتے ہیں۔۔۔ اور پھر ان کی صلاحیت دیکھیں کہ وہ کیسے اکٹھے ملکر کام کرتے ہیں، محنت تقسیم کرتے ہیں، ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور ایک یکجا ٹیم کے طور پر کام کرتے ہیں کہ ہم اس کو نوٹ بھی نہیں کرتے۔ آپ کبھی ایسی ”خبر“ نہیں دیکھیں گے کہ ”کالج کے چالیس طلباء، جو ایک دوسرے کے رشتہ دار نہیں تھے، ملکر ایک سٹیج ڈرامہ کر رہے ہیں۔ انہیں اس کا کوئی معاوضہ بھی نہیں مل رہا۔“

انسانی گروہ ہر نوع کے گروہوں کی طرح کام نہیں کرتے۔ یہ محض افراد کے اکٹھے نہیں۔ اگر ایک معاشرے میں لوگ خود کو تعاون کرنے والے گروہوں میں منظم کرتے ہیں جہاں محنت کی تقسیم طے کر لی جائے، تو پھر یہ صلاحیت گروہی سطح کا ڈیزائن ہے۔ اس کی توجیہ کسی بھی طرح فرد کی سطح پر نہیں کی جاسکتی۔

ہائیٹ بتاتے ہیں کہ ”یہ چیز گیارہ ستمبر کے بعد میرے رویے کی وضاحت کرتی ہے۔ اس نے میرے گروہی سوچ آن کر دئے۔ میرا جھنڈا لگانے، خون دینے، خیرات دینے کے کام ٹیم پئیر کے طور پر تھے۔ اور میرا ردِ عمل تو بس مریل سا تھا۔ اس کے مقابلہ میں سینکڑوں دوسرے لوگ تھے جو اسی وقت اپنی گاڑیوں میں بیٹھے طویل فاصلہ طے کر کے اس مقام پر پہنچ رہے تھے جہاں پروہ بلے میں سے بچ جانے والوں کو نکال سکیں۔ کیا یہ سب کسی ذاتی خود غرض مفاد کے لئے تھا؟ نہیں، خود غرضی ہماری نوع کے رویوں کی وضاحت نہیں کرتی۔“

مصیبت کے وقت جھنڈے تلے اکٹھے ہو جانا (rally-round-the-flag) گروہی کمیونزم کی ایک مثال ہے۔ اس کی وضاحت کے لئے ہمیں گروہ کی سطح تک جانا پڑتا ہے۔

گروہی سلیکشن ایک ایسا آئیڈیا ہے جس کی سائنسدانوں میں قبولیت اب بڑھ چکی ہے لیکن ابھی تک تمام ارتقائی ماہرین اس پر متفق نہیں ہو



سکے۔ (کئی سائنسدان ابھی بھی گروہی رویوں کی وضاحت kin selection سے کرنے کی کوشش کرتے ہیں)۔
لیکن چونکہ ہمارا موضوع محض اخلاقی نفسیات ہے تو ہم ان ماہرین کو یہیں چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں اور اپنی توجہ انسان کی نفسیات پر مبذول کرتے ہیں۔

گروہ پسندی کی منفی سائیڈ ہمیں جنگ و جدل، نسلی تعصب

اور قبائلی عصبیت جیسی بد صورت چیزوں میں نظر آتی ہے۔ لیکن گروہ پسندی ہی وہ چیز ہے جو ہمیں خود غرضی سے آگے بڑھاتی ہے۔ یہ وہ جادوئی جزو ہے جس نے اور انسانوں کا زمین پر ہزاروں سال سے پرامن قیام ممکن کیا ہے۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

ایک کمنٹ میں آپ نے لکھا تھا دنیا کی 95 فیصد آبادی مذہبی ہے۔۔۔

واقعی؟۔ کیسے؟۔ گوگل پہ بھی متضاد ملا سو پوچھنا پڑ رہا۔۔

نوٹ:۔ متعلقہ پوسٹ نہیں مل سوییہاں سوال کیا ہے

Wahara Umbakar

مندرجہ ذیل لنک میں اس پر خاصی تفصیل سے لکھا ہے۔ دنیا میں لائڈ مہب لوگوں کا تناسب 7 فیصد ہے، اور ان میں زیادہ تعداد کم عمر کے مرد حضرات کی ہے۔ اور معلوم تاریخ میں یہ تناسب بھی ہمیشہ سے لگ بھگ اتنا ہی رہا ہے (اور ہمیشہ سے ہی یہ رجحان کم عمر کے males میں زیادہ رہا ہے)۔

<https://www.oxfordhandbooks.com/.../oxfordhb...>

ShoaibNazir

خاصی تفصیل تو نہیں ملی۔۔ یہ جو ایک ہی پیج ہے اتنا ہی ہے یا استعمال کا نہ پتہ چل سکا؟۔
باقی وہ لوگ جو بظاہر مذہبی ناموں سے سرکاری اعداد و شمار میں رجسٹرڈ ہیں مگر حقیقتاً مذہب چھوڑ چکے ہیں ان کا اندازہ نہیں۔۔
اگر ایک رف اندازہ لگایا جائے۔۔ تب یہ کیلکولیشن کہاں تک جا پہنچتی۔۔؟؟

Wahara Umbakar

یہ بڑا تفصیلی مضمون ہے لیکن اب دیکھا ہے کہ فری نہیں ہے۔ جو حقیقتاً چھوڑ چکے ہیں، ان کو ملا کر ہی یہ تعداد سات فیصد تک جا پہنچتی ہے۔

ShoaibNazir

ہم

یہ تو بہت تھوڑی نظر آرہی۔۔۔ یہ بتائیے گا دنیا کی اکثریت مذہبی کیوں ہے؟/کیا اس کے تانے بانے انسانی فطرت کے ساتھ جاملتے ہیں؟؟؟۔

جیسے آپ کے موجودہ سلسلے میں بھی اگر ہم انسانی فیکٹریز کا خلاصہ نکالیں تو ایک نقطے کے گرد بات گھومتی نظر آتی ہے۔۔
وہ ہے انسانی فطرت۔۔

جو ہم نے اپنی چوائس پر نہیں بنوائی۔۔ کیا کہیں نہ کہیں ایسا ہے کہ ہماری فطرت ہی ایسی ہے جو طاقت ور کے آگے سر بسجود ہونے۔۔۔۔۔ فوری احکام بجالانے۔۔

یا ایک اہم طاقت کو مان کر یکسو ہو کر کام کرنے کی طرف جانا چاہتی ہے۔۔۔۔۔؟۔
یا وجہ پرانے وقتوں کے انسان کا آبادی کو کنٹرول میں رکھنے کے لیے۔۔۔ منظم رکھنے کے لیے۔۔۔
ایک خاص ترتیب میں سب کو پابند کرنے کے لیے اس سے بہترین آئیڈیا نہیں تھا؟؟۔

Wahara Umbakar

جو کچھ بھی انسان کرتے ہیں، وہ انسانی فطرت ہے۔ (یہی اس کی ڈیفینیشن ہے)۔ پرانے وقت ہوں یا نئے، یہ فطرت بنیادی طور پر نہ

Shoaib Nazir

پر آپ کی پوسٹ واش روم میں سامنے آجائے تو باہر آکر ہاتھ دھونے کے بعد ہی پڑھتا ہوں۔

Wahara Umbakar

ترانوے فیصد اور سات فیصد۔۔۔۔۔ دونوں ہی انسانی فطرت کی وجہ سے ہیں۔ ہماری فطرت منقسم ہے، کئی سمتوں میں کھینچتی ہے، اور یہی ہماری free will ہے کہ ہم، بطور ایجنٹ، کیا انتخاب کرتے ہیں۔

کہانی دنیا کو سمجھنے کے لئے بہترین اوزار ہے۔ ہم کہانیوں اور فقروں سے دنیا کو سمجھتے ہیں۔

مثال کے طور پر یہ ایک مضمون ہے جس میں کہانیوں کی مدد سے مخالف معاشی نظریات کا ذکر کیا گیا ہے۔۔۔

<https://www.facebook.com/groups/AutoPrince/posts/1420347204734551/>

Shoaib Nazir

معاشرے کی ان طبقات کا جو طاقت ور رہنا چاہتے تھے۔۔ حکومت کرنا چاہتے تھے۔۔۔

Wahara Umbakar

ہم یہ بات تو بہت اعتماد سے کہہ سکتے ہیں کہ ایسا نہیں کہ دنیا میں ہر جگہ پر طاقتور طبقات نے مذاہب ایجاد کئے۔ بہت سی جگہوں پر اور

تاریخ میں بہت مرتبہ طاقتور طبقات کا تسلط اس سے توڑا گیا۔ (مثال کے طور پر، کیتھولک چرچ کا پوپ یورپ کے طاقتور بادشاہوں پر ایک مضبوط کنٹرول تھا)۔

اور ایسا بھی نہیں کہ جو طبقات طاقتور نہ ہوں، وہ بہت gullible ہوتے ہیں کہ طاقتور انہیں جو بات کہہ دیں، وہ چپ کر کے مان لیتے ہیں۔



موٹربوٹ

فرض کیجئے کہ آپ کشتیوں کی ایک ریس میں شرکت کر رہے ہیں۔ ایک سو کشتیوں کا مقابلہ ہے۔ آپ نے دس میل کا فاصلہ طے کرنا ہے اور جیتنے والے کو بڑا انعام ملے گا۔ آدھا فاصلہ طے کرتے وقت آپ اول نمبر پر تھے۔ لیکن اس وقت اچانک ہی ایک کشتی آپ سے آگے نکل گئی۔ اس میں دو ملاح تھے جو ایک ایک چپو چلا رہے تھے۔ یہ تو غلط ہو گیا! اور اس سے عجیب یہ کہ کچھ دیر بعد آپ دیکھتے ہیں کہ کسی نے تین کشتیاں جوڑ کر ایک لمبی سی کشتی بنالی۔ ہر ایک میں دو ملاح ہیں۔ یہ چھ ہم آہنگی سے چپو چلا رہے ہیں اور ایک ساتواں ان سب کو ایک تال میل میں رکھنے کے لئے پکارتا جا رہا ہے۔

یہ دھوکے باز جیتنے ہی لگے تھے کہ ریس ختم ہونے سے بالکل پہلے چوبیس ملاحوں کی ایک کشتی ان سب سے آگے نکل گئی۔ یہ ایک موٹربوٹ تھی جو کسی نے کرائے پر لی تھی۔

دراصل، اس ریس میں کوئی اصول نہیں تھے کہ کس قسم کی کشتی کی اجازت ہے!!

یہ زمین پر زندگی کی کہانی کا استعارہ بھی ہے۔ ابتدائی ارب سال میں زمین پر جاندار صرف سادہ خلیات (پروکاریوٹ) تھے جیسا کہ بیکٹیریا۔ سب کا اپنا اکیلا سسٹم تھا۔ ایک دوسرے سے مقابلہ اور اپنی کاپیاں بنالینے کا نظام۔

پھر تقریباً دو ارب سال پہلے، کسی طریقے سے دو ایسے جاندار ایک ہی جھلی کے اندر مدغم ہو گئے۔ (اسی وجہ سے مائیکروانڈریا کا اپنا ڈی این اے ہے جو نیوکلیمس کے ڈی این اے سے الگ ہے)۔ یہ دو ملاحوں والی کشتی تھی۔ ایسے خلیات کو محنت کی تقسیم کی وجہ سے فائدہ تھا۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی مقابلہ نہیں تھا۔ یہ باہمی تعاون سے ہونے والا اکٹھا تھا۔

ماہرین حیاتیات کی زبان میں زمینی زندگی میں یہ انقلابی تبدیلی تھی۔ فطری چناؤ ہمیشہ کی طرح ساتھ ساتھ ہوتا رہا لیکن اب یہ عمل ایک نئے قسم کے جاندار پر ہو سکتا تھا۔ یہ اس ریس میں ایک نئی قسم کی کشتی تھی۔ ایک خلوی یوکاریوٹ زبردست طریقے سے کامیاب ہوئے اور دنیا بھر کے سمندروں میں پھیل گئے۔

چند سو ملین سال پہلے، ان یوکاریوٹ میں سے کچھ نے ایک انوکھی ایڈاپٹیشن کی۔ خلیے کی تقسیم ہو جانے کے بعد یہ الگ نہیں ہوئے اور ایک کثیر خلوی جاندار بنا دیا، جس میں ہر خلیے میں ایک ہی جین تھے۔ ایک مرتبہ پھر، ان کے درمیان مقابلہ ختم ہو گیا۔ (ہر خلیہ صرف اس وقت افزائش نسل کر سکتا تھا جب پورا جاندار ایسا کرے)۔ خلیات کا گروہ ایک فرد بن گیا۔ ان خلیات میں محنت کی تقسیم ہو سکتی تھی۔ اعضاء جیسی سپیشلائزیشن آسکتی تھی۔ یہ ایک نئی اور بہت طاقتور قسم کی کشتی تھی۔ اور اس نے مختصر عرصے میں زمین کو جانوروں، پودوں اور فنگس سے بھر دیا۔ یہ ایک اور انقلابی تبدیلی تھی۔

ایسی انقلابی تبدیلیاں نایاب ہیں۔ جون مینرڈ سمٹھ نے چار ارب سال میں ایسی آٹھ واضح مثالیں گنی ہیں۔ (ان میں سے آخری انسانی معاشرت ہے)۔ لیکن یہ زندگی کی تاریخ کے سب سے اہم واقعات ہیں۔ اور یہ سب ملٹی لیول سلیکشن کا عمل ہے۔ یعنی اگلی سطح کی طرف جانے کا۔ جب بھی انفرادی یونٹ ملکر تعاون سے کام کرنے کا طریقہ تلاش کر لیتے ہیں، ٹیم کے طور پر کام کر سکتے ہیں، محنت کی تقسیم کر سکتے ہیں اور مفت خوری کا مسئلہ حل کر سکتے ہیں تو اس سے کمتر سطح پر چناؤ بے معنی ہو جاتا ہے۔ اوپر والی سطح کا چناؤ زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ اور یہ چناؤ تعاون کرنے والے سپر آرگنزم کی حمایت کرتا ہے۔ اور جس طرح یہ سپر آرگنزم بڑھتے ہیں اور دوسروں سے مقابلہ کرتے ہیں تو یہ زیادہ سے زیادہ کامیابی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ گروپ سلیکشن کا عمل ہے۔ زیادہ فٹ گروپ اپنی اگلی نسلوں کو اپنی خاصیتیں منتقل کر دیتے ہیں۔

انقلابی تبدیلیاں نایاب ہیں۔ لیکن جب یہ ہوتی ہیں تو زمین کو بدل دیتی ہیں۔ دس کروڑ سال پہلے، بھڑوں کے اجداد نے محنت کی تقسیم کا مسئلہ حل کر لیا۔ (ملکہ انڈے دے گی۔ کئی قسم کے مزدور گھر کی دیکھ بھال اور خوراک کا بندوبست کریں گے)۔ اسی نظام سے یہاں سے شہر کی کھیاں اور چیونٹیاں بھی برآمد ہوئے۔ اور درجنوں مرتبہ یہ حربہ دریافت ہوا۔ (دیمک، نیکڈ مول ریٹ، جھینگے کی کچھ انواع، ایفڈ، بیٹل اور مکڑیوں کی چند انواع کے اجداد نے)۔ مفت خوری کے مسئلے کے حل نے ہر مرتبہ خود غرض جین سے بے لوث گروپ ممبر بنانے شروع کر دئے اور خود غرضی ایک سطح اوپر کھسک گئی۔

یہ گروہ ایک نئی قسم کی کشتی تھی۔ ایک چھتیا ایک کالونی جس میں جینیاتی اعتبار سے قریب رشتہ دار تھے جو ایک یونٹ کے طور پر اکٹھے

ہوئے تھے۔ خوراک ڈھونڈنے، رہائش اور دفاع مشترک ہو گیا تھا اور یہ ایک اکائی کے طور پر نسل آگے بڑھاتے تھے۔ یہ وہ موٹربوٹ تھی جو ایسی جدتوں اور انجینئرنگ کا سہارا لے کر سب سے آگے نکل گئی تھی جو اس سے پہلے موجود نہیں تھی۔ یہ ایک اور انقلابی تبدیلی تھی۔ ایک گروپ ایک اکائی کے طور پر اور ایک جاندار کی طرح کام کرنے لگا تھا۔ تنہا کیڑوں کے جین ان کے آگے چلے گئے۔ کالونی میں رہنے والے کیڑے انواع کا صرف دو فیصد ہیں لیکن بہت مختصر عرصے میں یہ اچھے مقامات پر قبضہ کر چکے ہیں اور اپنے مقابل کیڑوں کو ان کی جگہوں سے دھکیل چکے ہیں۔ زمین کے زیادہ تر ایکوسسٹم تبدیل کر چکے ہیں (مثلاً، پھولدار پودوں کو ممکن بنا کر جنہیں اپنا پولن بکھیرنے والے کیڑے درکار ہیں)۔ اور اگر تمام زمینی کیڑوں کا وزن کیا جائے تو یہ اکثریت میں ہیں۔

اور انسان؟ قدیم زمانے سے انسانی معاشروں کو شہد کی مکھیوں سے تشبیہ دی جاتی رہی ہے۔ کیا یہ محض ایک کمزور استعارہ ہے؟ اگر آپ شہد کی مکھیوں کی ملکہ کو انسانی ملکہ (یا بادشاہ یا حکمران) سے تشبیہ دیں تو ہاں۔ ایسا ہی ہے۔ چھتے یا کالونی میں کوئی حکمران نہیں ہوتا۔ (ملکہ صرف اس سپر آرگنزم کی ایک اووری ہے)۔ لیکن اگر ہم سوال کریں کہ کیا انسانوں میں خود غرض انفرادیت پسندی سے گروہی رویے کی انقلابی تبدیلی آئی جس نے انسانی تہذیب و تمدن اور پھر زمین پر غلبہ ممکن بنایا تو ہاں، یہ تشبیہ اب درست طرز کی ہے۔

جانوروں میں سے کئی سوشل ہیں، ریوڑوں اور گروہوں میں رہتے ہیں۔ لیکن بہت ہی کم ایسے ہیں جو الٹراسوشل کی حد کو پار کر چکے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بڑے گروہوں میں رہتے ہیں جہاں پر کوئی اندرونی سٹرکچر ہے اور یہ محنت کی تقسیم کا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ شہد کی مکھی کے چھتے اور چیونٹیوں کی کالونی، جن میں فوجی، سکاٹ، بچوں کی پرورش کرنے والے الگ ہیں۔ یہ الٹراسوشل انواع ہیں۔ انسان بھی الٹراسوشل ہیں۔

غیر انسانی الٹراسوشل انواع کو یہاں تک پہنچنے میں جس نے مدد کی، وہ اپنے مشترک گھر کے دفاع کی ضرورت ہے۔ ہولڈویر اور ولسن ان میں دو مزید باتوں کا اضافہ کرتے ہیں۔ بچوں کی دیر تک پرورش کرنے کی ضرورت اور گروہوں کے آپس میں تنازعات۔

شہد کی مکھی کا چھتا قلعے میں بنی فیکٹری ہے۔

انسانوں میں یہ تینوں عوامل پائے جاتے ہیں۔ اور پھر جب بڑے پیمانے پر معاشرت شروع ہوئی۔ انسان نے فصلیں اگائیں، باغ بنائے۔ غلہ اکٹھا کرنا شروع کیا۔ چراگاہوں کے گرد باڑ لگائی اور مستقل گھر بنانا شروع کئے تو خوراک کی سپلائی کو محفوظ کر لیا۔ اس نے دفاع کی ضرورت کو دوچند کر دیا۔



اور اس وجہ سے زمین پر ایک اور نئی قسم کی ”کشتی“ نمودار ہوئی۔ یہ شہری ریاست تھی۔ اس کا دیواروں سے اور افواج سے دفاع کیا گیا۔ اور ان ریاستوں کی جگہ سلطنتوں نے لی، جو شمالی افریقہ، یورپ، ایشیا، میسوامریکہ میں تیزی سے پھیلیں۔ اس نے دنیا کے ایکوسسٹم بدل دئے۔ بارہ ہزار سال قبل ہولو سین کے دور میں ایک ناقابل ذکر نوع نے دنیا پر غلبہ جمانا شروع کر دیا۔

جس طرح کالونیل کیڑوں نے کیا تھا، ویسے ہی انسان نے دوسرے ممالیہ کو پیچھے دھکیل دیا۔ کئی کو ناپید کر دیا۔ کئی کو غلام بنالیا۔ انسان اور شہد کی مکھیوں میں بہت فرق ہیں، لیکن انسانی تہذیب اور شہد کی مکھی کا چھتا۔۔ یہ دونوں ہی زندگی میں ہونے والی انقلابی تبدیلیاں ہیں۔ یہ وہ موٹر بوٹ ہے جس نے ہر ایک کو پیچھے چھوڑ دیا۔

جب افراد اپنی خود غرضی دبا کر اکٹھے ٹیم کی صورت میں کھیلنے کا فن پالیں تو ان کا آپس کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اس دنیا پر کئے جانے والے غلبے میں ہمارا گروہی رویہ ایک کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔ اور ایسا ہماری اخلاقی نفسیات نے ممکن کیا ہے۔ یہ ہماری نوع کی موٹر بوٹ ہے۔



معاشرت کے دھاگے

”یہ ناقابلِ تصور ہے کہ آپ کبھی بھی دو چمپینزیوں کو دیکھیں جنہوں نے ملکر درخت کا تنا اٹھایا ہو“۔
مائیکل ٹوماسیلو جو چمپینزی کے ذہن پر تحقیق کے ماہر ہیں، ان کا یہ فقرہ سمجھنا انتہائی اہم ہے۔

چمپینزیوں کو زمین پر دوسری سب سے ذہین نوع سمجھا جاتا ہے۔ یہ اوزار بنا سکتے ہیں، اشاروں کی زبان سیکھ لیتے ہیں، دوسرے افراد کے ارادے کی پیشگوئی کر لیتے ہیں، دھوکا دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ فرد کے طور پر یہ بہت ذہین ہیں۔ تو پھر یہ اکٹھا کام کیوں نہیں کر سکتے؟ وہ کیا ہے، جو کہ ان میں نہیں؟

ٹوماسیلو کی بڑی جدت ایسے آسان کام بنانا تھا جو انسان اور چمپینزی کے بچے کو ایک ہی طریقے سے دئے جاسکیں۔ اس کو حل کرنے پر چمپینزی یا بچے کو انعام ملتا تھا۔ کچھ کے لئے صرف فزیکل جگہ پر فزیکل آبجیکٹ کا استعمال تھا۔ مثلاً، پہنچ سے باہر رکھے گئے انعام کو ایک ڈمٹے کی مدد سے کھینچ لینا۔ یا بہت سی پلیٹوں میں سے ایسی پلیٹ کا انتخاب جس میں زیادہ ٹافیاں رکھی ہوں۔ ایسے دس ٹاسک میں دو سالہ بچے اور چمپینزی کی کامیابی کا تناسب یکساں رہا جو 68 فیصد کے قریب تھا۔

لیکن کچھ کاموں میں تجربہ کرنے والے کے ساتھ ملکر کام کرنا تھا یا کم از کم یہ پہچاننا تھا کہ اس کی طرف سے کیا انفارمیشن شیئر کی جا رہی ہے۔ مثلاً، ایک کام میں تجربہ کرنے والے نے پہلے یہ دکھایا کہ ٹیوب میں سے انعام کیسے نکالتے ہیں جس کو ایک کاغذ سے ڈھکا گیا ہے۔

اور پھر اس کو چمپینزی اور بچے کو ویسے ہی ٹیوب دی گئی۔ کیا وہ اس بات کو پہچان لیں گے کہ انہیں کیا بتایا گیا ہے؟

یہ سوشل چینج تھے اور اس میں بچوں کا کامیابی کا تناسب 74 فیصد تھا جبکہ چمپینزی کا 35 فیصد۔

ٹوماسیلو کے مطابق انسانوں کا دوسرے پرائمریٹ سے بڑا فرق ”ارادے کے اشتراک“ کا ہے۔ یہ دو یا زیادہ افراد کی ذہنی تصور کو شیئر کر سکنے کی اہلیت ہے۔

مثال کے طور پر، اگر ایک شخص شاخ کو نیچے جھکاتا ہے، دوسرا اس جھکی ہوئی شاخ سے پھل توڑ لیتا ہے۔ اب دونوں ملکر کھا سکتے ہیں جبکہ انفرادی طور پر دونوں اس سے محروم رہ جاتے۔ چمپنزی ایسا بھی نہیں کرتے۔

یا شکار کرتے وقت شکاری الگ ہو جاتے ہیں اور جانور کو دونوں طرف سے گھر لیتے ہیں۔ کئی بار ایسا لگتا ہے کہ چمپنزی بندر کا شکار کرتے وقت ایسا کرتے ہیں لیکن ٹوماسیلو کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں۔ یہ ملکر کام نہیں کر رہے۔ دونوں اپنی طرف سے فیصلے لے رہے ہیں جن سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ یہ مشترک شکار ہے۔ اور اس دوران ایسا کچھ بھی نہیں نظر آتا کہ یہ ایک دوسرے سے رابطے میں ہیں۔ اور شکار کر لینے کے بعد اس کو آپس میں تقسیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ فیصلہ طاقت سے ہوتا ہے۔

اس کے برعکس، انسان مشترک ارادے اور مقاصد رکھتے ہیں۔ خواہ شکار کیا جائے، بچوں کی پرورش یا پڑوسیوں پر حملہ۔ ٹیم کے پاس مشترک ذہنی تصور ہوتا ہے۔ اور وہ جانتے ہیں کہ ان کے ساتھیوں کے ذہن میں بھی ایسا ہی ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ کونسے ساتھی کا عمل گروہ کے مشترک مقاصد سے ہم آہنگ نہیں اور اس پر منفی رد عمل آتا ہے۔ جب ایک گروپ میں ہر کوئی مشترک سمجھ رکھنے لگے کہ کیا کئے جانا ہے تو کسی فرد کی طرف سے اس پر پڑنے والی رکاوٹ پر منفیت کا ایک شرارہ آنا اخلاقی میٹرکس کی پیدائش ہے۔ (یاد رہے کہ میٹرکس ایک رضا کارانہ سراب ہے)۔ اور یہ نوع انسان کی کامیابی تھی۔

ٹوماسیلو کا ماننا ہے کہ انسان کا الٹراسوشل ہونا دو مراحل میں ہوا۔ پہلا ارادے کا اشتراک تھا۔ اور پھر اس ابتدائی اشتراک سے طویل مدت بعد بہتر اشتراک کے بڑے گروہ بننے لگے۔ اور ان کے بننے کی وجہ شاید ایک دوسرے سے مقابلہ بازی تھی۔ ان میں جیت ان گروہوں کی ہوئی جو آپس میں زیادہ متحد تھے۔ اس مقابلے میں فطری چناؤ گروہی ذہن کے ڈیزائن کے حق میں رہا۔ سیکھنے کی صلاحیت اور سماجی رسوم کی پاسداری، گروپ کے جذبات محسوس اور شنیر کرنا۔ اور آخر میں سماجی اداروں کی تخلیق اور ان کے احکام کی پابندی۔ گروہ کے اندر ایک اور طرح کا سلیکشن پریشرا گیا۔ (گروہی رویوں کے باغیوں کو سزایا تنہائی کا مطلب ان کے جین باہر ہو جانے کی صورت میں نکلتا ہے)۔ گروہوں کے ”درمیان“ ایک اور طرح کا۔ (متحد گروپ علاقے اور دوسرے وسائل حاصل کر سکتے ہیں اور دستیاب کا دفاع کر سکتے ہیں)۔

ایک بار آپ ٹوماسیلو کی بیان کردہ بصیرت کو سمجھ لیں تو پھر آپ کو مشترک مقاصد کے وسیع جال نظر آنے لگیں گے۔ یہ وہ دھاگہ ہے جن

سے انسانی معاشرت بُنی گئی ہے۔

کئی لوگ ایسا خیال رکھتے ہیں کہ زبان ہماری نوع کا بڑا سنگِ میل تھا لیکن زبان بھی اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک مشترک ارادہ نہ آجائے۔

ٹوماسیلو یہاں پر یاد کرواتے ہیں کہ ایک ”لفظ“ ایک آواز اور ایک شے کا تعلق نہیں۔ یہ ایسے لوگوں کے درمیان کا اتفاق ہے جو دنیا کا مشترک تصور رکھتے ہیں اور یہ تصور سنیر کرنے کا طریقہ ”لفظ“ ہے۔ لفظ ذہنوں کا رابطہ ہے۔



شہد کی مکھیاں موم اور لکڑی کے ریشوں سے چھتے بناتی ہیں۔ اور پھر لڑتی ہیں، قتل کرتی ہیں اور ماری جاتی ہیں تاکہ ان کا دفاع کیا جاسکے۔ انسانی اخلاقی کمیونٹی بناتے ہیں۔ ان کا مادہ مشترک اقدار، رسوم، ادارے اور نظریات ہیں۔ اور پھر لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور مارے جاتے تاکہ ان کا دفاع کیا جاسکے۔ یہ مشترک اقدار، رسوم، ادارے اور نظریات ہماری معاشرت کو بننے والے جال ہیں۔

سوالات و جوابات

Bahzad Rustam

lion mil k shikar krty hn. un ka ishtarak kesy amal m ata hy?

Wahara Umbakar

جی بالکل۔ شیر کئی بار ملکر شکار کرتے ہیں۔ اور ان کے ایک گروپ میں سب ”رشتہ دار“ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کئی سائنسدان kin selection کو ایسے اشتراک کی وضاحت کے لئے استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔

Muheb Ali

وہا راصاب آداب۔ لیکن ایک ویڈیو دیکھی جس میں ایک کُتا (شاید چھوٹے نسل کا تھا) گھر کے حوض میں گر جاتا ہے، ایک دوسرا بڑا کُتا آکر اُسے پٹے سے پکڑ کر باہر نکالتا ہے۔ ویڈیو اگر مل جائے تو لنک کمنٹ کر دوں گا۔

کُتا دوسرے کُتے مدد کس طرح کر سکتا ہے اگر بیان کردہ تحریر کے ساتھ مماثلت کی جائے

Wahara Umbakar

بہت سے جاندار ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ انسان کے سوا باقی سب جانداروں میں ایسے رویوں کی ارتقائی وضاحت reverse altruism سے یا kin selection سے (اور گروہی چناؤ کے بغیر) ہو جاتی ہے۔ اس وجہ سے سائنس میں اس میں بحث رہی ہے اور کئی سائنسدان ابھی بھی انسان کے اخلاقی رویے کی وضاحت ایسے ہی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

جو بڑا فرق ہے، وہ یہ کہ انسان اپنے "گروہ" کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے میں دریغ نہیں کرتے۔ اور اس گروہ کا تعلق جین (رشتہ داری) سے نہیں بلکہ بالکل تجریدی چیزوں سے بھی ہو سکتا ہے۔

Shahid Hussain

سر یہ ٹوماسیلو ہوں یا انہی کی طرح کی ایک خاتون جن کو نیشنل جیو گرافک میگزین میں دیکھا تھا جنہوں نے اپنی ساری زندگی ان چمپینزیوں کی ریسرچ میں گزار دی پتہ نہیں بقید حیات ہیں یا نہیں، ان ساری ریسرچ کا یورپ کی اخلاقی تربیت پر اثر کیوں نہیں ہوتا مسلمانوں کے خلاف نفرت کی ننگی جارحیت کا ارتکاب بار بار کیا جاتا ہے آخر کیوں؟ کیا اسکا بھی کوئی حل ہے اخلاقیات میں؟

Wahara Umbakar

شاید آپ جین گڈ آل کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کی عمر اٹھاسی برس ہے اور حیات ہیں۔

یورپ کی ننگی جارحیت میرے علم میں نہیں۔ جہاں تک مجھے پتا ہے، یورپ میں تین ممالک مسلمان اکثریت کے ہیں۔

Shahid Hussain

جناب ننگی جارحیت سے مراد بوسنیا ہرزیگوینا میں مسلمانوں کا بدترین قتل عام اور برطانیہ کے وزیراعظم جان میجر کا کہنا کہ یورپ میں ہمیں کوئی مسلم ملک قابل قبول نہیں صدر بش سینئر کا ناٹو کے ہمراہ عراق کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ بغیر کسی تباہی پھیلانے والے

ہتھیاروں کی عدم موجودگی کے فرانس جرمنی وغیرہ میں حضور پاک کے خاکوں کی بار بار اشاعت اور اب سویڈن ناروے اور ڈنمارک اور ہالینڈ میں قرآن شریف کی آتشزدگی کے واقعات حکومتی سرپرستی میں، اسکی اخلاقی وجوہات کیا ہیں اور ان کو کیا نام دیا جائے حالانکہ دنیا میں اور ہستیاں مثلاً حضرت عیسیٰ، رام، کرشن، بودھا، گرونانک وغیرہ موجود ہیں لیکن صرف حضور پاک اور اسی طرح انجیل زبور گیتار امان گرو گرنٹھ وغیرہ کی موجودگی کے باوجود صرف قرآن شریف کیوں؟

یورپ امریکہ کی اتنی اعلیٰ اخلاقیات کے باوجود ان-----؟

Wahara Umbakar

امریکہ اور یورپ دو الگ براعظم ہیں جو ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر ہیں۔ یورپ میں مسلمان اکثریت کا ایک ملک کو سووہے جس کی تخلیق میں بڑا ہاتھ ناٹو کا تھا۔ امریکہ نے اس کے لئے سربیا پر فضائی بمباری کی طویل کمپین کی تھی۔ سربیا سے اس کی علیحدگی کروانے پر سربیا سمیت کئی دوسرے ممالک امریکی عسکری حملے سے نالاں رہے ہیں۔ ایسا اس لئے ممکن ہوا تھا کہ اس وقت روس کمزور تھا۔ کو سووہ کو امریکہ اور مغربی یورپ ممالک نے 2008 میں تسلیم کر لیا تھا۔ مسلمان اکثریت کے ممالک میں پاکستان نے 2012 میں، بنگلہ دیش نے 2017 میں جبکہ ایران نے ابھی تک اسے تسلیم نہیں کیا۔ روس سے قربت رکھنے والے ممالک ابھی تک اس کی آزاد حیثیت کو تسلیم نہیں کرتے۔ نکتہ صرف اتنا ہے کہ عالمی سیاست مسلم بمقابلہ غیر مسلم کی نہیں۔

مقدسات کی توہین کے بارے میں اس سیریز میں کئی اقساط میں ذکر ہے اور اس کی اخلاقی وجوہات کا بھی لکھا ہے۔ اور یاد رہے کہ سب سے زیادہ یہ والا کام مسیحی مذہبی مقدسات کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

اخلاقیات کے اعلیٰ ہونے سے پہلے معیار کا طے ہونا ضروری ہے۔ اور اس سیریز میں اسی سب کا تو لکھنے کی کوشش کی ہے

Atiq Ur Rehman

سرایک تحریر ہے لالہ صحرائی نے لکھی ہے۔ جس میں جزیشن ایکس، وائی، اور زی وغیرہ کے خواص بیان ہوئے ہیں۔ اس تحریر کو پڑھنے کے بعد مجھے معلوم نہیں ہو پایا کہ اس میں صرف لکھنے والے کے ذاتی خیالات کس قدر ہیں اور pew ریسرچ سنٹر کی تحقیق

کس قدر۔ کیوں کہ پیو کی تحقیق سے جو نتائج اخذ ہوئے ہیں ان کا پاکستانی سیاست یا مزاحمتی تحریکوں سے تو کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے میں وہ تحریر یہاں کمنٹ میں چھوڑ رہا ہوں۔ اس پر آپ کی ماہرانہ رائے کا منتظر رہوں گا۔ اگر مناسب سمجھیں تو وقت نکال کر اسے ایک نظر دیکھ کر اخلاقی نفسیات کے سلسلے میں اس پر بھی روشنی ڈال کر ممنون فرمائیں

Atiq Ur Rehman

جزیشن۔ زی اور الفا کا غضب۔ -wrath of Generation-zee & Alpha-

انسان اپنی زندگی کے ساٹھ ستر سال میں تین ادوار دیکھتا ہے جو ایک دوسرے سے قطعی مختلف ہوتے ہیں، باپ دادا کا دور، اپنے عروج کا دور اور پھر اپنے بچوں کے عروج کا دور۔

اگر ان تین جزیشنز کی شخصی قابلیت کا موازنہ کیا جائے تو پہلی نسل اپنی تیسری نسل کے آگے بالکل NULL ثابت ہوگی کیونکہ اس کی صلاحیتیں جس دور کیلئے مخصوص تھیں وہ دور بھی گزر گیا، اس کی توانائی بھی استعمال ہو چکی اور نئے دور کے مطابق اس کی اوور ہالنگ بھی ممکن نہیں۔

ایک صدی پہلے تک نظام زندگی میں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا اسلئے پہلی جزیشن کا عمل دخل تیسری جزیشن پر قائم رہتا تھا جس میں کوئی حرج بھی نہیں تھا بلکہ نافع تھا لیکن اب انسانی آئیکیو IQ میں ہر سال ایک پوائنٹ کا اضافہ ہوتا ہے جس کی بنا پر ایک بچہ بیس سال بعد اپنے دادا سے چالیس گنا اور باپ سے بیس گنا تیز نکلتا ہے، اسی طرح نظام زندگی میں بھی بہت زیادہ بدلاؤ آجاتا ہے اسلئے اب پچھلی جزیشنز کا عمل دخل اور حکم نفع کی بجائے نقصان کا باعث بنتا ہے۔

مثلاً ایک بندہ سو سال قبل کا مینویل جیٹ اڑاتا تھا، اس کا بیٹا پچاس قبل کا سیمینا اڑاتا تھا اور اس کا پوتا جدید انفرایڈ ایئر ٹریفک سسٹم میں ایک ڈیجیٹلائزڈ آٹوپائلٹ ایئر بس اڑاتا ہے تو یہ باپ دادا اس کو کس بنیاد پر کمانڈ کرنے کے اہل ہیں؟

اسی طرح تمام جزیشنز کے حالات اور رویوں کو مد نظر رکھ کے جو گریڈنگ کی گئی ہے، اس کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آئندہ کسی بھی دور کی پہلی جزیشن اپنی تیسری جزیشن کیلئے مقدم تو شاندر ہے مگر اسے کمانڈ کرنے سے عاجز رہے گی۔ پہلی ہے، لوسٹ جزیشن:

جو لوگ سن۔ 1900 تک پیدا ہوئے انہیں lost generation کہا جاتا ہے، وجہ ان کا ڈائریکشن۔ لیس اور ایم۔ لیس ہونا ہے،

صنعتی دور کے آغاز میں یہ کنزرویٹو ویلیوز بچانے کی جنگ بھی لڑ رہے تھے اور صنعتی انقلاب سے بھی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے اسلئے ہمیں گلوے نے اپنے ایک ناول میں انہیں you are all lost کہہ کے لوسٹ جرنیشن کا نام دیا تھا۔

دوسری ہے، گریٹسٹ جرنیشن:

جو لوگ 1900 سے 1928 کے درمیان پیدا ہوئے، یہ دوسری جنگ عظیم کی سختی اور ڈپریشن جھیل رہے تھے ان کے حوصلے کیلئے انہیں گریٹسٹ جرنیشن کا نام دیا گیا تھا۔

تیسری ہے، سائلینٹ جرنیشن:

وہ لوگ جو 1928 سے 1945 کے درمیان پیدا ہوئے، ان میں سے اب کوئی زندہ ہے تو اس کی عمر ستر سے چورانوے سال کے درمیان ہوگی، یہ سائلینٹ جرنیشن کہلاتی ہے، اردو میں جسے بے زبان کہیں یا پنجابی میں جسے لولے کہتے ہیں، یہ نسل علم سماجیات کی کمی کے باعث اجتماعی معاشرتی نظم سے کوئی تعلق نہیں رکھتی تھی، اوپر کے چند تسلط یافتہ لوگ معاشرتی فیصلے کرتے تھے اور باقی سب کو لہو کے بیل کی طرح اس کی بھگتان کرتے تھے کیونکہ ان میں ناموافق باتوں کو پہچاننے کی اہلیت اور انہیں رد کرنے کی ہمت بہت کم ہوتی تھی۔

چوتھی ہے، بومرز جرنیشن:

یہ نسل 1946 سے 1964 کے درمیان کی ہے، عالمی جنگوں سے فراغت کے بعد اس دور میں شرح پیدائش بہت بڑھ گئی تھی اسلئے اس دور کو بے بی۔ بوم۔ اتج کہا جاتا ہے، ان میں سے زندہ لوگ اٹھاون سے چھیتر سال کے درمیان ہوں گے، انہیں بومرز کہتے ہیں، بومرز کا دور سائلینٹ اتج سے کچھ بہتر تھا، یہ اجتماعی اور موافق فیصلوں کے حق میں تو تھی لیکن ان کا اجتماعی کنسرن اور ری۔ ایکٹیو رویہ بہت کم معاملات میں سامنے آیا ہے، جیسے ہمارے ہاں اس جرنیشن کی صرف چار مزاحمتیں نظر آتی ہیں، اینٹی ایوب، اینٹی قادیانی، پرو بھٹو صاحب اور اینٹی ضیاء الحق جیالے۔

پانچویں ہے، جرنیشن۔ ایکس:

یہ نسل 1965 سے 1980 کے درمیان کی ہے، ان کی عمر اس وقت بیالیس سے ستاون سال کے درمیان ہوگی، یہ نسل بھرپور علمی و سماجی کنسرن اور ری۔ ایکٹیو پاور تو رکھتی تھی مگر پرسوسائٹل سیگمنٹس میں بیٹھ ہوئی تھی جس کی وجہ سے مخصوص گروہی مفادات کی

سیاست نے جنم لیا اور یہ سیاست انتہائی متعصب ہونے کی وجہ سے سوسائٹی کیلئے نان۔ سینفیشیل بلکہ تکلیف دہ رہی ہے البتہ تعلیم اور صنعت میں پروفیشنل ازم کو اسی نسل نے فروغ دیا ہے، ان لوگوں نے اپنی افیکٹیو عمر میں ضیاء الحق سے مشرف تک اور سن۔ اسی کی پیدائش والوں نے مشرف سے اب تک کا دور فیس کیا ہے۔

چھٹی ہے، جزیشن۔ وائے Millennials :-

اس جزیشن کو ملیننیلز بھی کہتے ہیں جو 1981 سے 1996 کے درمیان پیدا ہوئی، ان کی عمریں بالترتیب چھبیس سے اکتالیس سال کے درمیان ہوں گی، یہ پروفیشنل ازم، سماجی انصاف اور میرٹ کو پسند کرنیوالی نسل ہے جس نے پہلی بار بڑے پیمانے پر اسٹیٹس۔ کو، مذہبی شدت پسندی اور گروہی تعصب کی سیاست کو رد کرنے اور انقلابی رویہ اختیار کرنے کی شروعات کی تھی، اس کا پرتو پچھلے پندرہ سال میں تو اتار کیساتھ نظر آتا ہے جس میں عمران خان اور اس کے فالورز کا چہرہ بہت نمایاں ہے۔

ساتویں ہے، جزیشن۔ زی: اسے آئی۔ جزیشن اور زومرز بھی کہتے ہیں Generation-zee, iGen, Zoomers :

یہ نسل 1997 سے 2010 تک کی ہے، جس میں بارہ سے پچیس سال تک کے بچے اور نوجوان شامل ہیں، یہ پہلی نسل ہے جس نے موبائل، لیپٹاپ اور انٹرنیٹ کے ماحول میں آنکھ کھولی ہے جہاں جدید و قدیم دنیا کی سب معلومات ایک سرچ بٹن دبانے پر انہیں دستیاب ہو جاتی ہیں۔

Wahara Umbakar

یہ تقسیم امریکہ میں کی جاتی ہے اور امریکی ڈیموگرافکس اور حالات کے مطابق یہ اصطلاحات بنی تھیں۔ یہ معلومات درست ہے۔

Shahid Hussain

اس تمام ریسرچ کا نتیجہ؟

Atiq Ur Rehman

Pew Research Center۔ پیو۔ ریسرچ۔ سینٹر جو نہایت علمی اور حقیقی ریسرچز کرنیوالا ایک عالمی ادارہ ہے، اس نے ہر زاویے سے اس جزیشن کی ساخت کو اسٹڈی کر کے ایک مفصل رپورٹ مرتب کی ہے جو اس کی ویب سائٹ پر موجود ہے۔

اس رپورٹ کے مطابق جزیشن۔ زی وہ نسل ہے جو کم عمر ہونے کے باوجود اپنے سے پہلے کی تمام نسلوں سے زیادہ علم، بہتر انسانی رویہ، انصاف پسندی اور بے لاگ جرأت اظہار رکھتی ہے۔

یہ نسل کسی ریاست کی دوسری ریاستوں پر اور کسی نسل یا گروہ کی دوسری نسل یا گروہوں پر برتری کی ہرگز قائل نہیں بلکہ برابری، میرٹ، تخلیقی عمل، پروفیشنل ازم اور پراہلم سولیوشن کو ترجیح دینے والی ہے۔

یہ اپنا اسی۔ فیصد وقت یوٹیوب لرننگ میں گزارتی ہے اور ولڈ وائیڈ ایک ہی مائنڈ۔ سیٹ رکھتی ہے، گوگل، انسٹاگرام اور فیسبک کی سب سے بڑی یوزر بھی یہی کمیونٹی ہے۔

#Tiktok_made_me_buy.

پرانی نسل سودا پچھتی تھی، یہ پراہلمز کے سولیوشن پچھتی ہے اور نوکری تلاش کرنے کی بجائے اپنے ٹیلنٹ سے خود مواقع تراشتی ہے۔
#ٹکٹوک_میڈ_می_بائے_کے_ہیش۔ ٹیگ پرسوا۔ چار۔ ارب فالورز میں غالب اکثریت جزیشن۔ زی کی ہے، اس ہیش ٹیگ کو تقریباً اسی جزیشن نے کامیاب بنایا ہے۔

To call a spade a spade.

اسی فیصد زومر سماجی اور سیاسی شعور رکھتے ہیں اور ان معاملات میں مسلسل انگیجمنٹ بھی کرتے ہیں، یہ معاملات کو کسی تعصب کی عینک سے دیکھنے کی بجائے پھاؤڑے کو پھاؤڑا کہنے پر زیادہ یقین رکھتی ہے چاہے ان کی بات کسی کے بھی خلاف جائے۔
Statista سٹیٹسٹا کی رپورٹ کے مطابق پچھلے چند سال سے جزیشن۔ زی کا تیس فیصد طبقہ سیاسی اکٹھ، سیاسی مارچ اور سیاسی احتجاجوں میں بڑھ چڑھ کے حصہ لیتا ہے اور سماجی کاموں کیلئے فنڈ ریزنگ بھی کرتا ہے۔

جزیٹھن۔ زی کا چالیس فیصد طبقہ ٹیکنالوجی، ٹرینڈز، ماحولیات، سماجیات، سیاست اور انسانی حقوق پر از خود کونٹینٹ کرئیشن کرتا ہے، ان کے موضوعات، انداز گفتگو اور موضوع پر علمی گرفت دیکھ کے آنکھیں کھل جاتی ہیں کہ یہ کتنا ڈیپ سوچتے ہیں۔
جزیٹھن۔ زی کا اسی فیصد طبقہ سوشل میڈیا مبصر بھی ہے اور مختلف مسائل کے حل کیلئے رضاکارانہ خدمات بھی انجام دیتا ہے۔
پچاس فیصد طبقہ اپنی صلاحیتوں سے اپنی جگہ بناتا ہے اور دوسروں کی مدد کیلئے فنڈز اور ڈونیشنز بھی دیتا ہے۔

جنریشن۔ زی اور سائلینٹ جنریشن میں فرق یہ ہے کہ وہ بہت کم معاملات کا پیچھا کرتے تھے جبکہ یہ ستر فیصد معاملات کو ٹھیک کرانے کی جستجو کرتے ہیں، جنریشن۔ وائے اپنی اولاد کی دوست کہلاتی ہے اسلئے وائے اور زی تقریباً ایک جیسی سوچ و رویہ رکھتے ہیں لیکن عمل میں زومر زان سے بھی دس بیس فیصد بہتر ہیں۔

Wahara Umbakar

یہاں پر لکھا ہوا پہلا پیرا گراف یہ ہے جس سے تاثر یہ ملتا ہے کہ جنریشن زی میں بہتر انسان ہیں۔ یہ درست نہیں۔

"جنریشن۔ زی وہ نسل ہے جو کم عمر ہونے کے باوجود اپنے سے پہلے کی تمام نسلوں سے زیادہ علم، بہتر انسانی رویہ، انصاف پسندی اور بے لاگ جرأت اظہار رکھتی ہے۔

یہ نسل کسی ریاست کی دوسری ریاستوں پر اور کسی نسل یا گروہ کی دوسری نسل یا گروہوں پر برتری کی ہرگز قائل نہیں بلکہ برابری، میرٹ، تخلیقی عمل، پروفیشنل ازم اور پراہلم سولیوشن کو ترجیح دینے والی ہے۔

یہ اپنا اسی۔ فیصد وقت یوٹیوب لرننگ میں گزارتی ہے اور ورلڈ وائیڈ ایک ہی ماسٹڈ۔ سیٹ رکھتی ہے، گوگل، انسٹاگرام اور فیسبک کی سب سے بڑی یوزر بھی یہی کمیونٹی ہے۔

پرانی نسل سودا پچتی تھی، یہ پراہلمز کے سولیوشن پچتی ہے اور نوکری تلاش کرنے کی بجائے اپنے ٹیلنٹ سے خود مواقع تراشتی ہے۔"

جین زی کی خصوصیات کے بارے میں سروے میں یہ لکھا گیا ہے۔

Pew Research Center surveys conducted in the fall of 2018 (more than a year before the coronavirus outbreak) among Americans ages 13 and older found that, similar to Millennials, Gen Zers are progressive and pro-government, most see the country's growing racial and ethnic diversity as a good thing, and they're less likely than older generations to see the United States as superior to other nations.

اصل آرٹیکل کالک یہاں سے

https://www.pewresearch.org/.../on-the-cusp-of-adulthood...

Atiq Ur Rehman

ایک اور رپورٹ کے مطابق جزیشن۔ زی کانوے فیصد طبقہ سوشل میڈیا پہ اثر انداز ہوتا بھی ہے اور اثر قبول بھی کرتا ہے۔
پیو۔ ریسرچ نے جہاں اسی۔ فیصد طبقے کو پرو۔ مذہب بتایا ہے وہاں کچھ اخلاقی کمزوریاں بھی بیان کی ہیں لیکن ہمارا موضوع صرف اس
جزیشن کی انٹر پرسنل۔ کوالٹی، انٹر ایکشن کوالٹی اور آؤٹ۔ سپوکن۔ کمیسیٹی تک محدود ہے جس میں مختلف معاملات پر تیس سے
اسی فیصد طبقہ ہر دم فعال نظر آتا ہے۔

زمانے میں ایسی دسترس اور ہر معاملے میں ورلڈ۔ وانڈ ایک جیسی سوچ اور ایک جیسی لائن آف ایکشن رکھنے والا اسی۔ فیصد طبقہ اس
سے پہلے کسی اور جزیشن میں دستیاب نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ ہماری چیئنج۔ آف۔ ریجیم کے کرنٹ افیئرز پر دنیا بھر کے زومرز نے
ایک ہی قسم کا رد عمل دیا ہے جو بے لاگ ہے اور نظام پر قابض بومرز کے خلاف ہے۔

زومرز کا وے۔ آف۔ ایکشن اینڈری۔ ایکشن ان لوگوں کے حق میں بالکل نہیں جاتا جو پھاؤڑے کو گلدستہ بتا کے دوسرے کو پیش کر
رہے ہوتے ہیں، یہ لوجک۔ فل نسل ہے جو ہزار دلائل سے ثابت کر سکتی ہے کہ گلدستہ پھاؤڑے جیسا نہیں ہوتا، یہ جزیشن ایکس اور
وائے کی طرح سچ چھپانے کو بزرگوں کے ادب کے مترادف نہیں سمجھتی اسلئے یہ کسی بھی بڑے چھوٹے کے سامنے جب پھاؤڑے کو
پھاؤڑا کہنے پر بضد ہو جاتی ہے تو بد تمیز لگتی ہے۔

جزیشن۔ زی جو آئی فون، ٹیبلٹ، میٹاورس اور ورچوئل ورلڈ کو اپنے ایکس وائے جزیشن کے باپ دادوں سے بھی زیادہ جانتی ہے، جو
ہیومن رائٹس کو بد معاشی، جبر اور وائیلینس پر مقدم سمجھتی ہے، جو اپنے آؤٹ۔ ڈیٹڈ ناکے اور داد کے کو موبائل فون چلانا سکھا رہی
ہوتی ہے، یہ جب اپنے بڑوں کو سیاست سمجھانے بیٹھتی ہے تو وہ ان کی دسترس کا اکرام کرنے کی بجائے اپنی لوز ہوتی ہوئی اتھارٹی کو
بحال رکھنے کیلئے انہیں بد تمیز قرار دیتے ہیں۔

یہ جزیشن کسی عمران خان نے بد تمیز نہیں کی، یہ بذات خود سب کچھ جانتی ہے اسلئے ڈیٹر منڈ ہے، ایڈیٹڈ ہے اور کلیر مائنڈڈ ہے،
عمران خان تو صرف ان کے رستے میں پڑتا ہے اور ہر بار انہیں پسند بھی آ جاتا ہے اسلئے شور مچتا ہے۔

نظام مملکت پر قابض بومرز کو یہ شور پسند نہیں، وہ چاہتے ہیں کہ رعایا ماضی کی سائیلیٹ جزیشن جیسی ہونی چاہئے تو تھوڑا سا صبر
کر لیں، اگلی جزیشن بھی ایک سائیلیٹ جزیشن ہوگی مگر تھوڑی سی مختلف ہوگی۔

آٹھویں جزیں:

اس سے اگلی نسل جزیں الفافہ جو 2010 کے بعد پیدا ہوئی ہے، یہ ابھی ایک ماں کی گود میں ہے اور ایک باپ نے اپنے کندھے پر اٹھائی ہوئی ہے، یہ سائلینٹ جزیں ہوگی جو ڈیوائسز پر نہ لکھے گی نہ بولے گی، کہتے ہیں یہ ڈیوائسز کو اپنے مائنڈ سگنلز کیساتھ چلائے گی، یعنی انجینئر محمد علی مرزا تقدس کے مارے بو مرز کیساتھ جو سلوک چیخ چیخ کے کرتا ہے یہ ایک لفظ لکھے یا بولے بغیر خاموشی سے کر جایا کریں گے۔ مزے تے ہانپیا اودوں آن گے۔

Wahara Umbakar

اس میں یہ بات درست ہے کہ نئی نسل میں سوشل میڈیا کا استعمال زیادہ ہے۔ باقی اس والے حصے میں ذاتی خیالات ہیں۔ جبکہ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ مجموعی طور پر سوشل میڈیا کا استعمال منفی ہے۔ خاص طور پر خبروں کے حوالے سے اور سیاسی ڈسکورس کے معاملے میں۔

Yasir Hasan

کچھ درندے مل کر شکار کرتے ہیں جیسے شیر بڑا جانور گرانے کے لئے، کیا وہ بھی اسی زمرے میں آتا ہے؟

Wahara Umbakar

جی، کئی جانور ملکر شکار کرتے ہیں۔ مثلاً، شیر اکیلے بھی شکار کرتے ہیں اور کئی بار ٹیم ورک کے ساتھ بھی۔ پرائیمیٹ میں ایسا نظر نہیں آتا۔



خوشحالی

انسانوں نے اپنے ساتھ رفاقت کے لئے بہت سے جانوروں کو سدھایا ہے۔ بھیڑ، بکری، کتا، بلی۔۔۔ اس کا نتیجہ یہ رہا ہے کہ ہمارے سدھائے ہوئے جانوروں میں جارحانہ رویے کی کمی اور دوستانہ رویہ پایا جاتا ہے۔ ایسا کیوں؟ اس لئے کہ ہم نے ان میں سے وہی چنے تھے جو دوستانہ تھے اور ان میں سے جارحانہ کونسل درنسل الگ کیا جاتا رہا۔

انسان نے خود کو بھی سدھایا ہے۔ غیر سماجی رویے، جارحیت کو سزا ملی ہے یا الگ کر دیا گیا ہے یا مار دیا گیا ہے۔ قبیلے کی اخلاقی میٹرکس کے اندر رہنے کی صلاحیت رکھنا زندگی میں پیپنے کے لئے ضروری ہے۔

اس کا نتیجہ ویسا ہی نکلا، جیسے سدھائے ہوئے جانوروں میں۔ چھوٹے دانت، کم جارحیت اور کھلنڈراپن جو بلوغت میں بھی رہتا ہے۔

ہمارے قبائلی ذہن ہمیں آسانی سے تقسیم کر دیتے ہیں لیکن قبائلی ذہن اور کلچر نے صرف ہمیں جنگ کے لئے تیار نہیں کیا۔ اس نے ہمیں اپنے گروہوں میں پرامن وجود کے لئے تیار کیا ہے۔ اور سماج کی اس جدت کا دائرہ حالیہ وقتوں میں وسیع تر ہوتا گیا ہے۔

انسان کسی بھی جگہ پر رہتے ہوں، الٹراسونل نوع ہیں۔ ایسا کب ہوا؟۔ اندازہ ہے کہ افریقہ اور مشرق وسطیٰ سے باہر پھیلنے سے قبل ایسا ہوا ہو گا جو پچاس ہزار سال قبل کی بات ہے۔ اور ایک مرتبہ گروہی تعاون کی جدت آ جانے کے بعد انسان نے بہت جلد دنیا فتح کر لی جس میں نینڈر تھل کی زمینیں بھی شامل تھیں۔

انسان (اور تمام ممالیہ) میں لیکٹوز ہضم کرنے کی صلاحیت بچپن میں ختم ہو جاتی ہے۔ لیکٹوز دودھ میں پائی جانے والی شوگر ہے۔ وہ جین جو لیکٹیز بناتی ہے (وہ انزائم جو لیکٹوز توڑتی ہے) زندگی کے ابتدائی برسوں کے بعد آف ہو جاتی ہے۔ ممالیہ اپنے ابتدائی وقت کے بعد دودھ نہیں پیتے، اس کی ضرورت نہیں۔

لیکن جب مویشی پالنے والوں نے ریوڑ رکھنے شروع کئے تو تازہ دودھ کی کثیر سپلائی میسر آگئی۔ ایسے افراد جن میں یہ جین آف ہونے میں میوٹیشن کی وجہ سے تاخیر ہو جاتی تھی، وہ فائدے میں تھے۔ وقت کے ساتھ جینیاتی تبدیلیوں نے کلچرل تبدیلیاں بھی کر دیں۔ مویشیوں کے ریوڑ بڑے ہونے لگے۔ دودھ کے نئے استعمال کئے جانے لگے۔ دہی اور پنیر بننے لگا۔ کلچرل جدتوں نے نئے جینیاتی جدتیں ممکن کیں اور یہ عمل بڑھتا گیا۔

جین اور کلچر ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں۔

سن 2000 میں سٹیفن گولڈ نے کہا تھا کہ انسان میں پچھلے چالیس سے پچاس ہزار سال میں کوئی بائیولوجیکل تبدیلی نہیں آئی کیونکہ کلچرل ارتقا کی رفتار بہت تیز ہوتی ہے۔ لیکن انسانی جینوم پراجیکٹ کے بعد ملنے والا ڈیٹا دکھاتا ہے کہ یہ خیال درست نہیں۔ ہمارے جین بہت متحرک ہیں۔ سٹرپس، بھوک اور بیماری کا جواب مسلسل فعال اور غیر فعال ہو کر دیتے ہیں۔

آج سے 70000 سے 140000 سال قبل افریقہ کا موسم تیزی سے تبدیل ہوتا رہا۔ بڑے پیمانے پر فاقہ کشی عام تھی۔ 74000 سال قبل موجودہ انڈونیشیا میں ٹوبا کا سپر آتش فشاں پھٹا جس نے ایک سال تک زمین کے موسم میں ڈرامائی تبدیلی کر دی۔ جو بھی وجہ بنی، ہمیں یہ معلوم ہے کہ تقریباً تمام انسان اس وقت مارے گئے تھے۔

بچے کون اور کیوں؟ ہمیں شاید کبھی معلوم نہ ہو لیکن فرض کیجئے کہ کسی واقعے کی وجہ سے 95 فیصد خوراک ختم ہو جائے تو کیا ہوگا؟ امن و امان ختم ہو جائے گا۔ افراتفری ہوگی۔ زیادہ تر لوگ دو مہینے میں مارے جائیں گے۔ ایک سال بعد زمین پر وہ نہیں ہوں گے جو سب سے بڑے اور طاقتور ہوں گے بلکہ وہ جنہیں ملکر کام کرنا، چھپنا، تدبیر لڑانا، حکمت عملی بنانا بہتر آتا ہوگا۔

اب فرض کیجئے کہ ایسے قحط ہر چند صدیوں بعد آتے ہیں تو انسانی جینیاتی پول میں کیا اثر ہوگا؟

ابھی تک گروہی سلیکشن کی سادہ ترین شکل کو بیان کیا گیا ہے۔ گروہ آپس میں ویسے مقابلہ کرتے ہیں، جیسے جاندار۔ اور زیادہ متحد گروہ کم متحد گروہوں کو جنگوں میں شکست دے دیتے ہیں۔ اور کسی وقت میں ایسا ہی تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ تاثر درست نہیں۔

لیسلے نیوسن اس پر لکھتی ہیں۔

”گروہوں کے آپس میں مقابلے کا مطلب جنگ و جدل ہی نہیں۔ اپنے وسائل کا بہتر استعمال ہے۔“



جو خاصیتیں کسی گروپ کو خوراک حاصل کرنے اور بچوں کی پرورش کے ذریعے انہیں باقیوں سے زیادہ فٹ بناتی ہیں، وہ باقی رہ جاتی ہیں۔ گروہی سلیکشن تعاون کی طرف کھینچتی ہے۔ غیر سماجی رویہ روکتی ہیں اور افراد کی خود غرضی ختم کرتی ہے۔

اس کا نتیجہ جنگ کی صورت میں بھی نکل سکتا ہے لیکن

زیادہ تر ایسا نہیں۔ اس کا زور اپنے گروہ (قبیلے، قوم، ملک) کی فلاح، خوشحالی اور ترقی پر توجہ پر رہا ہے۔

زندگی کی دوڑ میں اپنے گروہ کو fit رکھنے کا یہ انتہائی موثر طریقہ رہا ہے۔

سوالات و جوابات

Farhat Yasmeen

جناب! آپ نے لیسلے نیوسن کو کوٹ کیا ہے۔۔۔ وہ اس بات کے بالکل خلاف ہے کہ انسان الٹرا سوشل ہے؟؟ جہاں اپنے وسائل کم ہوئے وہاں دوسروں پر قبضہ کر لیا۔۔۔

پہلے پیرا گراف میں آپ نے لکھا انسان میں اپنی رفاقت کے لیے بھیڑ بکریوں وغیرہ کو سدھایا۔۔۔ اگر ہم جانوروں کے زاویے سے جا کر سوچیں۔۔۔ تو کیا الٹرا سوشل انسان نے ان کی آزادی کو سلب نہیں کیا؟؟ اور بڑے پیار سے غلامی اور فرما برداری کی زنجیروں میں جکڑا؟؟ بظاہر یہ سب گروہی اخلاقیات کے لیے فائدے مند ہیں۔۔۔ لیکن کیا ایسا نہیں لگتا کہ ہم اس سے اتنے ہی خوفزدہ بھی ہیں؟؟؟

Wahara Umbakar

جب ہم کہتے ہیں کہ انسان الٹرا سوشل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بہت بڑے گروہ بنا لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر کروڑوں لوگوں

کے ساتھ وطن کا رشتہ شکر کرتے ہیں اور ایک پرچم کے نیچے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ ایک سٹیڈیم میں دسیوں ہزار لوگ ایک ٹیم کو سپورٹ کرنے کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ سماجی، پروفیشنل، سیاسی تحریکوں میں دنیا بھر سے انجان اجنبیوں سے تعلق قائم کر لیتے ہیں۔ محنت تقسیم کرتے ہیں اور ملکر کام کر کے بڑے مقاصد حاصل کرتے ہیں۔

ان مقاصد میں جنگ میں مخالف کی اینٹ سے اینٹ بجانا بھی ہو سکتا ہے۔ بڑی تعمیرات اور بڑی ایجادات بھی ہو سکتا ہے۔ نظریاتی مقاصد کا حصول بھی ہو سکتا ہے۔ بہت بڑے کام (ظلم ہوں یا کامیابیاں) انسان کے الٹرسوشل ہونے سے حاصل ہوتے ہیں۔

ItzRayan

کہا جاتا ہے کہ تمام انسان (ہومو سیپینٹن) آج سے پچاس ہزار سال قبل افریقہ سے نکل کر ایشیا اور یورپ میں پھیل گئے، افریقہ میں تو ان کے رنگ کالے رہے ہوں گے۔ جب وہ یورپ کے ٹھنڈے علاقوں میں پہنچے تو ان کے رنگ سفید ہونے لگے، بال سنہری ہونے لگے۔ یعنی صرف پچاس ہزار سالوں میں اتنا بائیولوجیکل چینج کیا ایسا ممکن ہے؟

میں نے سنا ہے کہ مڈل ایسٹ میں لاکھ سال سے بھی پرانے انسانوں کے فوسلز ملے ہیں تو کیا پچاس ہزار سال پہلے سارے انسانوں کی افریقہ سے ہجرت اب بھی ایک valid theory ہے؟

WaharaUmbakar

اندازہ ہے کہ جلد کی ہلکی رنگت بائیس سے اٹھائیس ہزار سال قبل کی جینیاتی تبدیلی ہے۔ انسان نما تو لاکھوں سال پہلے سے دنیا میں پھیل چکے تھے۔ جدید انسان کے بارے میں زیادہ مقبول تھیوری آوٹ آف افریقہ ماڈل کی ہے۔ بڑی ذہنی تبدیلی (Behavioral Modernity) چالیس سے پچاس ہزار سال قبل کا وقت سمجھا جاتا ہے (تاہم، اس پر اتفاق نہیں)۔ اور خیال یہ کیا جاتا ہے کہ یہ تبدیلی ایک جگہ پر ہوئی ہوگی۔ اور افریقہ میں اس کے ہونے کا امکان زیادہ ہے۔



ذات سے آگے

ہم اپنی فطرت میں خود پسند ہیں لیکن ہماری فطرت میں ایک سوچ ہے (جسے ہائیٹ Hive switch کا نام دیتے ہیں)۔ یہ ہر وقت آن نہیں ہوتا۔ اس کا آن ہونا ہمیں اپنی ذات سے آگے لے جاتا ہے۔

برطانوی ناول نگار اور ریاضی دان ایڈون ایبٹ 1884 میں اپنی کتاب فلیٹ لینڈ میں ایک کہانی لکھتے ہیں۔ فلیٹ لینڈ دو ڈائمنشن والی دنیا ہے جہاں پر جیومیٹری کی شکلیں رہتی ہیں۔ اس کہانی کا مرکزی کردار ایک چوکور ہے۔ ایک روز اس دنیا میں تین ڈائمنشن والی سپیس لینڈ سے ایک مہمان آتا ہے۔ یہ مہمان ایک سفیر (کرہ) ہے۔ فلیٹ لینڈ میں رہنے والوں کو اس سفیر کا صرف وہی حصہ نظر آتا ہے جو ان کے پلین میں موجود ہے جو کہ ایک دائرہ ہے۔ چوکور اس کو دیکھ کر حیران ہے۔ یہ دائرہ بڑا یا چھوٹا کیسے ہو جاتا ہے (یہ سفیر کے اوپر یا نیچے ہونے کی وجہ سے ہے) یا یہ غائب ہو کر ایک نئی جگہ پر واپس نمودار ہو جاتا ہے (جب سفیر اس پلین کو چھوڑ کر واپس آتا ہے)۔ سفیر اس چوکور کو تیسری ڈائمنشن کا تصور سمجھانے کی کوشش کرتا ہے۔ چوکور اگرچہ جیومیٹری کا ماہر ہے لیکن وہ اس تیسری ڈائمنشن کا تصور نہیں سمجھ پا رہا۔ لمبائی اور چوڑائی تو ٹھیک ہیں لیکن یہ موٹائی کی شے ہے؟ اور یہ ”اوپر“ سے آنے کا کیا مطلب ہے؟ اوپر تو شمال ہوتا ہے۔ سفیر اس کو کئی تشبیہات سے اور جیومیٹری سے سمجھانے کی کوشش کرتا ہے کہ ایک سے دو ڈائمنشن میں کیسے جایا جاتا ہے اور دو سے تین میں کیسے لیکن چوکور کو یہ ”اوپر“ کا خیال ہی مضحکہ خیز لگتا ہے۔

تنگ آکر سفیر اس چوکور کا ہاتھ پکڑتا ہے اور اس کو کھینچ کر فلیٹ لینڈ سے باہر تیسری ڈائمنشن میں لے جاتا ہے۔ چوکور اب نیچے اپنی دنیا کو دیکھ سکتا ہے۔ وہ لوگوں کے گھروں کو دیکھ سکتا ہے۔ رہنے والوں کو اندر سے دیکھ سکتا ہے۔ چوکور کہتا ہے،

ایک ناقابل بیان دہشت مجھ پر طاری ہو گئی۔ تاریکی تھی، پھر ایک سرچرکرا دینے والا منظر۔ میں نے سپیس دیکھی جو سپیس نہیں تھی۔ میں خود تھا بھی اور نہیں بھی تھا۔ جب میں بولنے کے قابل ہوا تو میں نے چیخ ماری کہ یہ کیا پاگل پن ہے۔ سفیر کی طرف سے جواب آیا کہ نہیں، یہ نالج ہے، یہ تیسری ڈائمنشن ہے، آنکھ کھولو اور ذرا سکون سے اس کو دیکھنے کی کوشش کرو۔ میں نے دیکھا اور میں ایک نئی دنیا دیکھ

رہا تھا۔

چوکور جب واپس فلیٹ لینڈ لوٹتا ہے تو وہ سب کو اس تیسری ڈائمنشن کا بتاتا ہے لیکن کوئی بھی اسکی بات نہیں سمجھتا۔ تیسری ڈائمنشن بتائی نہیں، محسوس کی جاسکتی ہے۔

نفسیات کا لٹریچر عام طور پر چھ بنیادی جذبات کے بارے میں بات کرتا ہے۔ مسرت، اداسی، خوف، غصہ، کراہیت اور حیرانگی۔ لیکن انسان اس سے زیادہ چیزوں کا تجربہ کر سکتا ہے جس میں سے ایک روحانی تجربہ ہے۔ اس کا ایک کمزور احساس تو ہر ایک کو کہیں نہ کہیں ہوتا ہے۔ کچھ خاص مقامات پر جا کر جہاں سے عقیدت کا رشتہ ہو یا پھر کوئی یادیں منسوب ہوں، کوئی شے دیکھ کر جس کا اپنی زندگی کے خاص واقعات سے تعلق ہو، کسی خاص ہستی سے ملاقات کر کے، کوئی دل گرما دینے والا کام ہوتا دیکھ کر۔ ہر ایک کی اپنی ذاتی کائنات میں ایسے تقدیس والے مقامات ہوتے ہیں جو روزمرہ کی زندگی سے کھینچ کر اسے اس تیسری ڈائمنشن کا ذائقہ چکھا سکتے ہیں۔

ہائیٹ کو پہلی بار اس ڈائمنشن کی موجودگی کا احساس اپنے ایشیا کے سفر کے دوران ہوا۔ انہوں نے اس پر لوگوں سے سوال کرنا شروع کئے۔ انہوں نے اپنے دوستوں، رشتہ داروں اور طلباء سے اس طرح کے سوال پوچھنا شروع کئے کہ جب کوئی بہت اچھا کام کسی کو کرتے دیکھتے ہیں تو کیا کچھ محسوس ہوتا ہے؟ کیا محسوس ہوتا ہے؟ کہاں پر محسوس ہوتا ہے؟ اس کے بعد کچھ عمل کرنے کا دل کرتا ہے؟ اس پر انہیں کئی طرح کے جواب ملے۔ ایک گرمجوشی والا احساس، ایک روشن کر دینے والی کیفیت، سینے کی طرف اشارہ کیا، کسی نے کہا کہ اس وقت رقت طاری ہو جاتی ہے، گلا رندھ جاتا ہے، آنکھ سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں یا پھر سردی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ زیادہ تر نے کہا کہ اس احساس کے بعد وہ خود بھی کچھ اچھا کام کرنے کی خواہش کرتے ہیں یا خود میں کچھ مثبت تبدیلی لانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

سارہ الگو اور ہائیٹ سات سال سے اس جذبے پر تحقیق کر رہے ہیں۔ شرکاء کو جب ہیروز اور ایثار کے بارے میں دل گرما دینے والی ڈاکو مینٹری دکھائی جائے تو اس کا اثر اچھے مزاج والی ڈاکو منٹری سے بالکل مختلف ہے۔ یعنی یہ خوشی نہیں۔ اسی طرح جب کسی اچھی مہارت والی، جیسا کہ کسی کو باسکٹ بال میں غیر معمولی مہارت دکھانے والی ویڈیو دکھائی جائے تو اس کا اثر بالکل مختلف ہے یعنی یہ

دوسرے سے متاثر ہونے والا جذبہ نہیں۔

اخلاقی خوبصورتی والے کاموں کو دیکھ کر ہونے والاری ایکشن اور اس سے جنم لیتی کیفیت الگ ہی ہے۔ اس میں متاثر ہونے والا ایک نظام سمپیتھٹک نروس سسٹم ہے اور اس میں ویگس نرو متحرک ہوتی ہے۔ یہ وہ نرو ہے جو دل کی دھڑکن کو بھی کنٹرول کرتی ہے۔ اس کی کیمسٹری میں شناخت ہونے والا ایک ہارمون آکسی ٹوکسن ہے۔

اس تیسری ڈائنمنشن میں داخلے کا راستہ صرف اچھائی نہیں۔ فطرت کی خوبصورتی اور وسعت بھی اسی طرح روح کو چھیڑتی ہے۔ کانٹ کے مطابق، ”روحانیت سرپر تاروں بھرا آسمان اور دل میں اخلاقی قانون کی موجودگی کا احساس ہے“۔ ڈارون بھی جنوبی امریکہ کے سفر میں ایسے ہی روحانی تجربے کا ذکر کرتے ہیں، ”میں برازیل کے اس عظیم جنگل میں کھڑا ہوں، اپنی کیفیت بیان نہیں کر سکتا۔ یہاں پر اس سب کی عظمت کیسے بیان کروں، یہ میرے ذہن کو کہیں اور ہی لے گئی ہے۔ اس نے میرا یقین پختہ کر دیا ہے کہ انسان اپنے جسم کی سانس سے بڑھ کر ہے۔“

ابھی تک ہمیں جتنے کلچر ملے ہیں، ان میں سوائے اسکیمو کے، تمام کلچر کوئی نہ کوئی سائنکوائیکٹو ڈرگ استعمال کرتے رہے ہیں۔ (اسکیمواس لئے نہیں کہ برف میں ایسا کوئی پودا نہیں اگتا)۔ ہزاروں سال سے ایسا کرنے کی بڑی وجہ یہ تجربہ حاصل کرنا تھی کہ یہ اس میں مدد کرتا ہے۔ اس کو کامیابی سے والٹر پائکنے نے 1962 میں کامیابی سے ٹیسٹ کیا۔

روحانیت کے اس عارضی احساس کے علاوہ ایک اور احساس روزمرہ کی زندگی کی گزر بسر میں ہے لیکن اس کا ایک اور طاقتور احساس بھی ہے۔

اس تین ڈائنمنش والی سپیس لینڈ پر لکھی گئی ایک بہت ہی عمدہ کتاب ”ڈارون کا کیتھڈرل ہے“ جس میں ولسن انسانی کلچر کی خوبصورت کشیدہ کاری کو دیکھتے ہیں اور بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ ویسا کیوں ہے، جیسا نظر آتا ہے اور یہ سب رنگ کہاں سے آتے ہیں اور تضادات کی کیا وجہ ہے۔ وہ اپنے لئے بدترین اذیت ایسے لوگوں کی محفل میں شرکت کو کہتے ہیں جہاں پر فلیٹ لینڈ

کے رہنے والے اور گروپ سلیکشن کے طریقہ کار سے بے خبر ”دانشور“ مذاہب کی منافقتوں پر بات کی کر رہے ہوں۔ ان کی کتاب اس لحاظ سے منفرد ہے کہ سائنس اور فیکٹس کی مدد سے ولسن اس بات کی وضاحت کرتے ہیں کہ سمبلزم کی اس دنیا میں محض سائنس اور فیکٹس کی مدد سے معاشرے اور کلچر قائم نہیں رہ سکتے۔

اس کتاب میں ایک معمہ جو وہ حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ روحانیت، خواہ جہاں پر بھی اور جس بھی طرح کی ہو، اس میں شخص اور ذات کی نفی کیوں کی جاتی ہے اور اپنے سے کسی بڑی حقیقت سے ملاپ کا ذکر کیوں ہوتا ہے۔ ہندو یا بدھ مراقبہ یا یوگا کر کے سادھی کی کیفیت پانے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں ذات اور کائنات ایک ہو جاتے ہیں۔ کرپچن اور مسلمان صوفیوں میں بھی کچھ ایسا ہی نظر آتا ہے۔ امام غزالی، جنہوں نے شام کے صوفیاء کے ساتھ کئی سال لگائے، لکھتے ہیں، ”صوفی کے لئے پہلی شرط دل کو خدا کے سوا ہر شے سے خالی کر دینا ہے۔ اس سے اگلا قدم عاجزی کا ہے، دعا کا ہے اور اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینے کا ہے۔ اس سے دل کو کشادگی ملے گی۔ یہ صوفی کی زندگی کی ابتدا ہے۔ صوفی ازم کی انتہا خدا کے ساتھ مکمل طور پر ہم آہنگ ہو جانا ہے۔“

ولسن کی نظر میں روحانی تجربہ ذات کے لئے ”آف“ کا بٹن ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب ذات کی نفی ہو تو انسان ایک بڑے کل کا حصہ بن سکتا ہے۔ ایک بڑے جسم کا ایک خلیہ۔ ایک بڑے کل کا ایک ناقابل ذکر جزو۔ اس سے ہونے والے اثرات عام طور پر لوگوں کا خدا سے رشتہ مضبوط کر دیتے ہیں اور ساتھ ہی اس کل کا حصہ ہونے والے دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور مدد کا جذبہ پیدا بھرتا ہے۔

نیوروسائنٹسٹ اینڈریو نیبرگ اس تجربے سے گزرنے والوں کی دماغی کیفیت کی سٹیڈی کر چکے ہیں، جب وہ مراقبہ کر رہے ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ ان کو اندازہ ہو چکا ہے کہ یہ ”آف“ کا سوچ کہاں پر ہے۔ دماغ کے پچھلی طرف اور اوپر کی سائیڈ پر پارٹیل لوب ہیں جو کورٹیکس کے دو ٹکڑے ہیں۔ نیوربرگ ان کو سمت بندی طے کرنے والے حصے کہتے ہیں۔ بائیں طرف والا حصہ ہمیں ذہنی طور پر اپنے جسم کی حد کا احساس دلاتا ہے۔ دائیں طرف والا حصہ جسم سے باہر آس پاس کی جگہ کا نقشہ رکھتا ہے۔ یہ دونوں علاقے حیات سے ان پٹ لیتے ہیں اور آس پاس کی جگہ اور اس میں جسم کی موجودگی کا نقشہ ہر وقت رکھ رہے ہوتے ہیں۔ جب مراقبہ میں روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے تو یہ حصے اپنی ایکٹیویٹی کم کر دیتے ہیں اور ان تک پہنچنے والے سنگنل کم ہو جاتے ہیں۔ بائیں طرف والا حصہ جسم کی باؤنڈری طے کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے لیکن اسے ملتی نہیں۔ دائیں طرف والا حصہ اس میں اپنی جگہ ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے، اسے بھی یہ نہیں ملتی۔ اپنی ذات کا گم ہو جانا اور اپنی ذات کا اپنے ارد گرد سپیس میں پھیل جانا اکٹھا ہی ہوتا ہے۔ مراقبہ کرنے والا اس وقت میں

اپنے آپ کو کسی بڑی شے میں ضم ہوتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ یہ ذات اور کائنات کے ہم آہنگ ہونے کا احساس ہے۔ نیو برگ کا خیال ہے کہ اس کیفیت تک پہنچنے کے لئے وہ ritual جن کو بار بار دہرایا جائے، مخصوص طریقے سے حرکتیں، آوازیں اور خاص طور پر اس وقت جب یہ کئی لوگوں کے ساتھ مل کر کیا جائے۔ اس سے ریزوننس کے وہ پیٹرن بنتے ہیں جو اس کیفیت تک پہنچا سکتے ہیں۔ اس کیفیت تک، جس کو تمام عمر فلیٹ لینڈ میں رہنے والے سمجھ نہیں سکتے۔

ولیم مک نیل اسی نتیجے تک ایک بالکل مختلف راستے سے پہنچے تھے۔ ان کو امریکی فوج میں بھرتی کیا گیا۔ جب ٹریننگ کے لئے پہنچے تو ٹریننگ ہتھیاروں کی نہیں تھی، پریڈ کرنے کی تھی۔ کہتے ہیں کہ پہلے تو میں پریشان ہوا کہ یہ کیا ہے۔ میں تو عسکری تربیت کے لئے آیا تھا۔ لیکن چند ہفتوں کی ٹریننگ کے بعد اندازہ ہوا کہ مارچ کرنا شعوری حالت بدل دیتا ہے۔ اس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ سب کے



ساتھ مل کر یکجا ہو کر ایک بڑے پن کا احساس جس میں ہم سب اکٹھے ہیں۔ اصل ٹریننگ تو یہ تھی۔ ہتھیار تو ہر کوئی چلا لیتا ہے۔

مک نیل لکھتے ہیں کہ اکٹھے مل کر کی جانے والی ہم آہنگ ہو کر کی جانے والی حرکات، انہوں نے دنیا کی

تاریخ میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔ یہ گروہوں کو اکٹھا کر دیتی ہے۔ اس سے ایک دوسرے کے لئے قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ذات کی نفی ہوتی ہے۔ مک نیل کی کتاب سے اقتباس۔

”میں آہستہ آہستہ ہم میں بدل جاتا ہے۔ میرا، ہمارے میں۔ ایک فرد کی قسمت اہمیت کھو دیتی ہے۔ اس سے حاصل ہونے والا لافانیت کا جذبہ اپنی جان قربان کر دینے میں ذرا بھی تامل نہیں کرتا۔ اپنے گروپ کے لئے یہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ میں گرجاؤں گا لیکن مروج کا نہیں کیونکہ میں اپنے ساتھیوں کے اندر زندہ رہوں گا۔“

اپنی ذات سب سے بڑی نہیں، اس سے بڑا بھی کچھ ہے۔ لوگوں کو زندگی میں مقصد کا احساس دینا جس کے لئے وہ اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔۔۔ اس جذبے کے بغیر نہ تہذیب ہوتی اور نہ تاریخ۔ خواہ ایک کا عظیم مقصد دوسرے کے لئے عظیم برائی ہی کیوں نہ ہو۔

سوالات و جوابات

Shoaib Nazir

کیا یہاں "روح" سے مراد بس اتنا ہی لوں۔۔

"یعنی اس دنیوی زندگی میں احساسات کی جھنجھٹ سے آزادی پا کر اس سے اوپر جا کر ایک نیا تجربہ کرنا"۔۔
(دنیوی فلیٹ لینڈ سے کبھی کبھار باہر نکلنا)۔

یا

"روح" کی اس تعریف پر بھی ہم بات کر سکتے جو معروف ہے؟۔

یا

آپ کی اپنی تعریف ہے بابت اس کے؟۔

Wahara Umbakar

یہاں پر روحانی تجربے (spiritual experience) کا ذکر ہے۔

روح الگ موضوع ہے اور یہ کسی ایک معنی میں استعمال نہیں ہوتا۔

Farhat Yasmeen

جب ہم کہتے ہیں میں نے ایسا کام کیا۔۔ اس سے مجھے بہت اطمینان ملا۔۔

آج ایسا کرنے سے۔۔۔۔۔ مجھے مسرت محسوس ہو رہی ہے۔

عرصے کی بے چینی کو۔۔ آج قرار آیا۔

یہ سب اچھا ہے۔۔۔۔۔ پر مجھے کیوں ناگوار محسوس ہو رہا ہے۔

یہ ہم اپنے ہی اندر۔۔۔ "کیسے" اطمینان سکون، مسرت اور یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں؟؟

Wahara Umbakar

مسرت، بے چینی، اطمینان، سکون، مسرت، یقین، ناگواری۔۔۔ یہ سب احساسات ہیں۔ نیلا رنگ، سیب کی مٹھاس یا گلاب کی خوشبو کی طرح ہی ان کا تعلق ذہن سے ہے۔

ہم ان سب چیزوں کا تعلق میکانیکی دماغ سے بتا سکتے ہیں۔ لیکن اس میں آخری قدم میں ایک خلا ہے۔ اسے mind-body problem کہا جاتا ہے۔ اس پر بہت بار مختلف پہلوؤں سے لکھا ہے۔ ان میں سے ایک مضمون کا لنک یہ رہا

<https://www.facebook.com/groups/ScienceKiDuniya/posts/1237571143078086/>



اخلاقیات کیا ہے؟

اخلاقیات کا مطلب کیا ہے؟ یہ آسان سوال نہیں۔ اور اس پوری سیریز میں اس پر بات نہیں ہوئی، کیونکہ مکمل پس منظر کے بغیر کسی بھی جواب کی تک نہیں بنتی تھی۔

ڈرک ہائم نے کہا تھا، ”کوئی بھی چیز اخلاقی ہے اگر وہ متحد کرنے کا ذریعہ ہو۔ جو انسان کے اعمال کو اس کی اپنا یا خود غرضی کے علاوہ کسی بھی چیز کا پابند کرے۔“

ڈرک ہائم کی تعریف سماجی فیکٹ کی بنیاد پر تھی۔ ایسی اشیا جو کسی فرد کے ذہن کے باہر موجود ہیں اور فرد کی اپنا کو روکتی ہیں۔ اس میں مذہب، خاندان، قوانین اور معنی کے مشترک نیٹورک آتے ہیں۔

لیکن اخلاقیات ذہن کے ”اندر“ بھی ہیں۔ اس میں اخلاقی جذبات ہیں۔ اندرونی ترجمان ہے۔ اخلاقی فاؤنڈیشن ہیں۔ گروپ کا سوچ ہے۔ اور دیگر نفسیاتی میکانزم ہیں۔

ان الگ ٹکڑوں کو جوڑ کر اخلاقی نظام کی جو تعریف بنتی ہے، وہ کچھ یوں ہے۔

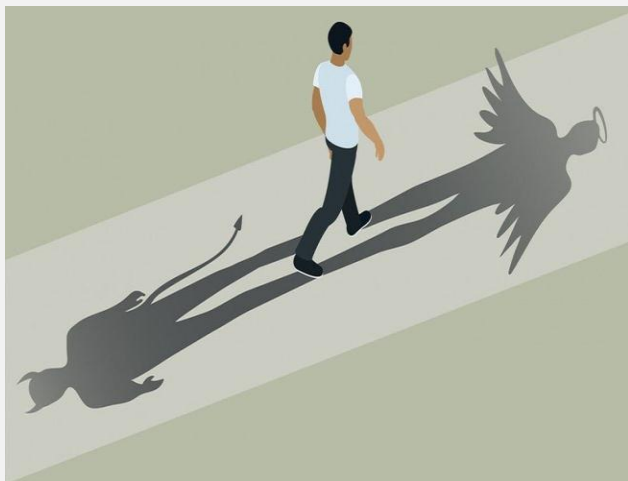
”اخلاقی نظام اقدار، نیکیوں، رسوم، رواج، شناخت، اداروں، ٹیکنالوجی اور نفسیاتی میکانزم ہیں جو ملکر ہمارے خود غرض مفاد کو دباتے ہیں اور باہمی تعاون کے ساتھ چلنے والے معاشرے ممکن کرتے ہیں۔“

اس تعریف کے دو پہلو ہیں۔ پہلا، ایک functionalist تعریف ہے۔ یہ تعریف اس بارے میں ہے کہ اخلاقیات کیا ”کرتی“ ہے۔ نہ کہ یہ کہ اخلاقیات کو کیا کرنا چاہیے۔ کیونکہ ایسی کوئی بھی تعریف اسے ڈھلنی نیشن دینے والے کے فہم تک محدود کر دیتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسا ممکن ہے کہ ایک اخلاقی گروپ درست ہو اور باقی نہیں۔ جو کہ ہمیں دوسرے نکتے کی طرف لاتا ہے۔

فلسفی عام طور پر اس بارے میں تفریق کرتے ہیں کہ تعریف میں descriptive کیا ہے (جو صرف اس کو بیان کرے کہ لوگ کسی

اخلاقی سمجھتے ہیں) اور normative کیا ہے (جو کہ اس کو بیان کرے کہ کیا شے واقعی میں درست ہے، خواہ دوسرے جو بھی سمجھیں)۔



اور اخلاقیات میں ہونے والی بڑی بحث ”کیا ہونا چاہیے“ میں ہوتی ہے۔
لیکن فلسفی کبھی بھی تنازعے میں چھلانگ لگانے سے نہیں گھبراتے۔
Normative ethics کے شعبے کا تعلق ہے ہی اسی چیز سے کہ کوئی
چیز واقعی میں درست ہے اور کوئی غلط۔ کونسا اخلاقی اصول دوسرے سے
برتر ہے۔ اور علم کے اس شعبے پر ہمیں بہت سے مفید خیالات ملتے ہیں۔

مثلاً، جب قانون یا پبلک پالیسی بنانی ہے تو ایک جمہوری معاشرے میں مجموعی طور پر لوگوں کی زیادہ سے زیادہ بہبود ایک اچھا اصول ہے۔
اور یہاں پر utilitarianism ہماری راہنمائی کرتا ہے۔

جبکہ کسی فرد کے لئے اپنی زندگی میں کیا اخلاقیات ہونی چاہئیں؟ یہ ایک الگ معاملہ ہے۔

سوالات و جوابات

ItzRayan

انسان پہلے جذبات کی زد میں آکر کسی چیز کو اچھا یا برا سمجھتا ہے اور پھر اس کے اچھے یا برے ہونے کے حق میں منطقی دلائل پیش کرتا ہے۔

زیادہ ذہین زیادہ بہتر دلائل بناتے ہیں۔ اخلاقی فلسفیوں کے بارے سن کر یہی ذہن میں آتا ہے۔

اس سلسلے کی تحریریں پڑھ کر ہی ایسا ہوا ہے۔

سوری اگر میں نے غلط سمجھا ہو تو۔

Wahara Umbakar

ایک حد تک ایسا ہے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم محض اپنے تعصبات کے اسیر ہیں۔ ہم اپنا ذہن تبدیل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔ اچھے دلائل

ہم پر اثر بھی کرتے ہیں۔ (خاص طور پر اس وقت جب ہم لڑنے کے موڈ میں نہ ہوں)۔

ShoaibNazir

ویسے اخلاقیات کا سائنس کی دنیا سے تعلق ہے؟/

اور

سائنس کی دنیا گروپ سے بھی؟/

یہ

سوال ذہن میں آتا رہا لیکن پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی۔۔۔

AttiqueUrRehman

میرے خیال میں نفسیات کا سائنس اور سائنس کی دنیا گروپ سے تعلق ضرور ہے۔

تو۔۔۔۔۔ موضوع کی شمولیت برحق ہے

WaharaUmbakar

اخلاقیات کے موضوع میں normative ethics اور meta-ethics تو سائنس کے دائرہ کار سے باہر ہیں۔ یہ سیریز

descriptive ethics پر ہے جس کا کچھ ڈھیلا ڈھالا سا تعلق بنتا ہے۔



جین اور نظریہ

نظریہ کی ایک سادہ تعریف ایسے کی جاتی ہے کہ ”معاشرے کے درست نظام اور اسے حاصل کرنے کے بارے میں آراء اور یقین کا ایک بنڈل“۔ اور اس میں ایک سب سے بنیادی سوال آتا ہے۔ کیا موجودہ نظام برقرار رکھا جائے یا اسے بدل دیا جائے؟

فرانس کی 1789 کی اسمبلی میں جو ممبران برقرار رکھنے کے حق میں تھے، وہ دائیں طرف بیٹھے اور جو بدل دینے کے حق میں تھے، وہ بائیں طرف۔ اس وقت سے لے کر آج تک سیاست میں دائیں بازو کی اصطلاح کنزرویٹو ازم اور بائیں بازو کی اصطلاح لبرل ازم کے لئے استعمال ہوتی آئی ہے۔

مارکس کے بعد بہت سے سیاسی تھیورسٹ یہ مفروضہ لیتے رہے کہ انسان اپنے نظریات کا انتخاب ذاتی مفاد کی بنا پر کرتے ہیں۔ طاقتور اور امیر لوگ نظام برقرار رکھنے کے حق میں ہوتے ہیں۔ جبکہ مزدور اور کسان تبدیل کرنے کے حق میں (مارکسسٹ نظریات کے مطابق، اگر ان کا شعور بیدار کر دیا جائے تو وہ اپنا ذاتی مفاد پہچان لیں گے)۔

لیکن آج کی دنیا میں طبقاتی تقسیم نظریاتی تقسیم سے کوئی خاص مطابقت نہیں رکھتی۔ امیر لوگوں میں دونوں طرف کے خیالات ہیں (زیادہ تر ٹیکنالوجی کے ارب پتی بائیں بازو کے خیالات رکھتے ہیں)۔ اور غریب لوگوں میں بھی۔ اور جب سیاسی سائنس نے اس کو زیادہ تفصیل سے کنگھالا تو معلوم ہوا کہ ذاتی مفاد سیاسی رویے کی پیشگوئی کرنے میں ناکام رہتا ہے۔

بیسویں صدی میں ستر اور اسی کی دہائی کے بعد پولیٹیکل سائنس میں ”کورے کاغذ“ کی تھیوری قبول کر لی گئی۔ اس کے مطابق، انسان کو نظریات کی پٹی اس کے والدین اور معاشرہ پڑھادیتے ہیں یا پھر ٹی وی پروگراموں سے جذب ہو جاتی ہے۔ اور انسان تمام عمران کا اسیر رہتا ہے۔ جبکہ کچھ دوسروں نے یہ مفروضہ لیا کہ انسان ایسے ایشوز پر اتنا کنفیوز رہتا ہے کہ لوگ کوئی خاص نظریات رکھتے ہی نہیں ہیں۔

لیکن پھر 1980 کی دہائی میں جڑواں کی سٹڈی آنا شروع ہوئیں۔ سائنسدانوں نے آئیڈنٹیکل جڑواں کی بڑی ڈیٹا بیس کنگھانا شروع کی (ان کے تمام جین ایک ہی ہوتے ہیں) اور ان کا موازنہ فریٹرل جڑواں سے کرنا شروع کیا (ان کے نصف جین ایک جیسے ہوتے ہیں)۔ دونوں میں پیدائش سے پہلے اور پھر بچپن کا ماحول بھی یکساں ہوتا ہے۔

اگر معاشرتی تربیت کا خیال درست ہوتا تو ان دونوں مختلف طرح کے جڑواں میں کوئی فرق نہیں ملنا چاہیے تھا لیکن معلوم ہوا کہ آئیڈنٹیکل جڑواں ہر چیز میں ایک سے ہوتے ہیں۔

اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایسے جڑواں جن کی پرورش الگ گھرانوں میں ہوئی ہو، وہ بھی ایک جیسے نکلتے ہیں۔ جین ہماری شخصیت کے ہر پہلو پر اثر انداز ہوتے ہیں۔



یہاں صرف ذہانت، ذہنی عارضوں یا شرمیلا ہونے جیسی خاصیتوں کی بات ہی نہیں۔ بلکہ یہ بھی کہ موسیقی، مریچوں والے کھانے اور تجریدی آرٹ میں پسند بھی شامل ہے۔ اس بات کا امکان کہ طلاق ہوگی یا نہیں، مذہب کی طرف رجحان کتنا ہے اور سیاسی رجحان کس سمت ہے۔ ان میں بھی جین کا بڑا ہاتھ ہے۔ جینیات سیاسی پسند میں چالیں سے پچاس

فیصد کے فرق کی وضاحت کر دیتی ہیں۔ کس طرح کے گھرانے میں پرورش ہوئی؟ اس کا کردار مقابلہ کم ہے۔

یہاں پر سوال یہ کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا سوشل میڈیا، ٹیکس اور بیرونی قرضوں کے بارے میں رویوں کا تعلق جین سے ہے؟ یہ ایشو تو صرف پچھلے ایک آدھ صدی کی ہی ہیں۔ اور نظریات کی اساس جینیاتی کیسے ہو سکتی ہے؟ لوگ تو اپنی سیاسی وابستگی بلوغت میں بھی بدل لیتے ہیں۔

ان سوالات کا جواب دینے کے لئے ہمیں واپس جبلت کی تعریف کو دیکھنا ہوگا۔ جبلی ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی چیز تبدیل نہیں ہو

سکتی۔ جین دماغ کی تعمیر کے لئے راہنمائی کرتی ہیں لیکن یہ پہلا خاکہ تعمیر کر دیتی ہیں۔ بچپن کے تجربات اس خاکے کو مزید رنگ دیتے ہیں۔

نظریات کی شروعات کو سمجھنے کے لئے ڈویلپمنٹ کو پوری طرح دیکھنا ہوتا ہے۔ ابتدا جین سے ہوتی ہے۔ اور اختتام کسی شخص کا ایک خاص پارٹی کو ووٹ دینے سے یا پھر ایک سیاسی احتجاج میں شرکت کرنے سے ہوتا ہے۔ اور اس کے درمیان میں تین مراحل ہیں۔



جین اور سیاست

فرض کر لیجئے کہ دو جڑواں ہیں جن میں ایک بھائی اور ایک بہن ہے۔ دونوں نے ایک ہی گھر میں پرورش پائی۔ رحم مادر میں بھائی کے جین ایسا دماغ تشکیل دے رہے تھے جو خطرات کے بارے میں اوسط سے زیادہ حساس ہے، اور نئے تجربات سے ہونے والا لطف اوسط سے کم ہے۔ جبکہ بہن کے جین اس سے متضاد دماغ کی سیٹنگ کر رہے تھے۔

دونوں ایک ہی گھر میں بڑے ہوئے۔ ایک ہی سکول میں گئے۔ لیکن انہوں نے رفتہ رفتہ اپنے لئے الگ دنیا تخلیق کر لی۔ نرسری کلاس میں ہی ان کا رویہ مختلف تھا اور اس وجہ سے ان کے بڑوں کا ان سے سلوک بھی۔ تحقیق دکھاتی ہے کہ مستقبل میں لبرل بننے والے بچے زیادہ متجسس، بولنے والے اور خود انحصار ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ہی زیادہ جارحانہ مزاج، ضدی، کم فرمانبردار اور صفائی نہ رکھنے والے بھی۔

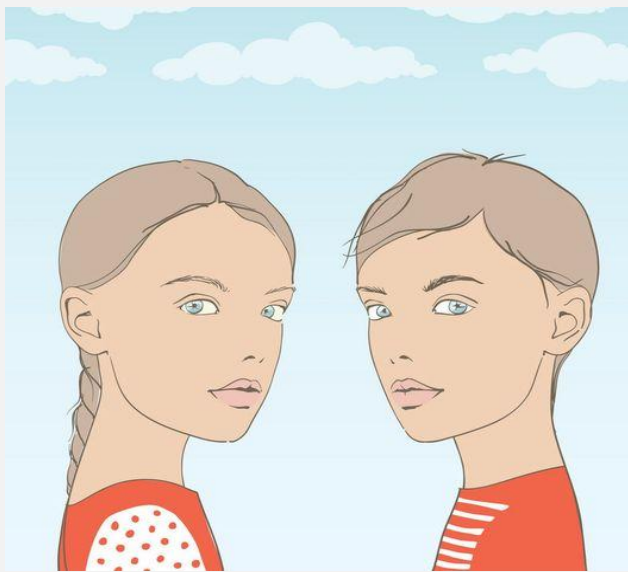
تو بچے کا جس طرح رویہ ہو، اساتذہ کا رد عمل بھی اس کے مطابق ہوتا ہے۔ تخلیقی مزاج اور بغاوت کا عنصر رکھنے والی بچی کچھ اساتذہ کو پسند آئے گی جبکہ کچھ اساتذہ اسے خود سر اور بگڑی ہوئی بچی کہہ کر سختی کریں گے جبکہ اس کے بھائی کو ایک ماڈل طالب علم کہہ کر اس کی تعریف کریں گے۔

مک ایڈمز کے مطابق یہ والی خاصیتیں شخصیت میں چٹکی سطح پر ہیں۔ اس سے اوپر دوسری سطح characteristic adaptations کی ہے۔ یہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ابھرتی ہیں۔ لوگ ان کو اپنے خاص ماحول اور زندگی کے چیلنج کے مطابق اختیار کر لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہم جڑواں بھائی بہن کی مثال کے طرف چلتے ہیں۔ فرض کر لیجئے کہ وہ ایسے سکول میں گئے جہاں پڑھنا اور نظم و ضبط کی پابندی کرنے کی سختی ہے۔ بھائی اس میں ٹھیک فٹ ہو گیا جبکہ بہن کو اساتذہ سے مسلسل کھینچا تانی کا سامنا رہتا۔ وہ چڑچڑی اور الگ ہو گئی۔ اب یہ خصائص اس کے کردار کا حصہ بن گئے۔ لیکن اگر وہ کسی اور طرز کی سکول میں گئی ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔

جب دونوں ہائی سکول میں پہنچے تو سیاست میں دلچسپی لینے لگے۔ دونوں جن سرگرمیوں میں حصہ لیتے، وہ بھی مختلف تھیں۔ جس طرح کے دوست بنائے، وہ بھی مختلف طرح کے تھے۔

جب کالج کے انتخاب کی باری آئی تو بہن نے سماجیات کی ڈگری کا انتخاب کیا۔ اور اس دوران چائلڈ لیبر کے خلاف تحریک کی ممبر بن گئی۔ چونکہ اس کا حلقہ احباب ہم خیالوں پر مشتمل تھا تو اس کی اخلاقی میٹرکس زیادہ تر پرواہ کی بنیاد پر تھی۔

جبکہ اس کے مقابلے میں اس کے بھائی نے بزنس میں ڈگری لی۔ مقامی بینک میں ملازمت لے لی اور اس میں اچھی پرفارمنس دکھائی۔ وہ اپنی کمیونٹی کا متحرک ممبر تھا۔ اس کی اخلاقی میٹرکس تمام چھ بنیادوں پر تھی۔ اس میں پرواہ کا عنصر تو تھا لیکن ذمہ داری اور وفاداری بھی اہم تھے۔



جب انتخابات میں ووٹ دینے کی باری آئی تو بہن اور بھائی کا انتخاب الٹ تھے۔ بہن کا انتخاب وہ پارٹی تھی جس کا نعرہ ”راج کرے گی خلقِ خدا“ تھا۔ بھائی کا انتخاب وہ پارٹی تھی جس کا نعرہ ”اس پرچم کے سائے تلے“ تھا۔

ایسا نہیں تھا کہ جس روز وہ پیدا ہوئے تھے، ان کی قسمت میں ایسے ہی ووٹ دینا لکھ دیا گیا تھا۔ لیکن جینیات کے الگ سیٹ ہونے کی وجہ سے انہیں ذہن کا پہلا خاکہ الگ ملا تھا۔ یہ انہیں زندگی میں الگ راستوں پر لے گیا تھا۔ الگ تجربات ہوئے تھے۔ اور الگ اخلاقی ذیلی کلچر تھے۔

جب تک وہ بڑے ہوئے، اس وقت تک وہ مختلف نظریات کے حامل ہو چکے تھے۔ مخالف سیاسی نظریات اور جماعتوں کے پر جوش حامی تھے۔

جب بھی دونوں چھٹیوں میں اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ کبھی سیاست پر بحث نہیں کرتے۔ مخالف سیاسی نظریات سے مضبوط وابستگی نے کبھی ان گھر کے خوشگوار ماحول پر اثر نہیں ڈالا۔ یہ والی دانائی دونوں نے اپنے والدین کی تربیت سے سیکھی ہے۔

سوالات و جوابات

JunaidAhmed

زبردست۔ بہت شاندار مضمون سر۔ ایسا لگ رہا ہے کہ یہ مضمون میری دو آٹھ سالہ جڑواں بیٹیوں کے لیے ہی لکھا گیا ہے۔

سر۔ ویسے تربیت اس میں پیٹرن میں کہاں تک اثر انداز ہو سکتی ہے؟

WaharaUmbakar

تربیت کا اثر تو ہوتا ہے۔ لیکن کون تربیت کا اثر کس طریقے سے قبول کرے گا؟ اس کا تعلق بھی شخصیت کے اس خاکے سے ہے جو جین تشکیل دیتے ہیں۔

اچھی تربیت اور اچھا ماحول عام طور پر اچھی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے۔ لیکن یہ صرف ایک سانچہ نہیں۔ ہر کوئی اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔



جین سے نظریات تک۔ شخصیت کے تین سطحیں

آسٹریلیا میں سائنسدانوں نے 13000 افراد کے ڈی این اے کا تجزیہ کر کے کئی ایسے جین شناخت کئے جہاں پر لبرل اور کنزرویٹو میں فرق تھے۔ زیادہ تر کا تعلق نیوروٹرانسمیٹر کے کام کرنے سے تھا۔ خاص طور پر گلوٹامیٹ اور سیروٹونن کے فنکشن سے۔ ان دونوں کا تعلق خطرے اور خوف کے وقت ردِ عمل سے ہوتا ہے۔ یہ تحقیق اس سے پہلے کی گئی سٹڈیز سے مطابق رکھتی تھی کہ کنزرویٹو خطرے میں زیادہ مضبوط ردِ عمل دکھاتے ہیں۔ اس میں گندگی اور جراثیم سے خطرہ بھی شامل ہے۔

کئی جین کا تعلق ڈوپامین سے ہے جو نئے تجربات کے لئے کھلا رکھتی ہے۔

اگرچہ کسی ایک جین سے ہونا والا اثر بہت معمولی ہے لیکن یہ دریافت اس لئے اہم ہے کہ یہ جین سے سیاست تک ایک قسم کا راستہ بتاتی ہے۔ جین (مل کر) کچھ لوگوں کے دماغوں کو خطرات سے زیادہ چوکس رکھتی ہیں یا پھر نئے تجربات، تبدیلی اور انوکھی چیز سے ملنے والی خوشی کم یا زیادہ کرتی ہیں۔ یہ شخصیت کے دو اہم فیکٹر ہیں جو نظریات پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

جان جوسٹ نے ایک اور اہم پیپر میں کچھ دوسری خاصیتوں کو بھی دریافت کیا لیکن ان سب کا تعلق خوف سے حساسیت سے تھیا نئے تجربات کے بارے میں روئے سے تھا۔ مثال کے طور پر کنزرویٹو موت کے بارے میں یاد دہانی کا زیادہ اثر لیتے ہیں۔ یا لبرل تنظیم اور سٹرکچر کی ضرورت کم محسوس کرتے ہیں۔

جین دماغ کی تشکیل کرتے ہیں۔ اور دماغ کا یہ سٹرکچر رویوں اور رجحانات کی وجہ بنتا ہے۔

شخصیت کہاں سے آتی ہے؟ اس کے لئے ہمیں شخصیت کی تین سطحوں کو الگ کرنا ہو گا۔ ڈان مک ایڈمز اس بارے میں تھیوری دیتے ہیں کہ سب سے نچلی سطح پر dispositional خاصیتیں ہیں۔ یہ بچپن سے لے کر بڑھاپے تک بڑی حد تک یکساں رہتی ہیں۔ اس میں خطرے سے حساسیت، نئی چیزوں کا شوق، لوگوں میں گھلنا ملنا اور احساسِ ذمہ داری جیسے خصائص ہیں۔ ایسا نہیں کہ یہ ذہنی ماڈیول ہیں

جو کچھ لوگوں میں ہیں اور کچھ میں نہیں بلکہ اس کو دماغ کے سسٹم کے ڈائل پر ہونے والی adjustment سمجھا جاسکتا ہے۔ کسی میں کچھ کم، کسی میں کچھ زیادہ۔

مستقبل میں لبرل اور کنزرویٹو بننے والے بچوں کی شخصیت میں ابتدا سے ہی فرق ہوتا ہے۔ لبرل زیادہ متجسس، بولنے والے اور خود انحصار ہوتے ہیں۔ اور ساتھ ہی زیادہ جارحانہ مزاج، ضدی، کم فرمانبردار اور صفائی نہ رکھنے والے بھی۔ یہ والی خاصیتیں سب سے نچلی سطح پر ہیں۔ دوسری سطح characteristic adaptations کی ہے۔ یہ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ابھرتی ہیں۔ لوگ ان کو اپنے خاص ماحول اور زندگی کے چیلنج کے مطابق اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ خصائص عمر کے ساتھ ان کے کردار کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔

مک ایڈمز کے مطابق تیسری سطح ”زندگی کا بیانیہ“ ہے۔

انسانی ذہن کہانیوں کا پراسر ہے، منطق کا پراسر نہیں۔ ہر کوئی اچھی کہانی پسند کرتا ہے۔ ہر کلچر میں بچوں کو کہانیاں سنائی جاتی ہیں۔ اور ان میں سے سب سے اہم وہ کہانیاں ہیں جو ہم اپنے بارے میں سناتے ہیں۔

لازمی نہیں کہ یہ بیانیہ سچی کہانی ہو۔ یہ ماضی کا سادہ اور منتخب حصہ ہوتا ہے۔ اس سے اکثر مستقبل کا ایک وژن بنایا جاتا ہے۔ اگرچہ زندگی کا بیانیہ ایک حد تک واقعات کے بعد کی گئی خود ساختہ تخلیق ہے لیکن یہ لوگوں کے رویوں، تعلقات اور ذہنی صحت پر اثر انداز ہوتا ہے۔

زندگی کا بیانیہ اخلاقیات سے بھرا ہوتا ہے۔ اور اس بارے میں لبرل یا کنزرویٹو میں کوئی فرق نہیں۔ ہماری اپنے بارے میں کہانیوں کا پیٹرن ایک ہی ہے۔

جب اپنے مذہبی عقائد اور اخلاقی یقین کا پوچھا جائے تو کنزرویٹو احترام، گروہی ہم آہنگی اور پاکیزگی کے گہرے احساس کا ذکر زیادہ کرتے ہیں جبکہ لبرل انسانی مصائب اور سماجی انصاف کا۔

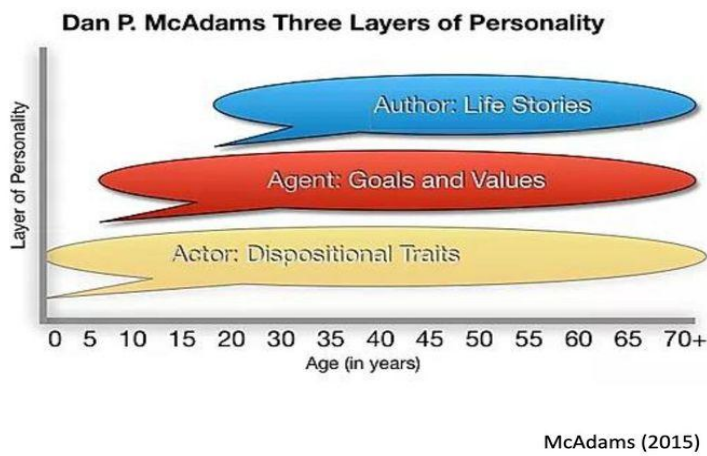
زندگی کا بیانیہ سیاسی شناخت کی ڈوپلمنٹ کا راستہ بھی ہے۔ مثال کے طور پر، کیتھ رچرڈز اپنی سوانح عمری میں زندگی کے اہم موڑ کا ذکر کرتے ہیں۔

رچرڈز Rolling Stones کے گروپ میں گٹار بجاتے تھے اور غیر روایتی باغی کے طور پر شہرت پائی تھی۔ وہ کہتے ہیں کہ کسی وقت میں

وہ سکول میں ”اچھے بچے“ تھے اور سکول کے گانے کے گروپ کا حصہ تھے۔ ان کے گروپ نے کئی مقابلے جیتے تھے۔ گروپ کے ماسٹر نے سکول سے رچرڈز اور ان کے دوستوں کے بارے میں کلاس چھوڑنے کی اجازت لے لی تھی۔ تاکہ وہ بڑے مقابلوں میں شرکت کر سکیں۔ لیکن جب یہ لڑکے بڑے ہوئے اور ان کی آواز میں تبدیلی آئی تو گروپ کے ماسٹر نے انہیں نکال دیا۔ اور اس کے بعد انہیں بتایا گیا کہ انہیں اپنا سال دہرانا پڑے گا کیونکہ انہوں نے کلاسیں پوری نہیں پڑھیں۔ گروپ ماسٹر نے ان کا دفاع کرنے کے لئے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

رچرڈز کہتے ہیں کہ ”مجھے ایسا لگا جیسے میرے پیٹ پر گھونسا مارا گیا ہو“۔ اور اس سے ہونے والے اثر ان کے سیاسی رجحانات پر بھی ہوئے۔

”جب میرے ساتھ یہ ہوا تو میں غصے میں پاگل ہو گیا۔ میرے میں انتقام لینے کی شدید خواہش پیدا ہو گئی۔ میں پورے ملک کو تباہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے اگلے تین سال ایسا ہی کیا۔ اگر باغی بناؤ گے تو باغی ہی ملے گا۔ یہ آگ ابھی تک نہیں بجھی۔ میں نے اب دنیا کو اپنے طریقے سے دیکھنا شروع کیا۔ ویسے نہیں جیسے مجھے دکھایا جا رہا تھا۔ مجھے احساس ہوا کہ بدمعاشوں سے بھی بڑے بدمعاش ہوتے ہیں۔ اور یہ بدمعاش ”وہ“ ہیں۔ یہ سارا نظام، یہ اتھارٹی۔ یہ اس قابل نہیں کہ ان پر بھروسہ کیا جائے۔ ان کی بات مانی جائے۔ میرے میں آگ کا شعلہ بھڑک گیا تھا“۔



رچرڈز کی شخصیت ایسی ہو گی کہ وہ سرکش (non-conformist) بنیں لیکن یہ طے شدہ نہیں تھا۔ اگر ان کے اساتذہ نے ان کے ساتھ سلوک مختلف کیا ہوتا یا پھر انہوں نے زندگی کا بیانیہ کچھ مختلف بنایا ہوتا تو شاید وہ روایتی ملازمت کر رہے ہوتے۔ اور اپنے ساتھیوں کے اخلاقی

میٹرکس کا حصہ ہوتے۔ لیکن ایک مرتبہ انہوں نے بیانیہ بنالیا کہ وہ ظالم سماج کے خلاف جہاد کر رہے ہیں تو پھر ان کی زندگی کا راستہ طے ہو گیا۔ ان کی زندگی کی بیانیہ ان کے سیاسی خیالات سے ہم آہنگ ہو گیا۔

سوالات و جوابات

Isabella Madrigal

ہمیں سائنس کی مدد سے اخلاقی نفسیات کے بارے میں پتہ لگا ہے، تو ہم لوگ شاید سائنس کی مدد سے بہترین اخلاقیات بنا سکتے ہیں جس کا مقصد لوگوں کی تکلیفوں کو کم کرنا اور زندگی کو بہتر بنانا ہوگا اور ایسی اخلاقیات جس سے کس دوسری کو نقصان نہ پہنچے کیونکہ خوش رہنا سب کا حق ہے۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے ہی جو خوش نہیں، وجہ ہے، معاشرے کے بنائے ہوئے اخلاقیات جو دوسرے لوگوں کو، اقلیت یا جو کمزور ہے ان کو نقصان پہنچا رہے ہیں، اخلاقیات کا نام دے کر

Wahara Umbakar

سائنس کی مدد سے اخلاقیات نہیں بنائے جاسکتے۔ یہ سائنس کا موضوع ہی نہیں ہے۔ اخلاقیات کا مقصد لوگوں کی تکلیفوں کو کم کرنا ہی نہیں ہے۔ اور خوش رہنے کا حق تو اس میں بالکل بھی نہیں آتا۔ اس کو سمجھنے کے لئے یہ سیریز شروع سے پڑھیں تو اس پر یہ سب تفصیل سے لکھا ہے۔

احمد رضا

سر سائیکلو جی کو سمجھنے اور انسانوں کے مختلف عادات مثلاً جھوٹ بولنا، تناؤ، ٹینشن کسی پر اعتماد پیدا کرنے وغیرہ جیسے عوامل کی پہچان کرنے کے کتابیں (انگلش یا اردو) ریکمنڈ کیجیے

Wahara Umbakar

کلاسیکل کتابوں میں ڈیل کارنیگی کی کتابوں کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ان کے اردو تراجم بھی مل جائیں گے۔ ایک اچھی کتاب یہ ہے جس کو پڑھا جاسکتا ہے۔ The Art of Reading Minds: Henrix Fexeus



مخالف نظریات اور صحت مند معاشرہ

معاشیات میں ”سرمایہ“ سے مراد ایسی شے کو لیا جاتا ہے جو کسی شخص یا ادارے کو سامان یا خدمات حاصل کرنا ممکن کرے۔ یہ معاشی سرمایہ ہو سکتا ہے (مثلاً، بینک میں پڑی رقم)، فزیکل سرمایہ ہو سکتا ہے (مثلاً، عمارت یا ساز و سامان)، یا انسانی سرمایہ ہو سکتا ہے (مثلاً، تربیت یافتہ ملازمین)۔ جس ادارے کے پاس سرمایہ زیادہ ہوگا، وہ کم سرمائے والے ادارے سے مقابلے میں آگے نکل جائے گا۔

اس کی ایک اور قسم سماجی سرمایہ ہے (جسے ماہرین معیشت نظر انداز کرتے رہے ہیں)۔ یہ افراد کے درمیان کے روابط، ان کے ایک دوسرے پر اعتبار اور بھروسے کے تعلقات ہیں۔ جب باقی سب برابر ہو تو ایسا ادارہ جس میں سماجی سرمایہ زیادہ ہو، وہ کم متحد اور کم بھروسے والے اداروں سے آگے نکل جائے گا۔

سماجی سرمائے کی اس اصطلاح کے لئے ایک مثال نیویارک میں ہیرے کا کاروبار کرنے والے الٹرا آرتھوڈوکس یہودیوں کی دی جاتی ہے۔ یہ بہت مضبوط جڑا ہوا گروپ ہے۔ اور اس وجہ سے ان کے لئے آپس میں کاروبار اور اعتماد کرنا بے حد آسان ہے۔ اگر کوئی ان کا مقابلہ کرنا چاہے تو اس کاروبار میں سیکورٹی گارڈز اور وکلاء کا خرچ بہت آئے گا کیونکہ اس میں فراڈ اور چوری آسان ہے۔ کٹر ہم مذہبوں کے اس گروہ کو ایسا خطرہ نہیں اور یہ وجہ ہے یہاں پر دوسرے ان کا مقابلہ نہیں کر پاتے۔

ہر کوئی سماجی سرمائے کو پسند کرتا ہے۔ لیکن ہم اپنا فوکس کاروباری ادارے سے ہٹا کر سکول، کمیونٹی، کارپوریشن اور ملک تک لے جاتے ہیں۔ کسی بھی گروہ کے اچھے فنکشن کے لئے سماجی سرمایہ زیادہ ہونا بہت کارآمد ہے۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

لوگوں کو اچھا رویہ رکھنے، تعاون کرنے اور پھلنے پھولنے کے لئے بیرونی مسلط کردہ سٹرکچر اور پابندیوں کی ضرورت ہے۔ ان بیرونی پابندیوں میں مذہب، قوانین، ادارے، روایات، رواج، اقوام جیسے چیزیں آتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو لوگ سماجی سرمایہ جلد ختم ہو سکتا ہے۔ اور اس وجہ سے کامیاب گروہ ان کے بارے میں فکر کرتے ہیں۔

یہ اخلاقی کمیونٹی کا معجزہ ہے کہ لوگ اپنے رشتہ داروں اور برادر یوں تک محدود نہیں رہتے۔ بلکہ ان کے تعلقات ایک مکمل ماحول کا حصہ ہوتے ہیں اور یہ لوگوں کو زیادہ ”نیک“ بناتا ہے۔

کسی چھوٹے دیہات یا جزیرے پر آپ کو اپنی سائیکل یا گاڑی کو لاک لگانے کی ضرورت نہیں پڑتی لیکن اسی ملک کے بڑے شہر میں کئی بار لاک بھی کافی نہیں رہتے۔ چھوٹی، تنہا اور اخلاقی لحاظ سے یکسانیت والی جگہ ہونا سماجی سرمایہ بڑھا دیتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ چھوٹے دیہات رہنے کے لئے مجموعی طور پر اچھی جگہیں ہیں۔ بڑے شہروں کی گنجان آبادی اور تنوع کا مطلب یہ ہے کہ بہت سے لوگوں کے لئے یہ زیادہ دلچسپ اور تخلیقی جگہیں ہیں۔ اور یہی سودا ہے۔ آپ کتنا اخلاقی سرمایہ قربان کر کے کچھ تنوع اور تخلیق کاری حاصل کرنا پسند کریں گے؟ یہ اس پر منحصر ہے کہ آپ کا ذہنی ڈائل کہاں پر ہے۔

اخلاقی سرمائے کو ہم ایسا وسیلہ کہہ سکتے ہیں جو اخلاقی کمیونٹی برقرار رکھتا ہے۔ ایک کمیونٹی کی اقدار، خوبیاں، رواج، شناخت، ادارے اور ٹیکنالوجی کا جال ہے جو اس میں خود غرضی کو دباتا ہے اور تعاون ممکن کرتا ہے۔

اخلاقی کمیونٹی ایک نازک شے ہے۔ اس کو بنانا مشکل ہے اور تباہ کر دینا آسان۔ جب ہم بہت بڑی کمیونٹی کی بات کرتے ہیں (جیسا کہ ممالک اور اقوام) تو یہ چیلنج بڑا ہے۔ اور اس کا شیرازہ بکھر جانے کا خطرہ زیادہ ہے۔ غلطی کا امکان کم ہے۔ دنیا میں بہت سے ممالک اور اقوام اخلاقی کمیونٹی کے طور پر ناکام ہیں۔ خاص طور پر کرپٹ ممالک جہاں پرنٹسٹر اور اشرافیہ ملک کو اپنے مفاد میں چلاتے ہیں۔ اگر اس سرمائے کی قدر نہ کی جائے تو اس کو بڑھانے والے اقدار، خوبیاں، شناخت اور ادارے پنپ نہیں پاتے۔

یہاں پر ایک اور چیز کی وضاحت۔ لازمی نہیں کہ اخلاقی سرمایہ ہمیشہ اچھی چیز ہی ہے۔ یہ کئی قسم کی خوبیوں کو دبا سکتا ہے جس میں انصاف

اور مساوات ہیں۔ زیادہ سرمایہ ایک کمیونیٹی کو اچھا چلانے میں مدد کرتا ہے لیکن یہ اپنے دائرے سے باہر دوسری کمیونیٹی کو نقصان پہنچانے کے لئے بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ فاشزم اس کی مثال ہے۔



تاہم، اگر آپ ایک تنظیم یا معاشرے کو تبدیل کرنا چاہ رہے ہیں اور آپ اس تبدیلی کا اخلاقی سرمائے پر ہونے والا اثر نظر انداز کر جاتے ہیں تو بڑا مسئلہ ہے۔

یہ وجہ ہے کہ انقلاب عام طور پر معاشرے میں تباہی لاتے ہیں۔ کاغذ پر اچھی لگنے والے اصلاحات منفی نتائج کا سبب بنتی ہیں۔

اور یہ وجہ ہے کہ لبرل ازم، آزادی اور مساوات جیسے بڑے فوائد کے باوجود، حکمرانی کے فلسفے کے طور پر کافی نہیں۔ کیونکہ روایات کا احترام نہ کرنے اور انہیں برقرار نہ رکھنے کا مطلب اس سرمائے میں کمی ہے۔

بہت لبرل سوسائٹی اپنی شکل کھودے گی اور شکست و ریخت کا شکار ہو جائے گی۔ طویل مدت میں ختم ہو جائے گی۔

اور بالکل اسی طرح ہی، کمزور یٹو ازم، اپنے فوائد کے باوجود، اچھے معاشرے کے لئے کافی نہیں۔ یہ طاقتور مفادات پر حد لگانے میں ناکام رہتا ہے، کئی قسم کے مظلومین کو چھوڑ جاتا ہے اور وقت کے ساتھ تبدیلی کا ساتھ دینے میں ناکام رہتا ہے۔

بہت کمزور یٹو سوسائٹی سفاک ہو جائے گی اور وقت کا ساتھ نہ دے سکے گی۔ طویل مدت میں ختم ہو جائے گی۔

اور یہ وجہ ہے کہ اچھے اور صحتمند معاشرے مخالف خیالات کی باہمی کشمکش میں رہتے ہیں۔ یہ کشمکش معاشرے کو توانا رکھنے کے لئے لازم ہے۔



اخلاقیات کا معجزہ

اس سیریز میں ہم نے انسانی فطرت اور تاریخ کا ایک دورہ کیا۔ اور یہ دورہ اخلاقی نفسیات کی نظر سے تھا۔ یہ ہم میں شامل وہ خفیہ جزو ہے جس سے سیاست، نظریات اور اس زمین پر ہمارے غلبے کو سمجھا جاسکتا ہے۔ اس دورے میں بہت کچھ بہت مختصر بتایا گیا تھا۔ آخر میں ختم کرنے سے پہلے چند چیدہ نکات ایک مرتبہ پھر:

اخلاقی نفسیات کا پہلا اصول ہے کہ وجدان کا کردار پہلا ہے، عقل کا دوسرا۔ اور عقلیت پسندی کا ماڈل اکیڈمکس میں بہت دیر تک حاوی رہا ہے لیکن اسے حقائق کی حمایت نہیں۔ یہ ایک سراب ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خود کو اور دوسروں کو ایک بڑے ہاتھی پر سوار ایک چھوٹا مہاوت سمجھیں۔ اس طرح آپ دوسروں کی بات کو زیادہ صبر سے سن سکیں گے۔ جب خود کو ایک مضحکہ خیز آرگومنٹ دیتے پکڑ لیں گے تو پھر دوسروں کے نکتہ نظر کا احترام بھی آجائے گا۔

اس دورے کا دوسرا حصہ اخلاقی نفسیات کا دوسرا اصول ہے۔ اخلاقیات وسیع ہے۔ اس کی مشابہت ہماری زبان کے ذائقوں کے ریسپٹر سے ہے۔ اس کی بنیادی اقدار میں پرواہ، انصاف، وفاداری، اتھارٹی، تقدیس اور آزادی آتے ہیں۔ اور ان کے آپس میں (کئی بار تضادات والے) تعلق سے اخلاقی دسترخوان تیار ہوتا ہے۔

اس حصے کا خلاصہ یہ ہو گا کہ ان لوگوں سے خبردار رہیں جن کی نظر میں اخلاقیات صرف کسی ایک ہی پہلو میں ہے۔ انسانی معاشرے پیچیدہ ہیں۔ ان کی ضروریات اور چیلنج ایک نہیں۔ ایک وقت یا ایک علاقے کے حل دوسرے میں کام نہیں کرتے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اخلاقیات میں کھلا میدان ہے۔ ہر قسم کی اخلاقیات برابر ہے اور ان کا آپس میں موازنہ نہیں کیا جاسکتا۔ (یہ اخلاقی relativism جیسے بے کار خیالات ہیں)۔ ایسا نہیں کہ کسی کو مہربانی پسند ہے اور کسی کو عقوبت خانے۔ اور یہ دونوں برابر ہیں۔ لیکن اخلاقی تنوع کا تعلق معاشرتی حالات سے ہے۔

عیسیٰ برلن کہتے ہیں، ”جس طرح کلچر اور مزاج یکساں نہیں، اس طرح اخلاقی آئیڈیل بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ لیکن یہ لامحدود نہیں۔“

تیسرا اصول یہ ہے کہ اخلاقیات باندھتی بھی ہیں اور اندھا بھی کر دیتی ہیں۔ ہم دو الگ مزاج بیک وقت رکھتے ہیں۔ ہم خود غرض بھی ہیں اور گروہی رویہ بھی رکھتے ہیں۔ اور ہمیں بے غرض بنانے میں سب سے بڑا کردار ہمارے نظریات ادا کرتے ہیں۔

اس کا خلاصہ یہ کہ ہمیں ایک صدی سے بتایا جاتا رہا ہے کہ ہم خود غرض ہیں۔ ہم ٹی وی پر پروگرام دیکھتے ہیں جن میں ہمارا بدترین رویہ دکھایا جاتا ہے۔ ہماری خود غرضی پر سائنسی کتابیں لکھی جاتی ہیں۔ اخلاقی حالت زار پر نوحہ پڑھتی خبریں چلتی ہیں۔

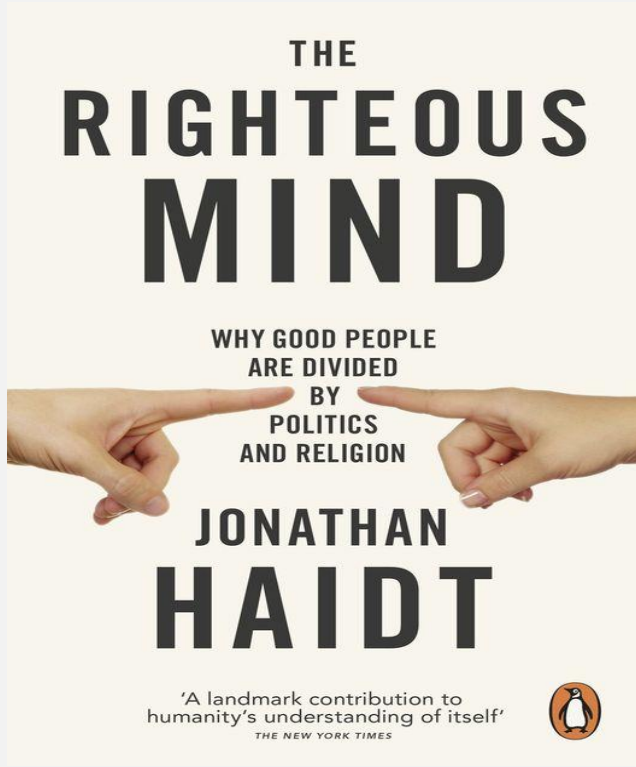
لیکن یہ سچ نہیں۔ ایسا ضرور ہے کہ ہم اپنی زندگیوں کا بڑا حصہ خود غرض مفادات کا پیچھا کرتے گزار دیتے ہوں لیکن ہم یہ صلاحیت رکھتے ہیں کہ ذاتی مفاد کو پار کر جائیں اور بڑے گل کا جزو بن جائیں۔ اور یہ صرف صلاحیت نہیں ہے، ہماری زندگی کے بہترین تجربات کا دروازہ ہے۔ ایسے اعمال کا جنہیں ہم خود کرنا چاہتے ہیں اور جو ہمارے لئے یادگار بن جاتے ہیں۔

مائش نے تیسری صدی میں دنیا کی وضاحت اس طرح سے کی تھی کہ یہ اچھائی اور برائی کی جنگ ہے۔ اور بچوں کی سادہ کہانیوں اور مقبول فلموں میں بھی ایسا ہی دکھایا جاتا ہے۔

نظریات اور سیاست لوگوں کو تقسیم کرتی ہے۔ یہ تقسیم تلخ ہے۔ لیکن یہ تقسیم اچھائی اور برائی کی نہیں۔

ہمارا ذہنی ڈیزائن اپنے گروہ کو نیک سمجھنے کا ہے۔ ہم intuition پر بھروسہ رکھنے والی مخلوق ہیں۔ ہم اپنے جذبات کو مقدم رکھتے ہیں اور عقل سے ان کا دفاع کرنے کی حکمت عملی بناتے ہیں۔ اور یہ اس بات کو مشکل کر دیتا ہے (لیکن ناممکن نہیں) کہ ہم ان لوگوں کے رابطہ کر سکیں جو الگ اخلاقی میٹرکس میں رہتے ہیں۔ اس کی دستیاب بنیاد تو ایک ہی ہے لیکن ان کی میٹرکس کی تعمیر الگ طریقے سے ہوئی ہے۔

تو پھر اگلی مرتبہ ایک کوشش کر دیکھیں۔ اگر آپ کسی ایسے شخص کے ساتھ بیٹھے ہیں جس کی اخلاقی میٹرکس مختلف ہے تو تھوڑا صبر کریں۔ پہلے اپنے میں مشترک چیزوں کے نکات دریافت کر لیں۔ اس پر اعتبار قائم کرنے کا طریقہ ڈھونڈ لیں۔ اور پھر جب اخلاقیات پر بات ہو تو آغاز کسی چیز کی تعریف سے کریں یا مخلصانہ دلچسپی سے۔



ہماری اخلاقی حس ہمیں اپنوں کے ساتھ جوڑتی ہے، دوسروں سے اندھا کرتی ہے۔ لیکن یہی ہمیں دوسرے کے ساتھ ملا بھی سکتی ہے۔

اپنے اختلافات کو ساتھ لئے بھی ہم سب ساتھ چل سکتے ہیں۔

اور یہ ہماری اس انوکھی حس کا معجزہ ہے۔ وہ غیر معمولی انسانی صلاحیت ہے جس نے تہذیب کا بننا ممکن کیا۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہماری نوع میں انتہائی پیچیدہ اخلاقی نفسیات پائی جاتی ہے۔ صحیح اور غلط، نیک و بد۔۔۔ ہم اپنے ڈیزائن میں اخلاقیات کا جنون رکھتے ہیں۔ اور یہ جنون نارمل انسانی کنڈیشن ہے۔ یہ ہماری خامی نہیں بلکہ بنیادی خاصیت ہے۔ بنیادی طور پر ہم اخلاقی نوع ہیں۔

اس اہلیت کی وجہ سے ہم بڑی تعداد میں ایسے گروپ بنتے ہیں جن کو

رشتہ داری یا جینیاتی ہم آہنگی کی گوند نہیں جوڑتی۔ اور ساتھ ہی ساتھ دوسری طرف، ہماری یہی خاصیت ان تعاون کرنے والے گروہوں کو ایک دوسرے سے تنازعے میں بھی رکھتی ہیں۔ اور کسی درجے کی کشیدگی ایک معاشرے کے صحت مند اور توانا رہنے کے لئے ضروری ہے۔

اپنی ناپختہ عمر میں ہماری خواہش ہوتی ہے کہ عالمی امن ہو اور تمام دنیا کے لوگ مل جل کر رہیں۔ لیکن اس موضوع کی سمجھ کے بعد آپ جلد ہی جان لیتے ہیں کہ یہ ایک غلط خواہش ہے۔

قابل عمل یہ ہے کہ مقابلے کے نظریات ایک توازن میں رہیں۔ جوابدہی کا پلڑا کسی ایک طرف نہ جھک جائے۔ سماجی رسہ کشی کا کانٹے دار مقابلہ ہمیں آگے بڑھاتا رہے۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد کم سے کم ہوتی جائے جو یہ یقین رکھتے ہوں کہ صرف وہی حق پر ہیں اور

اپنے نظریے کے غلبے کے لئے کوئی بھی راستہ اور کوئی بھی طریقہ اپنانا ٹھیک ہے۔
یہ خواہش دیرپا عالمی امن و آشتی جیسی رومانوی تو نہیں لیکن ایسی ہے جسے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

سوالات و جوابات

MohammadFahad

سرجب بھی دو یا دو سے زیادہ انسان آپس میں تعلق یا رابطہ بناتے ہیں تو کہیں نا کہی کوئی نا کوئی مشترک اخلاقیات تو وجود رکھتی ہیں یہ اخلاقی ماڈل یونیورسل ہے بس اس پر اتفاق نہیں ہے سب کا۔

Wahara Umbakar

جی۔ یہ درست ہے کہ بہت کچھ universal ہے یعنی ہر ایک میں مشترک ہے۔



ختم شد